URTUR 16-12-07

Title - TAZKIRA KHUNDA-E-GUL ; YAANI FARSI KE ZAREEF SHAYARON KE HALAAT MAY INTIKHAB KALAAM.

Creator - Murattiba Maulvi Abdul Baasi Aasi.

Publisher - Nigar Machine Press (Lucknow).

Date - N.A.

Pages - 480

Subjects - Tazkira Shora ; Urdu Shayari - Intikhab, Farsi Shayari - Intikhab.

سنہ 25ء

تذکرہ خندۂ گل

یعنی

فارسی کے ظریف شاعروں کے حالات مع انتخاب کلام

مولفہ

مولوی عبدالباری آسی

مع محصول

چار روپیہ للعہ

272

مطبوعہ نگار مشین پریس نظیر آباد لکھنؤ

۱۸۲۹ء

۱۹۲۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ظریف شاعروں کا تذکرہ

(ردیف الف)

آبرو - آپ کا نام نجم الدین تھا - مگر شاہ مبارک کے لقب سے معروف تھے۔ آبرو تخلص تھا خود نہایت مشاق سخن گو تھے - مگر مزاج کی احتیاط کے تقاضے سے ہمیشہ اپنا کلام سراج الدین علیخان آرزو کو سنادیا کرتے تھے - تذکروں مین جو کچھ تھوڑا بہت حال ملتا ہے' اس سے استعداد علمی کا کچھ پتہ نہین چلتا - ریختہ مین ایہام گوئی کے نہایت دلدادہ تھے - آزاد نے آبحیات مین لکھا ہے کہ شاہ کمال بخاری کے لڑکے پیر مکھن متخلص بہ پاکباز سے دلی محبت تھی - آزاد کے علاوہ بعض تذکروں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی کبھی مرزا جانجانان مظہر سے جو ان کے معاصر تھے چشمک ہو جاتی تھی - یہان تک کہ باہم ہجو گوئی تک نوبت پہونچی تھی - اسی وجہ سے بعض بعض جگہ کلام مین ظرافت کا رنگ پیدا ہو جاتا تھا - بہت ممکن ہے کہ مستقل طریقہ سے اس رنگ مین کچھ کہا ہو - مگر استداد زمانہ نے ہم تک نہین پہونچنے دیا - البتہ آزاد کے اس لطیفے نے مجھے آبرو کو تذکرۂ ظرفا مین لانے کی اجازت دی - تلاش ہوئی تو دو ایک شعر اور بھی مل گئے جن مین اگرچہ ظرافت کا پورا رنگ نہین ہے پھر بھی ان کو اس سے علحدہ نہین رکھا جا سکتا۔

شاہ مبارک آبرو اتفاقاً ایک آنکھ سے معذور تھے - ان کے معاصر مرزا جانجاناں نے
چشمک کے طریقہ پر ان کی ہجو میں یہ شعر کہا -

آبرو کی آنکھ میں اک گانٹھ ہے آبرو سب شاعروں کی ..... ہے

شاہ آبرو نے بھی ہجو میں یہ شعر کہا

کیا کروں حق کے کئے کو کوریری چشم ہے آبرو جگ میں رہے تو جانجاناں ..... ہے

یہ لطیفہ ہرچند آزاد کی بالکل اختراع ہے اور حقیقت سے دور لیکن چونکہ آبرو کا
شعر رنگ ظرافت کا ہے اس لئے اسے لینا پڑا اور یہ لطیفہ بھی درج کرنا ضروری ہوا -
انھیں کا یہ بھی ایک شعر ظرافت کا ہے -

یار و خدمتگار خان خوجوں کے بیچ ہے تو ستنی و لیکن منقطع

یہ عہد محمد شاہی کے شاعر تھے - تاریخ انتقال کا پتہ نہیں چلا -

آبنوس ایک شاعر نامعلوم الاسم کا تخلص ہے - جنکا دیوان ایک سرسری نگاہ سے
میں نے ایک صاحب کے پاس دیکھا تھا جو اپنی ضرورت کیوجہ سے غریب آبنوس کا سرمایۂ عمر
بیچ رہے تھے - مگر قیمت اسقدر مانگ رہے تھے کہ میں اس کو خرید نہ سکتا تھا - تقریباً
دس جزو کا دیوان تھا - مگر ایک شعر بھی ایسا نہ تھا جس میں - سیاہ کالا - اندھیرا - یا انکا
مترادف کوئی لفظ نہ آیا ہو - افسوس ہے کہ ان حضرت نے مجھکو اتنی بھی مہلت نہ دی کہ
جی بھر کر اسکو دیکھتا - اور اس سواد نامہ کا انتخاب کر لیتا - بیک نگاہ دیکھا اسی میں جو
شعر یاد رہگئے وہ لکھتا ہوں اتفاق سے دیوان میں ایک شعر نظر آیا جسے دیکھکر شبہ ہوتا ہے
کہ ان کا نام کالے خان تھا - مگر مجھکو اس گمان پر وثوق نہیں ہے شعر یہ ہے -

دیکھکر اس کی زلف پر قربان لوگ کہتے ہیں مجھکو کالے خان

ان کی ظرافت اگرچہ ایسی نہیں ہے جسے دیکھکر انسان بے اختیار ہنسی پر مجبور ہو جائے مگر
جو کچھ ہے کمال کا نمونہ ہے - یہ کچھ آسان بات نہیں ہے کہ تمام دیوان میں ایک جگہ بھی

اپنی وضع کو نہ بدلا جائے اس پابندی کا نباہنا یوں ہی کچھ سہل نہیں ہے چہ جائیکہ اسپر ظرافت کی بھی قید لگا دی جائے اور لطف یہ کہ ظرافت نہایت کامیاب اور شائستہ :-

نمونۂ کلام یہ ہے ۔

یہ اُن کی زلف پہ پھبتی کہی ہے یاروں نے — کہ کالے سانپوں میں منا سا کنکھجورا ہے

خلافِ وضع ہے مرتا نہیں فرنگی پر — میں آبنوس ہوں مرتا ہوں جان نگی پر

زلفیں تیری آنکھیں تیری دیکھیں جانے والوں نے — کالی گھٹا کے کالے پھلیندے کھائے کھانے والوں نے

جانتے ہیں کہ آبنوس ہوں میں — مجھسے کہتے ہیں تیسرا کالا منھ

ایڑی چوٹی پہ وار دو مجھکو — کالے پانی اتار دو مجھکو

آپ سے میٹھا سمجھتا ہے زمانہ — مگر وہ بت سلونا سانولا ہے

خال و خط اس کے رخِ روشن پہ — لال کلی میں کالے تل سمجھو سہا

ترشروئی میں اُن کے موٹے ہونٹ — کالے شہتوت کے برابر ہیں

رام ہو جائے گا بت کافر — پوجتا ہوں میں کالی مائی کو

اِن چھوٹے چھوٹے دانتوں پہ کیوں یار مسی کا ڈالا ہے — میں خوب سمجھتا ہوں اسکو کچھ دال میں کالا کالا ہے

خال ہیں اُس کے رخِ انور پر — کالا دانہ پڑا ہے مجمر پر

دل میں کھینچی ہے زلف کی تصویر — سانپ ہے سینے میرا اکڑا ہیر

سجدے کا نشان شیخ جی کا — ماتھے پہ کلنک کا ہے ٹیکا

زلف مشکیں تمہارے چہرے پر — بارش کی ایک کالی کویل ہے

اخاہ سید ضمیر حسین نام ہے ۔ اخاہ تخلص ہے فیض آباد کے رہنے والے ہیں دور موجودہ کے ایک خوش فکر خوش مذاق ظرافت گو ہیں ۔ ظرافت کے سوا اور کچھ نہیں کہتے ۔ نوجوان آدمی ہیں تعلیم معمولی ہے ۔ مگر ان کے استاد ایک قابل شخص ہیں

جنکی انگریزی کی قابلیت نہایت معقول ہے اور بقدر ضرورت فارسی بھی جانتے ہیں اردو کے نہایت خوش فکر شاعر ہیں۔ کبھی کبھی اقتضا طبیعت کی وجہ سے ظرافت کے شعر کہتے ہیں۔ چونکہ اپنے آپ کو زمرہ ظرافت گویاں میں شامل کرنا اپنی عالی پایگی کی وجہ سے ننگ سمجھتے ہیں اسیوجہ سے وہ تمام اشعار شاگردوں کی غزلوں میں شامل کردیتے ہیں۔ حتیٰ کہ میں نے اس راز سے واقف ہونے کے بعد جو آن سے اس امر کی اجازت چاہی کہ میں تذکرہ میں آپ کا نام نامی لکھدوں تو مجھکو بھی اجازت نہ دی اخاہ صاحب کے اشعار میں زیادہ تر تصرف مرشد بافیض استاد شامل ہے مجھکو میرے دوست سید مسعود رضا خلف اصغر جناب محمد رضا صاحب جش لکھنؤ سے یہ کلام موصول ہوا۔ موصوف نے وعدہ کیا تھا کہ عنقریب کچھ اور کلام دوں گا۔ مگر افسوس کہ وعدہ کے ایفا کا وقت نہ آیا اور تذکرہ کی ترتیب کا وقت آگیا۔ بہرحال مسعود رضا صاحب نے اپنی یادداشت کی بنا پر جو کلام لکھوا دیا تھا وہی حاضر ہے کلام شوخی اور زندہ دلی کے تصویر رنگین سے کم نہین ہے۔

بیوی نے کس خوشی سے شوہر کو ناک کیا — اپنے ہوتا ہی نہ تھا مانگے سے پیدا کر دیا
[1] یہ کہتے پھرتے ہیں دیہاتی لیے طالب دو بٹے — ہمارے قبلہ و کعبہ ہو کاشتکار نہیں
دل غریب کو بس چھیڑ دو ہاں دل کا تنک — کہ میں ظالم نہیں دل مرا بیمار نہیں
میں نے از بسکہ تنے کو شغل اس ستم ایجاد کی — یاد کی پھر یاد کی پھر یاد کی پھر یاد کی
ہجر کی شب مجھے حسرت ملی میں کھو نالہ کر لیا — کب لٹا دیا غالب نے کوئی کہے نہیں فریاد کی
آگ رکھکر پھر نکلے بھی بجھ گیا اچھا ہوا — آشیاں کے ساتھ داڑھی جل گئی صیاد کی

آزاد کے اس نام سے ایک، قدیمی اور پرانی بیاض میں یہ دو شعر ملے ان کے سوانح تمام

[1] غالب مرحوم کا ایک مطلع ہے ؎ فریاد کی کوئی لَے نہیں ہے — نالہ پابند نے نہیں ہے ۱۲

کا پتہ چلا نہ سکے۔ بہت معلوم ہوئی شعر درج ہیں۔

ایک بڑھیا سے ہنے کی یاری — ساری دنیا میں ہو گئی خواری
رات کو اُس کے پاس جب لیٹا — بولی چپ ہو کے سو رہو بیٹا

آس۔ یہ تخلص لکھنؤ کے ایک صاحب کا ہے۔ مگر جہانتک معتبر ذرائع سے سُنا گیا یہ تخلص صرف ایک جواب تھا یاس کا۔ سنہ ۱۹۱۱-۱۲ء میں لکھنؤ میں ایک انجمن معیار کے نام سے قائم تھی اور ایک رسالہ بھی اسی نام سے شائع ہوتا تھا۔ اس انجمن میں لکھنؤ کے نامور شعرا ر شریک تھے صفی۔ محشر۔ عزیز۔ ثاقب وغیرہ اس کے ارکان میں سے تھے انجمن کی طرف سے ایک ماہوار مشاعرہ بھی ہوتا تھا۔ اتفاق سے اُسی زمانہ میں مرزا واجد حسین یاس عظیم آباد سے آ گئے۔ چونکہ مرزا یاس کو شاعری کا ایک فطری ذوق تھا۔ اس لئے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ مگر چونکہ اِن کو حسب خواہش داد نہ ملسکتی تھی اس لئے اِن کو خیال ہوتا تھا کہ اہل لکھنؤ نا انصافی کرتے ہیں۔ اگرچہ مرزا صاحب کا یہ خیال بالکل صحیح نہ تھا تاہم کچھ نہ کچھ اسکی اصلیت بھی تھی کیونکہ شعرا سے معیار حقیقتاً اُن کو اپنا ہم مشق اور ہم پلہ خیال نہ کرتے تھے بلکہ جہاں تک سنا ہے یہ بھی ہوا کہ ان کو بعض بعض مرتبہ بنایا گیا۔ مرزا یاس کو یہ حرکت سخت ناگوار گزری۔ اہل قلم تھے خاموش نہ ہا گیا۔ اعتراضات کرنا شروع کئے۔ اور حریفوں کو دنداں شکن جواب دیئے اُدھر سے اِن کے مقابلے میں ایک فرضی شخص متخلص بہ آس پیدا کیا گیا اُور اُسی کے نام سے یہ فخریہ رجز لکھکر تقسیم کرایا گیا جس کے بعض شعر ظریفانہ ہیں

ہر آں کو نہ داند بہ داند مرا — ستایش کنند تا توانند مرا
جہاں پہلواں آس پر دل منم — بہ گرداں معنی مقابل منم
سپر پیش من جملہ انداختند — رمیدند و درو ند دل باختند

ہلاکوئے شان پدریم ما | پئے یزداں شیر نریم ما
نہ از خیل آتش پرستاں منم | بہ یزداں کہ در کیش یزداں منم
بکف اندرم نیزۂ از قلم | منم طعنہ بر مصحفے میزنم
بلے ہیچو من نیست اندر جہاں | ہنر پرورانم ہنر پرور زباں
نشاید اگر بردے من ہیچو تیر | بہ دل یاس را دیدہ دوزم چو تیر
کہ در قلب مومن نگنجد ہراس | بود در دلِ کافراں جائے یاس
دلِ کافراں ہیچو دوزخ بود | نہ دوزخ پئے یاس مطبخ بود
بہ قرآں کہ خواندیم لاتقنطو | تفو بر رخِ یاس اینک تفو

آزاد - ایک شخص کا تخلص ہے جو علم سے بالکل بے بہرہ تھا قوم کا تسار اور بدایوں کا رہنے والا تھا - محبی قمر بدایونی سے یہ دو شعر دستیاب ہوئے -

آزاد کی ہے خانہ بدوشی کا یہ عالم | کاندھے پہ لئے پھرتا ہے چھپر کی دن
ہمارے باغ کے کونوں میں کرنے کی بہار آئی | اگر خوشبو کی خواہش ہو تو دونا دیکھ کر ڈالو

آسی - خاکسار راقم تذکرہ کا تخلص ہے - اگرچہ زمرۂ ظریفانِ خوش مذاق میں میرا شمول اور شمار نہیں ہو سکتا - مگر پھر بھی چونکہ اس طرف کبھی کبھی متوجہ ہوا ہوں لہذا اُن اشعار کو ضایع کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا ظرافت میں مجھے اکبر کا رنگ سب سے بہتر معلوم ہوتا ہے - بعض شعر اسی رنگ میں کہے ہیں اور بعض واقعہ طلب ہیں جنکی بعض جگہ خود ہی تفصیل کردونگا اور بعض جگہ اس تفصیل کو محض تطویل سمجھونگا -

میرا مولد و مسکن قصبہ آلدن ہے جو ضلع میرٹھ میں ایک نہایت قدیم شرفا کی بستی ہے - بظاہر اس کی آبادی بڑی نہیں ہے مگر اسکی خاک پاک سے ایسے ایسے

ذی علم اور ذی ہنر حضرات پیدا ہوئے جنکی تھوڑی سی تعریف کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ میری پیدایش ۱۸۹۳ء میں ہوئی ۱۸۹۸ء میں قاعدہ بغدادی پڑھنا شروع کیا۔ پھر قرآن شریف کے کچھ پارے حفظ کئے۔ بعدۂ ناظران مصحف شریف کو تمام کیا۔ اور فارسی شروع کی ظاہر ہے کہ اب سے بیس پچیس برس پہلے فارسی کا اچھا خاصہ رواج تھا۔ لہذا فارسی کی تمام درسیات سبقاً سبقاً حافظ برکت علی مرحوم سے جو اس قصبہ میں ایک نہایت ہی زبردست فاضل تھے پڑھکر عربی شروع کی اور صرف۔ نحو۔ منطق۔ فقہ۔ حدیث مولانا مولوی سید سراج احمد صاحب سے پڑھی بعدازاں حدیث کی بعض کتابیں دوسری جگہوں میں تمام کیں۔ ۱۹۰۸ء میں طب کا شوق ہوا۔ اور دہلی کے ایک نامور طبیب حکیم نواب جان صاحب مرحوم سے اسکی کچھ کتابیں پڑھیں پھر مختلف لوگوں سے اور ذاتی طریق پر اسکی مزاولت رکھی۔

شعر و شاعری کا شوق ۱۹۰۶ء سے شروع ہوا اسوقت تک بہت کچھ لکھا۔ مگر چونکہ ابتدائی روش اب مطبوع خاطر نہیں رہی۔ لہذا پہلے دو دیوان ایک صاحب کو بالکل دیدیئے گئے۔ اور اب مشکل سے مجھے ان میں کا کوئی شعر یاد ہوگا۔ ایک دیوان جس میں کچھ غزلیں پہلی بھی ہیں میرے پاس ہے۔ اس کے علاوہ میری بہت سی غزلیں ان لوگوں کے پاس بھی ہیں جنکو مجھ سے کوئی بھی تعلق نہیں مگر مروتاً ان کو بہت کچھ لکھدیا گیا۔ ایک غزلیں کیا اکثر کتابیں مختلف علوم و فنون کی دوسرے لوگوں کے نام سے لکھیں اور ملک میں شائع ہوئیں۔

میری تصنیف سے اسوقت میرے نام سے یہ کتابیں ہیں اور حقیقتاً اب میں انھیں کو اپنی تصنیف سمجھتا ہوں باقی جن کو دیدی گئیں خدا انھیں کو مبارک کرے

دیوان جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ ظریف اللغات۔ جی چاہتا ہے کہ اس کا نمونہ کچھ درج کروں۔ مگر بیکار ہے۔ شذر رشتہ ناول چار حصہ یہ ایک دلچسپ ناول ہے جو ایک خاص بحث سے

لکھا گیا تھا۔ پھول وتی چار حصہ۔ یہ بھی نہایت ہی دلکش اور دلچسپ ناول ہے۔ اور سندر شانتا سنتی کے نام سے بھی معروف ہے۔ علم الشعر اس کے پانچ حصہ لکھنے کا ارادہ تھا۔ مگر اس وقت تک حصۂ اول لکھا جا چکا ہے جس میں شعر کی ماہیت پر ایک فلسفیانہ بحث کی ہے۔ ملا زاغلول۔ ایک ناول ہے جس میں حاجی بغلول کے رنگ میں پیرانہ ہوسناکیوں کا خاکہ اڑایا گیا ہے۔ اقوال اکبر۔ اکبر بادشاہ کے حکیمانہ اقوال کا انگریزی سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ عیار فقیر ایک دلچسپ ناول ہے جس میں گداگری کے متعلق ایک نہایت عبرتناک قصہ لکھا گیا ہے۔ ترجمۂ پارۂ الحمد۔ قرآن شریف کے پارہ ۳۰ کا سلیس نظم میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ ابتک چھپا نہیں ہے۔ شرح تحفۃ العراقین خاقانی کی مایۂ ناز مثنوی تحفۃ العراقین کی شرح جو اس لئے لکھی گئی تھی کہ ایک زمانہ میں یہ کتاب کورس میں داخل تھی یہ کتاب چھپ رہی ہے۔ شرح دیوان غالب اردو۔ غالب کے اردو دیوان کی شرح ہے۔ جو متداول اور مشہور ہے۔ رسالۂ علم نفس سائنس کے متعلق ہے جس کو بھاشہ یا سنسکرت میں سروے کہتے ہیں یہ بھی ہنوز غیر مطبوع ہے جو عنقریب چھپے گا۔ تذکرہ نسواں شاعر عورتوں کا تذکرہ جسمیں اردو فارسی کہنے والیوں کا بیاں ہے چھپ رہا ہے۔ تذکرہ الظرفا۔ یہ تذکرہ ہے جو اسوقت لکھ رہا ہوں۔ اِن کے علاوہ بہت سے طویل مضامین بھی لکھے جو چھوٹے چھوٹے رسالوں کی برابر ہیں۔ ایک تذکرہ شعرا اور بھی لکھا تھا۔ مگر اُس کے چھپنے کی بظاہر کوئی امید نہیں۔

میں نے اوائل جنوری ۱۹۰۸ء میں اپنے مولد و مسکن کو خیرباد کہا اور پہلا قدم غربت میں رکھا۔ اسی زمانہ سے میں ۱۹۱۰ء تک مستقل طریق پر دہلی رہا۔ اس کے بعد ۱۹۱۰ء کے آخر میں شاہجہاں پور چلا آیا۔ جہاں ۱۹۱۲ء تک عربی فارسی پڑھاتا رہا۔ اس کے بعد ۱۹۱۳ء میں پھر دہلی چلا گیا۔ اور مطبع ہمدرد۔۔۔

دلکشی پریس میں ملازم رہا۔ چونکہ ۱۹۱۴ء کا زمانہ اخبار ہمدرد دہلی کے لئے نہایت آشوبناک تھا۔ اور اس کے ثبات و عدم ثبات کا کچھ بھروسہ نہ تھا اسی وجہ سے نہایت افسوس کے ساتھ دہلی کو چھوڑنے کا قصد کیا اور مطبع منشی نولکشور میں چلا آیا

جب تک میں دہلی میں تھا میری شاعری متعدد راستے اختیار کر چکی تھی۔ کبھی کچھ مومن کے رنگ میں کہتا تھا۔ کبھی ذوق اور غالب کا رنگ اچھا معلوم ہوتا تھا۔ کبھی حالی اور داغ کا تتبع کرتا تھا مگر غالب رنگ مرزا داغ کا تھا۔ اور میں بعد حضرت داغ کے جناب مولٰنا سید ابو الحسن صاحب ناطق گلاٹھوی سے اصلاح لیتا تھا۔ مگر جیسے ہی لکھنؤ میں قدم رکھا اور مشاعروں کی شرکت کا اتفاق ہوا۔ تو مجھے روز روشن کی طرح یہ بات معلوم ہوگئی کہ لکھنؤ کی شاعری عروج کمال پر جا رہی ہے۔ اور دلی کے اساتذہ صرف شوخی داغ کہن کی وجہ سے گلفروشی کر رہے ہیں۔ باقی کچھ نہیں ہے صرف ہوا ہے۔ جو ابتک دلی کے نام کو زندہ کئے ہوئے ہے۔ میرا جی چاہا کہ میں داغ کے رنگ کو ترک کرکے اب لکھنؤ کی شاعری کا اتباع کروں مگر خوبیوں کے ساتھ چند ایسی برائیاں بھی اس رنگ میں نظر آئیں جو خوبیوں پر غالب تھیں۔ جذبات میں تصنع اور آورد۔ صنائع بدائع پر شاعری کی بنا رکھنا تو ناسخ کے وقت سے اسمیں داخل تھا۔ مگر اس زمانہ میں تین فرقہ نظر آئے۔ ایک وہ فرقہ تھا جو کہنہ مشق کہلاتا تھا۔ اُن کے یہاں وہی رنگ قدیمانہ اور باقیات الصالحات کے نمونے تھے۔ جس سے روح کو اہتزاز ہونے کے بجائے اچھا خاصا تنفض ہو جاتا ہے۔ سننے والے غریب کو اپنی زندگی کے وہ لمحے اس برزخ میں صرف کرنے پڑتے ہیں جنکا حساب نہ زمانہ حیات میں لگایا جاسکتا ہے نہ موت میں۔ دوسرا ایک فرقہ تھا جس نے بزعم خود مرزا غالب اور میر تقی میر کے اتباع کا دعویٰ کیا تھا اور آثار سلف کو نسیاً منسیا کر دینے پر تلا ہوا تھا۔ اور وہ کس طرح اس طرح کہ غزل کی غزل میں دردناک مضامین بھر کر شعر کے انبساطی پہلو کو فنا کر دینا

چاہتا تھا۔ مگر ماہران فن جانتے ہیں کہ درد و اثر پیدا کرنا انھیں لوگوں کا کام ہے جنکے دل پر غم و الم کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔ جو اپنے خرمن صبر و سکون کو برق جانسوز عشق کے نذر کر چکے ہیں جنکو ابر بہاری کی طرح فضائے عالم میں رونے کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ میر و مرزا کا متبع علم چاہتا ہے۔ عمل چاہتا ہے دل میں پختگی کا طلبگار ہے۔ دماغ میں شوریدگی کا خواستگار ہے۔ اُدھر یہ عالم اِدھر اِن مدعیان بیخبر کے یہاں۔ نہ علم نہ عمل لہذا نتیجہ گمراہی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ بہک گئے اور ایسے بہکے کہ سیدھے راستے کے چلنے والوں کو بھی ساتھ لیا اور وادی غربت میں لیجا کر سراسیمہ و حیران آشفتہ و پریشان چھوڑ دیا۔ خدا راہ راست پر لائے اُن لوگوں کو جنھوں نے اپنی غلطی اور نادانی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ مرنے کے جذبات ہی سے شعر میں درد پیدا ہوتا ہے۔ نزع کا عالم آخری ہچکی تشنج اعضا۔ دم توڑنا۔ ہاتھ پاؤں میں اینٹھن وغیرہ ہی تاثیر و تاثر کی جان ہیں۔ غرضکہ اِن لوگوں نے انھیں مضامین یا زائد از زائد مشکل ترکیبوں کو غالب کا رنگ سمجھا اور اسی پر طبع آزمائی کرتے رہے تا اینکہ لکھنؤ کی تمام فضائے شاعری اسی سم قاتل سے مسموم ہو گئی۔ اور اب تک مسموم ہی چلی جاتی ہے۔ تیسرا گروہ وہ تھا جسکا دعوی تھا کہ ہم زبان کہتے ہیں۔ ہم زباں داں ہیں حالانکہ یہ دعوی بھی صرف زباں درازی کی حد میں تھا۔ اس سے زیادہ کوئی وقعت نہ تھی کیونکہ یہ لوگ زبان صرف اس کو جانتے ہیں اور جانتے تھے جن میں محض عورتوں کے ناز و نخرے۔ ادائے بیجا بانہ۔ انداز بیباکانہ۔ انگیا چوٹی وغیرہ کا ذکر ہو باقی زبان کے اصلی ارصاف بے تکلفی۔ سادگی۔ روانی۔ آمد۔ کا کہیں نام بھی نہ تھا۔ یہ حال تھا جب میں لکھنؤ میں آیا۔ لطف یہ تھا کہ اگر ان مذکورۂ بالا رنگوں کے سوا کوئی کچھ بھی کہتا مگر یہ ممکن نہ تھا کہ اُس کو داد دیجائے میں سخت حیران و پریشان تھا۔ نہ رائے رفتن نہ جائے ماندن۔ مجبوراً اس رنگ کو جو مرزا داغ کا تتبع تھا میں نے چھوڑ دیا۔ اور دہلی اور لکھنؤ کے

بہت بہن غزل کہنی شروع کیں۔ اور حتی الوسع کوشش کی کہ واردات قلبیہ کا ورد کے ساتھ اظہار کرتا رہوں۔ اسی روش پر اسوقت تک قائم ہوں۔ مگر حاسدان بد بیں کے دل میں حسد کی آگ شعلہ زن ہوئی اور ہمیشہ عداوتوں میں مصروف رہنے لگے۔ تا اینکہ اب برا بھلا کہتے ہیں۔ مگر یہ نہیں سمجھتے کہ ذلک فضل اللہ الخ انھیں اثرات سے متاثر ہو کر ایک روز بے اختیارانہ یہ شعر لکھا تھا۔

احباب کی شکایت بیجا ہیں کیا کریں — میرے ہنر کو ہے یہ ستم آسماں پسند

چونکہ یہاں بہ تفصیل اس واقعہ کو لکھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا لہذا اس کو دل میں محفوظ رکھتا ہوں پھر کبھی لکھوں گا اسوقت صرف اشعار ظریفانہ نقل کرتا ہوں۔

اب بھی ہمت کی مسلمانوں میں کچھ قلت نہیں — ہاں مگر وہ بے تے ٹھے سب چپ ہیں یہ وہ ہمت نہیں
قاضی صاحب پھر بھی اچھے ہیں کہ قصہ تو سنا — جج نے تو یہ کہہ دیا جا سکے ہمیں فرصت نہیں
ریل کی اکثر مذمت شیخ صاحب سے سنی — پاپیادہ چل سکیں دو کوس یہ ہمت نہیں

غلط فہمی کا فیشن سے ازالہ ہو نہیں سکتا — کوئی گر راکسی کالے کا سالا ہو نہیں سکتا
جناب شیخ بھی ہنس ہنس کے چپکے چپکے کہتے ہیں — ٹپ ٹنگ اچھا ہے طریقہ اس سے اعلیٰ ہو نہیں سکتا
مرے سوز دروں کو مجھ سے سنکر ڈاکٹر بولا — کہ ناممکن ہے ہرگز دل میں چھالا ہو نہیں سکتا
ہے گرچہ روشنی بجلی کی وجہ ضعف بینائی — چراغوں سے مگر ایسا اجالا ہو نہیں سکتا

شیخ مسجد میں گئے صاحب کلب میں ڈٹ گئے — ہم کسی قابل نہ تھے مجبور ہو کر ہٹ گئے

ہلکے پھلکے ہو گئے اس دور ناہموں میں — پائجامہ جذب ہو کر رہ گیا پتلون میں

اس کا اقرار ہے ہمکو بھی کہ اچھا کالی — دیکھنا یہ ہے کہ کیا لیتی ہے کنٹن بالی

میرے شاگرد امین نے ایک ہوٹل قائم کیا تو میں نے مذاقاً یہ شعر کہکر سنایا۔

بھٹیارین کے جور کے نہ اب آپ کھائیے — ہوٹل میں رہئے اور ٹن چاپ کھائیے

جن کو درازی شبِ غم کا گلہ ہے کچھ — بنگالنوں کے جا کے ذرا بال دیکھ لیں

کچھ تکدر ہو اگر طبعِ ظرافت سنج میں — دیکھ لے جا کر مسوں کا رنگ حضرت گنج میں

ہندو مسلم اتحاد کے بعد جو نفاق پھیلا ہے اُسی سے متاثر ہو کر یہ کہا تھا۔

اختلافِ مذہبی جس وقت پیدا ہو گیا — اتحادِ قوم چوں چوں کا مربا ہو گیا

قومی ترقیوں کی عجب ریل پیل ہے — کہتے ہیں جسکو جیل وہ لڑکوں کا کھیل ہے

لیڈر نہیں ہیں کہیے انھیں رہبرانِ قوم — اب تو انھیں کے ہاتھ میں سب کی نکیل ہے

کیوں کریں ہم خانساماں کی رسوائی قبول — کیونکہ دشواری طلب ہے روٹیاں سہل الحصول

یہ نیا دور ہے ہر رسم کی تجدید کرو — کوئی قیدی جو چھٹے جیل سے تو عید کرو

کچھ شاعرانِ نکتہ داں ایسے بھی ہیں جنکے یہاں — جتنے بلند الفاظ ہیں اتنے ہی معنی پست ہیں

ان کو برا ہم کہتے ہیں ہمکو برا وہ کہتے ہیں — وہ اپنی دھن میں مست ہیں ہم اپنی دھن میں مست ہیں

آجکل جو قوم کے رہبر ہیں وہ لوگ اور ہیں — شیخ بیچارہ تو اسی صفت میں بدنام ہے

سنا تھا لفظ کو اسلام کے جتنے بزرگ ہیں مگر بدقسمتی سے آجتک معنی نہیں سمجھے

شب غم ہے روز قیامت کی جوڑو
مگر میرے نزدیک دونوں بچے ہیں

دیوانہ سن کے ناصح ناداں کی داستاں
یہ کہہ کے اٹھ گیا کہ بڑا بے شعور ہے

مقام عبد کا معبود سے جدا ہی رہا
بتوں سے ہو نہ سکا کچھ خدا خدا ہی رہا

خیال قوم ہی ہر وقت اور ہر شب ہے
سوائے اس کے کوئی کام ہے نہ دھندا ہے
جو جوش قوم بڑھائے وہ ہے مری اسپیچ
جو ہوش اڑائے جہاں کے وہ اُن کا چندا ہے

جناب شیخ بھی چپکے سے کہہ گئے آخر
شراب رات کو اکثر حلال ہوتی ہے

بھولا ہوا ہوں ذکر حسین و بتول کا
قصہ چھڑا ہوا ہے رنگیلا رسول کا

دل میں ادھر ہے جوش ادھر شانتی بھی ہے
اس پالسی کو قوم مگر جانتی بھی ہے

یہ کچھ بھی نہیں سمجھے دانا ہیں کہ ہم تر ہیں
اتنا ہی سمجھتے ہیں ہم خان بہادر ہیں

یہ تو کہئے کہ حضرت ناصح
آپ انسان ہیں کہ بندر ہیں

۲۔ میں اپنی ضد پہ آؤں تو اے ناصحِ شفیق — ساری نصیحتوں کا جواب ایک جام ہے
وبالِ جان ہوئی ہے یہ مغربی تعلیم — کہ اس زمانہ میں کالر گلے کا پھندا ہے

۳۔ اس سے پھر اچھے ہیں اعظ کے وقولِ اکبر — کار و نخ تو ہمیں النسا نے بند کر دیا
کیا پوچھتا ہے حالتِ دل اے طبیب تو — چاہے جو خیریت تو نہ آنا قریب تو
اے شیخ تجھ کو حالتِ جنت سناؤں میں — دم بھر کو اپنے ہاتھ سے رکھ دے جریب تو

آشفتہ — عنبر شاہ خاں نام تھا۔ رام پور کے رہنے والے تھے۔ فاضل شخص تھے۔ قائم چاندپوری سے اردو میں اصلاح لیتے تھے اور فارسی میں قدرت اللہ شوق کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ایک بیاض موسوم بہ ریاضِ عنبر، ایک فارسی دیوان موسوم بہ "تشریق الخیال" اور ایک اردو دیوان موسوم بہ تدقیق الخیال ان کی یادگار ہیں۔ ۱۲۳۳ھ تک بقیدِ حیات تھے۔ آخر وقت میں مراد آباد آ گئے تھے اور وہیں انتقال کیا۔ سید خاں کے تکیہ میں مدفون ہوئے۔

آشفتہ نہایت ظریف الطبع اور شوخ مزاج واقع ہوئے تھے۔ بات بات میں مذاق کرتے تھے۔ اور ظرافت ان کی طبیعتِ ثانیہ بن گئی تھی۔ ذوق ہمہ گیر پایا تھا۔ کبھی کبھی ریختی بھی کہتے تھے۔ مگر اب وہ کلام نہیں ملتا ہے۔ تلاش اور محنت کے بعد یہ دو شعر مل سکے ہیں جو درج کرتا ہوں۔

ظرافت تھی بھری ہرجائی کی ایک ایک لوٹی میں — ہوئی سوکن گرفتار آخر اپنی ناک چوٹی میں
کوئی تجھ ایسے نٹ کھٹ سے اپنے جی کو الجھائے — مری انگیا گئی ہوتی ابھی تو جا کھسوٹی میں

آشوب — یعقوب علی خاں نام تھا۔ علی گڑھ کے رہنے والے تھے۔ پڑھے لکھے، زندہ دل، یار باش، خوش خلق تھے۔ ریختی کے رنگ کے شعر کہتے تھے۔ مگر وہ رنگ

نہ تھا جو جان صاحب یا رنگین کا تھا۔ بلکہ ان سے مختلف طرز تھا۔ اب سے چالیس پچاس برس پہلے کے شاعر ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

رکھتے ہیں جو کہ چھیل چھبیلا ازار بند — ہوتا ہے ایسے لوگوں کا ڈھیلا ازار بند
لوٹے ہے روز صحبت دلدار کے مزے — کیا خوش نصیب ہے وہ رنگیلا ازار بند
قوس قزح بھی دیکھ لے دم بھر تو لوٹ جائے — وہ لال لال نیفہ وہ پیلا ازار بند
کیا کیا مزے اڑائیں جو پڑ جائے اپنے ہاتھ — وہ گورا گورا پیٹ وہ نیلا ازار بند
پیارے ہر ایک چیز سے زیادہ پسند ہے — بانکا چھبیلا اور رسیلا ازار بند
کس مردوے کے ہاتھ پڑا ہے یہ خواب میں — کیوں ہو رہا ہے رات سے گیلا ازار بند
آشوب ان کو ڈر ہے کہیں ناف ٹل نہ جائے — اس واسطے وہ ڈالے ہیں نیلا ازار بند

نگوڑا نکھٹو ہے ہمسائی والا — کرایہ کا ٹٹو ہے ہمسائی والا
نہیں کھاتا پانی بھی اک دن بچا کر — کہ بھٹیارہ چٹو ہے ہمسائی والا
میں کیوں سامنے آؤں ایسے موئے کے — کوئی سالا سٹو ہے ہمسائی والا
نہیں تن پہ کپڑا ابھی لیے لگے ہیں — بڑا ہی نکھٹو ہے ہمسائی والا

آنکھ گلیس۔ احمد شاہ کے زمانہ میں ایک مسخرا تھا۔ جو کوئی اس کے سامنے رباعی یا شعر پڑھتا تھا۔ خواہ وہ فارسی کا ہوتا یا کوئی دوہا وغیرہ کہتا۔ وہ بھی اس کا جواب اسی زبان میں ناموزوں یا موزوں فوراً پڑھ دیتا تھا اور کوئی تامل نہ کرتا تھا جب کہتے کہ پھر سناؤ تو دوسرے طریق پر سناتا تھا۔ افسوس ہے کہ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں اس کا ذکر تو کیا ہے مگر کچھ نمونہ کلام نہ دیا۔

آشوب - میر حسن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک شخص کا تخلص ہے جو چیچک رو دراز قد ہے۔ نہایت مسخرا ہے - پوچ بے معنی شعر کہتا ہے - خود بھی ہنستا ہے لوگوں کو بھی ہنساتا ہے یہ شعر اسی کا ہے -

درعشق تے جیوڑی بیست مچا پاغ　　　　یہ پھرکی دہ دتایہ غ دہ غچا پاغ

اٹل تخلص میر عبدالجلیل نام، نارنول کے رہنے والے تھے - میر جعفر زٹل کے معاصر تھے - کلام بالکل انھیں کے رنگ میں ہوتا تھا - نہایت بانکے سپاہی اور وضعدار تھے - ظرافت اور زندہ دلی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی - ہنسی کے بغیر کوئی بات ہی نہ ہوتی تھی - جس زمانہ میں یہ دہلی آئے وہاں محمد عطا بانکے کا دور دورہ تھا - چونکہ خود یہ بھی بڑے بانکوں میں تھے - لہذا کبھی کبھی محمد عطا سے ان کی نوک جھونک ہو جایا کرتی تھی -

تذکرہ نویسوں نے ان کے بارے میں عجیب خلط مبحث سے کام لیا ہے - مسٹر لیث فیلن صاحب نے ان کو بلگرامی اور سید ابوالفرح واسطی کی اولاد میں لکھا ہے غالباً میر عبدالجلیل واسطی کے ہمنامی نے ان کو دھوکے میں ڈالا - حالانکہ میر عبدالجلیل بلگرامی جعفر زٹلی کے زمانہ سے پہلے گزر چکے ہیں - تذکرہ خمخانہ میں ان کو دہلوی لکھا ہے - مگر یہ بھی صحیح نہیں ہے - کلیات جعفر زٹلی میں ان کے نام کے رقعے موجود ہیں جن میں انھیں نارنول کا رہنے والا بتایا گیا ہے - اسی طرح یہ بات بھی کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ یہ میاں جعفر زٹلی کے شاگرد تھے - میر اٹل جعفر زٹلی کو جن الفاظ سے یاد کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے بڑے دوست تھے - مثلاً "پناہ ٹلائی وچوٹائی میر محمد جعفر زٹلی بڑے بھائی ہر روز از دیا و سیانی سکھی باشند - از سید اٹل بعد از دھینگ و جوہار بہت و بسیار و منو ہار بشیار اوجھل و مخفی نماند -

اسی رقعہ میں یہ حضرت میاں جعفر سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں "امنگ ملاپ و اشتیاق آں یگانۂ آفاق از حد برگشت دبنپت بیرون واز جہت اندیشہ افزوں لیکن بموجب آنکہ کُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا حوالہ نمودہ دوا نجہر سے نگارد"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ میر اٹل ابھی میر جعفر زٹلی سے ملے نہ تھے۔ اگر دہلی کے رہنے والے ہوتے تو یہ ممکن نہ تھا کہ اپنے معاصر اور ایسے مشہور معاصر سے ملاقات نہ کرتے۔ بہر صورت بہت ممکن ہے کہ اس خط کے بعد ہی وہ دہلی آئے ہوں اور پھر یہیں سکونت اختیار کی ہو اور جعفر زٹلی کے شاگرد ہو گئے ہوں۔ کلام تلاش سے بہت کم دستیاب ہوا۔ جو کچھ مل سکا یہ ہے۔

چھپر میر اٹل زبارش و باد | می چکد ہمچو کہنہ بند و کشاد
تجھے دے خدا پھول پھل دودھ پوت | چو سُبْحَانَ حَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ

زلف ہے چہرے پہ یا جنجال ہے | جنبش ابرو ہے یا بھونچال ہے
جھوت بچہ ناز نیں زلفیں رکھے جوں مار کج | زلفان کج وابرو کج و مژگان خنجر دار کج
ظالم کما لے شوخ و شنگا دبیروت پر جفا | دستار او کلدار کج زلفش عجب بلدار کج
کرتی ہے قتل عاشقاں برچھی بیدوہ ترچھی نگاہ | گھوڑے چڑھا اسوار کج باندھے کمر ہتیار کج
ایں طرۂ خوش رنگ او نیز نگاری بردل | گاسے کج و طرّہ کج واس طرّہ پہ ہر تار کج

....

دیکھ سجن کے حسن کو جھوم رہا ہی جگ سبھی | روز نظارہ ایسے کا ماسے اٹل اچک اچک

اثر۔ سید مخدوم عالم نام تھا۔ مارہرہ کے پیرزادے حضرت صاحب عالم مارہروی کے پوتے اور سید مقبول عالم مقبول کے خلف اکبر تھے فارسی کی قابلیت نہایت اچھی تھی تھوڑی بہت انگریزی بھی جانتے تھے۔ نظم و نثر اردو کے ماہر تھے۔ ظریفانہ رنگ کے

اشعار بھی کہتے تھے۔ مگر افسوس کہ عین عالم شباب میں انتقال ہوا۔ کلام ایسا ضائع ہوا کہ پھر مل نہ سکا۔ مجھے ایک صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ تلاش کرکے بھیجدوں گا دو ایک مرتبہ یاد بھی دلایا مگر انھوں نے ایفائے وعدہ نہ کیا بہرصورت دو شعر مجھے مل سکے ہیں جن میں شوخی طبع کا ایک ہلکا سا رنگ ہے۔

واعظ کسی میخانہ میں ہو گا نہ گزر کیا ——— جو چاہے سو کہہ لے ہمیں شاد گے گھر میں

روٹھ گئے مجھ سے خفا ہو گئے ——— بات بچے کی جو سنی کھو گئے

آجاگر۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے کسی تذکرہ میں یہ نام اور اس نام سے کچھ کلام دیکھا تھا مگر اسوقت تذکرہ لکھ رہا ہوں تو نام و کلام کچھ بھی یاد نہیں آتا۔ مجبوراً تخلص لکھدیا گیا ہے۔ سب تذکروں کی ورق گردانی کی مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

احسان۔ حافظ عبدالرحمٰن نام تھا۔ دلّی کے مشہور و معروف استاد سخن گو تھے۔ شاہزادہ مرزا فرخندہ بخت ایزد بخش مرحوم عرف مرزا تیلی خلف حضرت شاہ عالم ثانی کی سرکار میں مختار کل تھے۔ استاد سلاطین کے معزز لقب سے مشہور تھے بڑے مشہور رؤسا اور شاہزادوں کے استاد تھے۔ تمام اصناف سخن پر قدرت رکھتے تھے۔ مگر اصلی توجہ غزل کی جانب تھی۔ فارسی بھی کہتے تھے مگر اردو سے تعلق خاطر زیادہ تھا۔ بلکہ آپ کا قول تھا کہ "غزل ریختہ اگر خوب باشد بہتر از فارسی ست" مگر ساتھ ہی فارسی کی مزاولت کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں شعرا اساتذۂ فن کے آپ کو یاد تھے۔ ایک مرتبہ شاہ عالم کے اس مصرع پہ "صبح بھی بوسہ تو دیتا مجھے اے ماہ نہیں" یہ مصرع "نامناسب ہے میاں وقت سحرگاہ نہیں" لگا دیا تھا۔ کسی نے وقت سحرگاہ پر اعتراض کر دیا۔ یعنی۔ وقت۔

اور گاہ کا اجتماع درست نہیں۔ فوراً سند میں صائب کا یہ شعر پڑھا۔

آدمی پیر چو شد حرص جواں می گردد ... خواب سگ وقت سحرگاہ گراں میگردد

تمام معترضین سن کر سناٹے میں آگئے۔ اسی طرح آپ کی عادت تھی کہ جہاں کوئی خلاف معمول ترکیب یا لفظ اپنے شعر میں لاتے تو سنداً کسی استاد کا شعر لکھ دیا کرتے تھے۔

اکبر شاہ ثانی کے مقربین خاص میں سے تھے اور خاص خاص صحبتوں میں بھی آپ ہمیشہ شریک رہتے تھے۔ شاہ نصیر بھی چونکہ درباری شعرا میں تھے اس لئے حافظ صاحب اور ان سے کبھی کبھی نوک جھوک ہو جایا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ شاہ نصیر نے انھیں پر چوٹ کرتے ہوئے یہ شعر کہا تھا۔

اے خال رخ یار تجھے خوب سمجھتا ... جا چھوڑ دیا حافظ قرآن سمجھکر

غالب مومن ذوق وغیرہ سب لوگ آپ کی عزت کرتے تھے اور آپ کو مصلح زبان جانتے تھے۔ اگرچہ رعایت لفظی کا آپ کے کلام میں کافی التزام ہے مگر پھر بھی نامانوس ترکیبوں دور از کار تشبیہوں۔ تکرار اضافات وغیرہ سے آپنے حتی الوسع احتراز کیا ہے۔ بہادر شاہ ظفر کے دربار میں بھی آپ کو رسوخ حاصل تھا۔ اور کچھ ماہوار معین تھا۔ ایک مرتبہ ماہواری کے پہونچنے میں دیر ہوئی تو آپ نے یہ قطعہ لکھکر پیش کیا۔

صید ماہی وصید دل شاہا ... خوب ہے اور کچھ نہیں معیوب

جال ہوں اور شکار مچھلی کا ... یعنی ڈوبے کا ہے نکالنا خوب

قطب صاحب تھے جب حضور گئے ... وہ دو ماہہ گیا ہے میرا ڈوب

اس کو بھی حکم ہو نکل آئے ... صبر کب تک ہو میں نہیں ایوب

بدگویوں نے ایک مرتبہ اکبر شاہ ثانی کے کان بھر دیئے تھے اسی وجہ سے غریب احسان قلعہ میں آ جا نہ سکتے تھے۔ سلام مجرا سب بند تھا۔ آپ نے جب یہ رنگ دیکھا تو ایک قطعہ نظم کر کے بھیجا جس کے بعد ہی فوراً قلعہ کی آمد و رفت جاری ہو گئی قطعہ کے بعض

شعر یہ ہیں -

عرضِ غمّاز پذیرا ہوئی میرے حق میں — کیا گیا میرا اگر اسکا ہی ایمان گیا
حکمِ والا یہ ہوا قلعہ میں احسان نہ ہو — سن کے اسبات اک شہر کا اوسان گیا
اے شہنشاہِ جہاں قدر شناسِ احساں — خلق کیا کہوے گی گو حکم کو میں مان گیا
شہر وہ کیا ہے کہ جس شہر میں احسان نہیں — قلعہ وہ کیا ہے کہ جس قلعہ سے احسان گیا

حضرت احسان کی پیرانہ سالی کا عالم تھا - مگر پھر بھی اتنے بڑے شہر دلی کا کوئی مشاعرہ ایسا نہ ہوتا تھا جہاں آپ شریک نہ ہوتے ہوں - تمکنت - غرور - خودداری - نام کو نہ تھی - اور لطف یہ کہ ہر رنگ میں شعر کہتے تھے شستہ اور مہذب ظرافت میں بھی ید طولےٰ حاصل تھا - اور تا حینِ حیات تفنن طبع کے طریق پر غزل ہی میں کچھ نہ کچھ ایسے شعر بھی نکال جاتے تھے جو سننے والوں کے دلوں میں شگفتگی اور مسرت پیدا کر دیتے ۱۲۶۷ھ میں پچاسی برس کی عمر پا کر انتقال کیا - تاریخ وفات یہ پائی جاتی ہے ؎ دل گیا بیٹھ آہ جب عالم سے احسان اٹھ گیا
ہر چند اس کے عدد ۱۲۶۱ ہوتے ہیں - وہ کلام جس میں شستہ ظرافت شامل ہے ملاحظہ فرمایئے ؎

قاضی مے گلگوں کی حرمت سے کیا ہو گیا — لیکن بڑی ذلت ہے رشوت کا پچا جانا
بے معنی نہیں معنی اس رمز کے دلکش ہیں — مانگ اپنی دکھا جانی چٹکی کو بچا جانا
ہے دور سمجھ اپنی یہ حکم ہوا یعنی — جب رات بجے آدھی ہم پاس تو آ جانا
دلا دو زلف سے دل ورنہ سب کہتا ہوں — کہ مجھکو ایک لٹیرے نے ہے ابھی لوٹا
تنخواہ ایک بوسہ ہے تس پہ چھ مہینے — سچ ہے نادہند آپ کی سرکار بے طرح
نہ چھوڑ زود ہم شیخ اب تو شیخ کا اخلاص — اگرچہ پیر ہے پر ہے مرید با اخلاص
ڈھونڈتے پھرتے شکم میں ہیں انار دولت کو ہم — یاں تو دوزخ کی پڑی ہے سینکے وہاں جنت کو ہم
قیمت بوسہ جو پوچھی بولے بے قیمت ہے یہ — آج بے قیمت ہی لینگے جنس بے قیمہ ہے کو ہم

محتسب قہر ہے تو شوق سے ٹکلے انگور
اور محروم رہیں بادۂ انگور سے ہم

خفا مت ہو مجھکو ٹلکا لے بہت ہیں
مرا سر رہے آستانے بہتا ہیں

شکم پرور قیامت کو پہچنا ئیں تو میں جانوں
کہ دوزخ لیئے جنت یہاں نیلام کرتے ہیں

دو کبھی بوسے مجھے اک ماہ میں لے ماہ نہ دو
وضع یہ کیا ہے کہ نوکر رکھو تنخواہ نہ دو

احسان - احسان علی نام ہے - صحبتیا باغ لکھنؤ میں قیام ہے - تجارت و حرفت سے کسب معاش کرتے ہیں - جوان آدمی ہیں تقریباً ۲۷ برس کی عمر ہے - دس بارہ برس سے شعر کہتے ہیں - چونکہ استعداد علمی معمولی ہے - اسی لئے بہ نسبت غزل کے ہزل کی طرف زیادہ توجہ ہے - غزل کبھی جب کہتے ہیں تو اچھی کہتے ہیں - ورنہ مدتیں گزر جاتی ہیں اور ایک مصرع بھی زبان پر نہیں آتا - جناب شمس لکھنوی کے شاگرد ہیں - راقم الحروف کے بھی شناسا ہیں - نمونۂ ظرافت یہ ہے -

ابے دربان ڈانٹتا کیا ہے
آئے ہم تیرے باپ کا کیا ہے

آئے ہیں وہ گدھے پہ ہو کے سوار
اب مسیحائی میں رہا کیا ہے

چو رچج دکھلا کے مجھسے کہتے ہیں
یوں نہ ہو چھیڑ تو مزا کیا ہے

دونوں یکساں ہیں اہل دل کے لئے
توچی کیا اور تانگا کیا ہے

سن لیا ہے جو نام احسآں کا
کہہ رہے ہیں وہ مسخرا کیا ہے

جھنجھلا کے قیس بولا دربان کی نہیں پر
اچھا بچا کسی دن تنہا ملو کہیں پر

یہ کالے کالے مسے کب ہیں رخ حسیں پر
حبشی بچوں نے ڈیرا کا ڈالا ہے ملک چیں پر

آزادیوں کا تمکو گر فیض دیکھنا ہو
نسوانی اک مدرسہ قائم کرو کہیں پر

تم میرے پیار سے جانی اور میں تمہارا خادم
یوں حاشیہ چڑھایا میں نے جنال چیں پر

مونچھوں سے کوئی سیکھے پست و بلند ہونا
اونچی بھی ہیں کہیں پر نیچی بھی ہیں کہیں پر

دیکھا میاں انھی پتنگ کا رنگ ڈھنگ کیا ٭ ٹانگیں ہیں آسمان پر تو دھڑ ہے زمین پر
مشکل نہیں ہے کوئی احسان وصل کی شب ٭ آسانیاں ہیں صدقے عاشق کی ڈھیلی پر

زر کو اس درجہ پیار کرتے ہیں ٭ جورو بھی مالدار کرتے ہیں
رنچھ کبھی پکڑ کے کہتے ہیں ٭ یوں شکاری شکار کرتے ہیں
کیا زمانہ بہادری کا ہے ٭ مرد کو مرد پیار کرتے ہیں
آپ کے باپ کا اجارا ہے ٭ ایک کیا ہم ہزار کرتے ہیں
مسی آنکھوں میں مسی دانتوں میں ٭ اب وہ الٹا سنگار کرتے ہیں

ترقی الفلو انزا نے اتنی کی زمانے میں ٭ کہ عطاروں نے ریشے دے دیئے اور تنہا ردئیں
اکڑ کر بیٹھتا اُن کا گدھے پر صاف کہتا ہے ٭ سمجھتے ہیں کہ ہم بھی ہو گئے ہیں شہسوار دنیں
کوئی ہے بوجھنے والا پہیلی اک بجھاتا ہوں ٭ وہ کیا شے ہے جو مرجھائے تو مل جائے جیو ٹردئیں
نکل آئے ہوا سے احساں ادھر تو والٹہ چکھ لو ٭ غذائیں اچھی ملتی ہیں اکثر یہ دوا ردئیں

بیکاریوں کا شغل جو آزار ہو گیا ٭ ہر دن ہمارے واسطے اتوار ہو گیا
پھیلا تا ہے سیخ دل کو شکے دام زلف کیا ٭ ننھا وہ رشک حور جو بیمار ہو گیا
پھولوں پھوں سے مجھے زہرہ کیا آپ نے غیر کا ٭ نالہ اثر میں سانپ کی پھنکار ہو گیا
احسان مہنگا جو ہوں کا یہ دیتو کے سر ٭ گر غیر کو پلنگ کا آزار ہو گیا

کچھ غم نہیں جو زخمی کیا مرا نامہ بر مرا ٭ اچھا ہوا کہ سادہ تھا گلدار ہو گیا
چھپکا لگا کے آیا ہے رو سے شیخ پہ ٭ ابتو وہ ماہ اختر و مدار ہو گیا

جواب صاف ہر اک دل کو ہر اک دل سے ملتا ہے ۔۔۔ کفن اب مرنے والوں کو بڑی مشکل سے ملتا ہے

عمر بھر یوں ہی رہا ہمکو فراق جاناں ۔۔۔ جسطرح ماہ ستمبر سے تو دسمبر نہ ملا
کس طرح وعدہ وفا ہوتا کرسمس ڈے کا ۔۔۔ جنتری ہی میں ہیں ماہ دسمبر نہ ملا
عمر بھر خواب میں دیکھے ہیں محلات احسان ۔۔۔ پر مقدر سے کبھی رہنے کو چھپر نہ ملا

صدقے میں اس بنی ہوئی متوالی چال کے ۔۔۔ اکبار پھر جلوہ ذرا کو لا اچھال کے
تہوار بھی وبال ہیں باعث سے کال کے ۔۔۔ کی اب کی عید خالی سویاں اُبال کے
ٹھکرا کے قبر ہو گئے لنگڑے ادا بڑھی ۔۔۔ اب چلیے خوب شوق سے کولا اچھال کے
بعد مہ صیام کہ کیوں خستہ حال ہوں ۔۔۔ کھائے ہیں میں نے روزوں میں ٹکڑے چھال کے
دل صاف کر کے آئے ہیں محفل میں آج شیخ ۔۔۔ لا ساقیا شراب کٹورا کھنگال کے

اثر آخر کو کام آ ہی گیا جذب محبت کا ۔۔۔ میاں زاہد کے گھر ڈولا گیا بی بی فضیلت کا
ذرکین میں یہ عالم ہے میاں مجنوں کی الفت کا ۔۔۔ کھلونا ڈھونڈتے پھرتے ہیں بی لیلی کی صورت کا
مکان دل شکستہ ہو گیا ہے اور اسدن سے ۔۔۔ ہوا ہے شوق انکو جب سے عاشق کی مرمت کا
میاں مجنوں نے اے احسان سنتے ہیں کہ رحلت کی ۔۔۔ صفا چٹ ہو گیا میدان صحرائے محبت کا

وصف لکھنے کے لئے اس غیرت شمشاد کا ۔۔۔ ہر قلم کھچی جیسے گھنٹا گھر حسین آباد کا

....

جر ثقیل گو اتنی میل تک دیتا ہے کام ۔۔۔ آسماں تک جاتا ہے گولا مری فریاد کا

احسن ۔ ان کا نام قاسم نے اپنے تذکرہ میں احسن قلی ۔ اور مرزا علی لطف اور صفیر بلگرامی نے اپنے تذکروں میں صرف مرزا احسن نامی خوشنویس اور صنعتی ندیم احسن لکھا ہے ۔ مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ان کے اشعار میں ظرافت شامل ہوتی تھی ۔ مگر افسوس کہ اہل تذکرہ نے ظرافت کا کلام درج نہیں کیا بڑی دقتوں کے بعد ایک دو شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں ۔

کہا جو میں نے کہ رُخ کو ترے قمر نہ لگا　　بگڑ کے بولا کہ چل بے ادھر نظر نہ لگا

جام سے ساقی کے آگے لائے جوں مجلس کے بیچ　　غیروں کو پیہم دیے اور یار منھ کھولے رہے

اکثروں نے پی اور اکثر قطرے کو ترسا کیے　　تر ہو گئے دو چار اور دو چار منھ کھولے رہے

احمق ۔ اسم گرامی مصطفٰی خاں ہے ۔ پھپھوند ضلع اٹاوہ کے رہنے والے ہیں ۔ اور وہیں شورے کی ایک فیکٹری قائم کر رکھی ہے غالباً فی زمانہ وہی ذریعہ معاش ہے آپ کی عمر اسوقت ۴۵ - ۴۶ - برس کی ہو گی ۔ مشق شاعری بھی بیس پچیس برس کی ہو گی ۔ آپ عاشقانہ رنگ کی غزلیں فرماتے ہیں اور اسی میں جابجا ظرافت بھی شامل ہوتی ہے ۔ ۲۱ء یا ۱۹۲۲ء میں جب آپکو سیاسی معاملات میں قید ہو گئی اسی زمانہ میں آپ نے سیاسی مضامین کو بھی داخل غزل کر لیا ۔ اور ایک چھوٹا سا مجموعہ زندان حماقت کے نام سے شایع کرا دیا جسکو دیکھکر اپنی مذاق اور پسند کے موافق چند شعر انتخاب کرکے نذر ناظرین کرتا ہوں آپ کی علمی لیاقت وغیرہ کا حال اگرچہ مجھے صحیح طور پر معلوم نہیں ہے ۔ مگر کلام کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو فارسی عربی انگریزی میں آپ کو بقدر ضرورت دستگاہ حاصل ہو گی نہایت خلیق ۔ ملنسار اور نیک طینت آدمی ہیں ۔ غائبانہ بذریعہ مراسلت خطوط راقم سے بھی ملاقات ہے ۔ انتخاب درج ذیل ہے ۔

نئی حد بندیاں ہونے کو ہیں آئین گلشن میں　　کہو بلبل سے اب اٹھے نہ تنکے آشیانے میں

اللہ اللہ کس قدر سمجھے ہوئے بکتے ہیں یاوں
کہتے ہو کہاں جائینگے کہاں تیرے دل کو یہ کیا

خاک عاشق کیا ہے گویا جرمنی بارود ہے
وہ بہی ہے ناشپاتی ہی کوئی امرود ہے

میرے سنبھالنے کی فکریں تو بعد کی ہیں
شام و عراق و ٹرکی سب ہیں تمہاری خاطر

پہلے ذرا تم اپنا پتلون تو سنبھالو
مرقد کی فکر کیا ہے جا ہو جہاں بنا لو

بہاگنے کی ہے یہاں راہ نہ ہٹنے کی سکت
ہیں وہ پنڈت ہوں کہ اس در کے اگر جہرلی

آہ لائی ہے کہاں حسرت دیدار مجھے
دور سے دیکھ کے کرتے ہیں نمسکار مجھے

کھڑے ہو کر جنہیں پیشاب کرنا بھی نہیں آتا
یہ شوخی یہ شرارت یہ دل آرائی کہاں ان میں

وہ ناحق کرسیوں پر بیٹھنے کی مشق کرتے ہیں
مسوں کے چاہنے والے کہیں حوروں پہ مرتے ہیں

رقیب روسیہ کی صورت و سیرت معاذ اللہ
سنبھل او آسماں پتلون کے تسمے ذرا کس لے

بلا تشبیہ وہ لنگور کی اولاد بیشک ہے
کہ میری آہ سوزاں اب مرے کہنے سے باہر ہے

صحبت صالح میں رہ کر ہو گئی اصلاح چال
یہ تیرے ذہن کی ہے مہک یا مبت بدخو

میں گدھا تھا شیخ کے پاس آ کے خچر ہو گیا
بو تیل کی بھیلی ہے کنستر سے نکل کر

خانۂ دل میں خیال یار رہنے دیجئے
ہیڈ کرو یجئے عدو کو شہر میں لیکن مجھے
جا نہیں سکتی عدو کی سستی اعصاب عشق

اس مکاں میں یہ کرایہ دار رہنے دیجئے
گاؤں کا اپنے ہی چوکیدار
روغن زرد نیخ و سم الفار بنائینگے

دوڑتا آئیگا احمق آپ کا خط دیکھکر ۳؎ اُسکو کارڈ بھیجدیجے تار رہنے دیجئے

باوجود اس اتقائے خاص کے بھی نیچی
بارہا پکڑے گئے ہیں اُسکے گھر جاتے ہوے

ایسے وعدے سے تو اچھا تھا کہیں انکار وصل
دو مہینے ہو گئے ظالم کو شر خاتے ہوے

ریل گاڑی میں لکھی ہے ہمنے احمق یہ غزل
فتح گڈھ سے آگرہ کی جیل کو جاتے ہوے

گلِ عارض پہ ترے بلبلِ شیدا کی طرح
ایک اُلّو بھی تو کمبخت غزلخواں ہوا

چمن جب نذرِ صرصر ہونے والا ہی تو اے بلبل
یہاں یہ گھونسلے کسواسطے تونے بنائے ہیں

وفا کا امتحاں گو سخت تھا لیکن میاں کلّو
خدا کا شکر ہے کالج میں سب سے فسٹ آئے ہیں

مزا لوٹا نہیں گلچینی باغ محبّت کا
ابھی تک آپنے لے جانِ من کوتے اوڑائے ہیں

خداوندا تعلق کچھ تو حسن و عشق کا کر دے
مجھے بندر بنا دے یا انھیں کو تو گدھا کر دے

وہ گھر جانے کو ہیں لیکن کوئی ایسا نہیں ملتا
جو دو روٹی پکا کر ساتھ اُنکے ناشتا کر دے

دلِ عاشق فراغت کی جگہ ہے تم جو فرماؤ
وہ اس گھر کو تمھارے واسطے بیت الخلا کر دے

وہ کچھ باتیں بنا کر دل مرا لیجانے والے ہیں
الٰہی دو گھڑی کے واسطے مجھکو گدھا کر دے

۵؎ جب کوئی اونٹ دیکھتا ہو قیس دیسے
چلّاتا ہے کہ وہ مری لیلا سوار ہے

....
....

....
....

خطوط ر

نئی حدیث دیار

لڑکپن ہی میں جنکو دل چرالینے کی عادت ہے ۔ سہ ۔ ڈکیتی پر بھی آجائینگے وہ شاید جواں ہو کر
مرا دل اور اُنکی آرزو یوں ہیں بہم گویا ۔ سہ ۔ رہیں دو آدمی باقاعدہ بیوی میاں ہوکر

اک پردہ نشین حبیب سے کرایہ پہ ہے اسمیں ۔ رہتا ہے مرا خانۂ دل آٹھ پہر بند
کسدرجہ پشیمان ہوے ہیں وہ سربزم ۔ پاجامے میں اتنا بھی نہ ہو دا ہو کمر بند

دل کی قیمت چار پیسے بھی نہیں لگتے وہاں ۔ اک پیالی چاے کی حسرت بھی ابتک دلمیں ہے

کہہ رہا ہے یہ آپ کا انکار ۔ نوبت آے گی ہاتھا پائی کی
کشتی دل کی بحر آتر میں ۔ لاٹ صاحب نے ناخدائی کی
ہاے تقریب وصل کیا ہو گی ۔ اُن کو عادت نہیں مٹھائی کی
مُنڈ گیا جاکر اُن کے کوچے میں ۔ کیا حجامت ہوئی ہے نائی کی
سچ تو یہ ہے کہ شیخ جی نکٹے ۔ کاٹ لی ناک پارسائی کی

آنکھوں نے رو کے نام ہی بالکل ڈبو دیا ۔ سہ ۔ گنگا کا گھاگرا کا اٹک کا چناب کا
شیخ اشتہار بانٹتے پھرتے ہیں شہر میں ۔ سہ ۔ نیلام ہونے والا ہے ٹھیکہ شراب کا

دور سبو ہے اور وہ یوں بے تکان ہے ۔ گویا جناب شیخ کے گھر کی دکان ہے
ذلت اٹھاکے غیر وفادار بن گیا ۔ ہلدی جو پس گئی ہے تو اب زعفران ہے

تعزیر اگر نہ دینگے مجھے جرم عشق پر ۔ پاجی گدھا سور تو مقرر بنائینگے

شیرینی وفا کی ہے بہتات گر یہی — حلوا فروش گڑ کو بھی شکر بنائینگے

سوال وصل پہ مارو عدو کو — یہ اس الّو کے پٹھے نے کہا کیا

ہمارا دل ہے ہم چاہے جسے دیں — میاں ناصح تمہارے باپ کا کیا

چلے کالج سے پہونچے کونسل میں — ہماری ابتدا کیا انتہا کیا

ہمارے دل کا کوئی رازداں نہیں ملتا — یہ اونٹ وہ ہے جسے قدرداں نہیں ملتا

کچھ اُن کو اپنی جفاؤں پہ غیرت آئی ہے — تو ذبح ہونے کے لئے اب کوئی نہیں ملتا

وہ مرگ غیر پر اظہار غم کریں کسطرح — کرایہ پر بھی کوئی نوحہ خواں نہیں ملتا

تو نے اے عشق زنخداں ہوکے ارزاں سچ ہے یہ — سیب جیسی چیز کو ہم ترخ شلجم کردیا

کام آئی عاشقوں کے انکی دریوزہ گری — کچھ دنوں کے واسطے آٹا فراہم کردیا

حرص کوثر ہو تو دوزخ میں جاؤں اے ساقی — مجھکو کچھ اور نہیں چاہیے کنستر کے سوا

اور کیا کیا مجھے پالش کا صلا کیا ملتا — حضرت لیٹ کی سرکار سے ٹھوکر کے سوا

بس وہیں بیٹھ کے فرمائینگے تلقین صلوۃ — شیخ جائیں گے کہاں بزم مزعفر کے سوا

دلِ شیخ محو مناجات ہے — شب لیلۃ القدر کی رات ہے

وہاں چھپ کے جاتا ہے غیر اسطرح — جو دیکھے نہ سمجھے مسمات ہے

جہانگیر بچہ کام ہی آئی کہ آخر ششں — مجنوں کا خاندان زمیندار ہوگیا

لکنت نے خوب کام بنایا دم وصال ؎ انکار کرنے والے تھے اقرار ہو گیا

قدرِ موزوں کو جانتا ہوں کچھ ور ۔ شاعری مجھکو گر نہیں آتی

دور دورا ہے چمن میں ظلم و استبداد کا ۔ خوب الّو بولتا ہے آجکل صیاد کا
چیستے آئی ہے تربت میں مجھے ہچکی مگر ۔ لاٹ صاحب کی دہائی وقت ہے امداد کا
ہمنشینوں کی جدائی شاق ہو جاتی مگر ۔ ہے چڑیماروں کے ٹولے میں مکاں صیاد کا

جتنے سخن طراز ہیں مست خرام ناز ہیں ۔ یار کی ڈیڑھ ٹانگ میں لطف ہے مستزاد کا

تیری نگہ کے واسطے اے فتنہ خو نہیں ؎ ۔ دل ہے ہمارے پاس مگر فالتو نہیں

انکی الفت سے تو بہتر تھا کہ ہم ۔ کہیں بندر ہی نچایا کرتے

ہاتھ آتے جو وہ شیریں لب ۔ ہم بھی شبرات کو حلوا کرتے

ایک بی بی تین بچے ایک والد ایک ہم ۔ آپ ہی کہئے گذر کس طرح ہو قفلنشیں ہیں

ایک چکی ایک پاخانہ کا برتن ایک کپ ۔ کون کون اپنا شریک قید تنہائی نہ تھا
مونڈھا ایسا کہ سر میں ایک بھی چھتا نہ بال ۔ خیر گزری جا پہنچے والا ترا نائی نہ تھا
یہ سمجھکر بھی بغیر اس بزم کے سیری نہیں ۔ ان کے ہاں گتے کی عزت ہے مگر میری نہیں

ہم اور عرض مطلب آپ نے عدو کے گھر میں — دیکھیں تو بال کتنے رہتے ہیں آج سر میں
ہیں یاس و حسرت و غم فکر دل و جگر میں — ان بالشتیوں سے ہے ملک جاں خطر میں

ہردم یہی تماشا ہے انکی رہگذر میں — نکلا اک انکے گھر سے ہو سمجھا اک آ نکے گھر میں
غربت میں جو میسر ہو جاوے ہے غنیمت — گاڑھے میں نقص کیا ہے خوبی ہے کیا کھدر میں

کلو ملیں تو شاید طے ہو رہ محبت — ہر راہزن کا کھٹکا ہوں فکر راہبر میں
کل قصد ہے ہونا صبح تشریف آوری کا — پسوا کے تھوڑی ہلدی ملوائیے گا سر میں

. . . . — . . . .

بوسے میں ہے ملاحت گالی میں ہے حلاوت — کچھ ہے شکر نمک میں کچھ ہے نمک شکر میں

. . . . — . . . .

دل جسپہ مبتلا ہے بس ہے وہی دل آرا — مانا ہیں داغ رخ پر مانا ہے گنج سر میں
کہتے تھے کہ دیکھو دشمن سے دور رہنا — اب کیا بتائیں تمکو کیوں درد ہے کمر میں
کہتے ہیں وہ الٰہی غارت ہوں یہ نگوڑے — چھوڑا نہ ایک ٹکڑا ان بندروں نے گھر میں

ڈر ہے جناب احمق جوتے نہ کھائیں اکدن
چھپ چھپ کے روز قبلہ جاتے ہو انکے گھر میں

اسد - جناب اسد علی قدوائی کا تخلص ہے جو جناب احد علی قدوائی کے بھائی ہیں لکھنؤ میں قیام ہے جس زمانہ میں کیننگ کالج میں پڑھتے تھے تو ایک مشاعرہ سالانہ میں میں نے آپکو دیکھا تھا نوجوان خوش مذاق ہیں اُس زمانہ میں ظرافت کہتے تھے نہ معلوم اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے یا نہیں - چونکہ زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں اس واسطے صرف کلام درج کرتا ہوں -

اُٹھا پردہ بس اب آزادیاں بڑھتی ہیں نسوانکی — یہ ہے تاثیر یورپ کے جنون فتنہ ساماں کی

وہ بولے لڑکے مرجا غیرت سے میں نے کہا اوں ہونھ | بس اتنی بات نے مجھکو ہوا کھلوائی زنداں کی
جہاں تاریک ہے نظروں میں مشرق کی یہ حالت ہے | سیاہی ہے یہ اے مغرب تری زلف پریشاں کی
سنا ہے چاک کی ہے غیر کی توند اسنے خنجر سے | ہے غل سبزی فروشوں میں لگی تربوز میں ٹانکی
نتیجہ مونچھ نیچی کرنے کا میرے ہوا اظاہر | ادا بانکی تھی پہلے اُن کی اب ٹوپی بھی ہے بانکی
نہ پائی نوکری جب میم صاحب نے تو فرمایا | چلو مس خاک اڑائیں چلکے یورپ کے بیاباں کی
بنی جی بھیجو کا زاہد اثر مہنگی میں دکھلاو | چڑھو ممبر کے اڈے پہ بناکر شکل ٹیاں کی
وکٹ تھاپی لئے پھرتے ہیں میدان فضیلت میں | ترقی خیز سیڑھی ہے یہ اطفال دبستاں کی

اسرار۔ زمانۂ حال کے ایک شاعر ہیں بائیس تئیس برس کی عمر ہے۔ فارسی کی تعلیم معمولی ہے انگریزی میں بی اے تک تعلیم پائی ہے۔ نوجوان ہیں مگر زندہ دل معلوم ہوتے ہیں۔ میرے شناسا اور دوست ہیں مگر اپنا نام اور پتہ لکھنے کی اجازت نہیں دی کبھی کبھی ظرافت میں کچھ شعر کہہ لیتے ہیں۔ جس سے کوئی اظہار کمال مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف اپنے تفنن طبع کے لئے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے۔

اُن کے لب سے جو رال بہتی ہے | اسکو کہتا ہوں قند کا شیرا

نہ آلو نہ گوبھیاں نہ شلجم نہ ٹمیٹرس | مقدر میں عاشق کے لکھا ہے ڈھیڈس
وہ ٹھیلے کے اوپر سفر کر رہے ہیں | فٹن ہے نہ بگھی نہ موٹر نہ پلیٹس
مری ہر تمنا پہ کہتے ہیں اوں ہونھ | ہیں پتھر نہیں ہوتے دم بھر کو ٹس مس
وہ اوڑھے دو پٹا ہیں باندھے ہوں صافا | جو وہ نازنیں ہیں تو میں ہوں مقدس

آؤ میں نے تجھے بنایا | مجھکو کوسٹ خطاب دیدے

ڈرکنا کرتا ہے سخت نقصاں   جلدی جھٹ پٹ جواب دیجے

....

کیا بتاؤں میں تمہیں حال تیغ یار ظالم   خون پیتا ہے مرے جسم کا کھٹمل نکل کر

چٹنیں کھائی پڑیں حجامت پر   سر منڈاتے ہی پڑ گئے اولے
نہیں سلتے ہو تم تو سوتا ہوں   سنکھیا کھالے پوتے دو تولے

یہ کہتا ہے جو گر جاتا ہے کھٹمل چارپائی کا   نہایت غم ہے اس قطرے کو دریا کی جدائی کا
جو اپنا سر جھکاتا ہے حجامت اسکی کرتے ہیں   حسینانِ جہاں کرتے ہیں اکثر پیشہ نائی کا

سبب کیا ہے جو یوں لیکر چھری پیچھے پڑا میرے   میں ہوں ولد بکرے کی نہیں بچہ قصائی کا

مولوی محمد اسمٰعیل ۔ آپ میرٹھ کے رہنے والے اور زمانہ آخر کے ایک مشہور نثار اور ادیب تھے سررشتہ تعلیم کے لئے جیسی کتابیں آپ نے لکھیں ویسی آجتک سرکاری مدارس کے لئے کتابیں نہیں لکھی گئیں ۔ آپ کی بیسیوں نظمیں آج بھی بچوں کی زبانوں پر ہیں ۔ علاوہ نثر نویسی کے آپ ایک زبردست شاعر تھے ۔ مرزا غالب مرحوم کے شاگرد تھے اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے زمانہ کے رسم و رواج اور مقتضائے طبیعت سے کبھی کبھی ظریفانہ شعر بھی فرماتے تھے ۔ مگر آپ کی ظرافت نہایت شستہ متین عبرت انگیز اور ناصحانہ ہوتی تھی ۔ حالی مرحوم اور مولانا سے مذکور کا ایک رنگ ہے ۔ بلکہ بعض باتوں میں آپ حالی مرحوم سے پیش پیش ہیں ۔ آپ تمام عمر تعلیم کے محکمہ میں گورنمنٹ کے ملازم رہے

اور اپنی خدمات کو اس حسن و خوبی سے انجام دیا کہ صلہ میں گورنمنٹ سے خان صاحب کا خطاب بھی حاصل کیا۔ آخر میں پنشن لیکر میرٹھ چلے آئے تھے مگر باوصف پیرانہ سالی کے بھی آپ کے علمی اور تعلیمی مشاغل میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور آخر وقت بچوں کیلئے نہایت مفید مفید کتابیں لکھتے رہے۔ تقریباً ۷۰ برس کی عمر میں بمقام میرٹھ ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۷ء میں انتقال فرمایا۔ آپ کی تصانیف سے متعدد مفید کتابیں۔ اور ایک کلیات نظم یادگار ہے۔

آپ نے ایک قصیدہ جریدۂ عبرت کے نام سے کہا ہے جسمیں اہل زمانہ کی غفلت اور کجروی پر خوب خوب طنز و ظرافت کی گئی ہے۔ یہ قصیدہ نہایت طویل ہے لہذا بعض اشعار منتخب کرکے درج کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ عجیب قصیدہ کہا ہے۔ جس میں نصائح کے زہر کو ظرافت کی چاشنی دیکر شربت کی صورت میں پیش کیا ہے۔

میں شاعرانہ روش پر نہیں قصیدہ نگار ۔۔۔ یہ ایک سادہ گزارش ہے یا اولی الابصار
کہ اب کے ماہ محرم میں ساتویں تاریخ ۔۔۔ گیا جو گھر سے قضارا بجانب بازار
تو دیکھتا ہوں کہ گزری میں ایک اکھاڑہ ہے ۔۔۔ اور اتنی بھیڑ کہ جسکا نہیں حساب و شمار
ہیں دو حریف مقابل لئے پھری گتکا ۔۔۔ ہر اک فن پھکیتی میں طاق اور طرار
جو اس نے پاؤں بچایا تو اس نے سر تاکا ۔۔۔ دکھایا چہرہ تو پہلو پہ جا کیا ہے وار
عجیب ٹھاٹھ نئے پینترے غضب پھرتی ۔۔۔ نرالے ڈھنگ سے کرتب کا کرتے ہیں اظہار
چلا ہے ایک بنیٹی کا باندھ کسکر جھکڑ ۔۔۔ کھڑا ہے ایک لئے سیف زن رہا ہے گو ہار
میں اپنے دل میں لگا کہنے کیا حماقت ہے ۔۔۔ مٹے ہوئے ہیں جو اس فن پہ یہ خدائی خوار
سپہ گری کا یہ فن تھا کسی زمانہ میں ۔۔۔ نہ وہ زمانہ رہا نہ اب صورت پیکار
کہاں ہیں اب وہ دلیران صف شکن باقی ۔۔۔ کہ ان فنون پہ ہوتے تھے جان و دل سے نثار
جواب دل نے دیا کہ مت تعجب کر ۔۔۔ میں اس سے بڑھ کے سناؤں زمانہ کے اطوار

(شاعر)

سخنورانِ زماں کی بھی ہے یہی حالت ۔ کہ اس قدیم ڈگر کو نہ چھوڑیئے زنہار

سوائے عشق نہیں سوجھتا انھیں مضموں ۔ سو وہ بھی محض خیالی گھڑت کا اک طومار

بنے شاعری میں یہ پہلا اصول موضوعہ ۔ کہ جھوٹ موٹ کے بنجائیں ایک عاشق زار

تمام اگلے زمانہ کا ہے یہ پس خوردہ ۔ کہ کر رہے ہیں جگالی وہ جسکی سو سو بار

کمال اپنا سمجھتے ہیں خودستائی کو ۔ نہ ننگ ہے نہ حیا ہے نہ شرم و غیرت و عار

جو اپنے فخریہ آئیں تو بس کریں تسخیر ۔ حدودِ ہند سے تا بہ فارس و تاتار

ہے ایک غار میں پانی سڑا ہوا لبریز ۔ پڑا ہے نیم کا پتہ اور اسپہ پشہ سوار

وہ پشہ آپ کو سمجھا ہے ناخدائے جہاز ۔ اور اس سڑے ہوئے پانی کو لجۂ زخار

اسی طرح ہیں ہمارے زمانہ کے شاعر ۔ سمجھتے اپنی خرافات کو ہیں عین وقار

کیا ہے نام ذٹل قافیہ کا اپنے سخن ۔ وہ کنکری ہے جسے کہتے ہیں دُرِ شہوار

جو ان کے دیکھئے دیوان تو بورکے لڈو ۔ غلیظ و گندہ سراسر نتیجۂ افکار

وہی ہے شاعرِ غرّا جسے تکی ہانکے ۔ یہی ہے شعر کا اس دور میں بڑا معیار

ہو اُنکی طبع بلند اور معنی رنگیں ۔ جو طبع گیر ہے تو معنی سڑا ہوا مردار

نہ جس سے طبع کو تفریح ہو نہ دل کو خوشی ۔ غزل ہے یا کوئی ہذیان ہے بوقت بخار

(نمونہ غزل)

صفت ہے دوست کی جلاد و ظالم و غدار ۔ ستم شعار دل آزار بے وفا مکار

ہے دلبروں کی بھی شامت نہ منہ نہ پاکمر ۔ بجائے زلف کے دو اژدہوں کی ہے پھنکار

یہ آپ کے گل عارض وہی ہیں باسی پھول ۔ پڑی ہے نزع کی حالت میں نرگس بیمار

جو ٹوٹی ہال کی محراب ہے خمِ ابرو ۔ تو ہے مژہ بھی پولس کے سپاہیوں کی قطار

زنخ کنواں ہے کہ جس میں ڈبو چکے لٹیا ۔ بھنور ہے ناف کہ جس سے نہ ہوگا بیڑا پار

شبِ فراق کا دکھڑا اگر کریں تحریر
تو ایشیا کو ڈبو دیوے دیدۂ خونبار

وہی لنڈوری ہے قمری تو پر نچی بلبل
وہی ہے سرو کا ٹھنٹھ اور طولِ قامتِ یار

غریب شیخ پہ ہر دم دولتیاں جھاڑیں
کریں مساجد و کعبہ سے دم دبا کے فرار

ہے چرخِ پیر تو مدت سے شاعروں کا پیر
یہ کوستے ہیں اسے یہ مریدِ ناہنجار

جمالِ یوسف و اعجازِ عیسی و موسی
ہیں انکی گندہ دہانی کے سامنے سب خوار

نہ کچھ خدا کا لحاظ اور نہ انبیا کا ادب
یہ اُن کی تو رکھیری شاعری خدا کی مار

ہیں ان کی طبعِ دنی عنکبوت کا جالا
اور ان کی بندشِ مضموں ہے مکھیوں کا شکار

وہ توڑتے نہیں لقمہ مبالغہ کے بدون
بغیر بہنگی کے جس طرح چل سکے نہ کہار

سدا دروغ کی کرتی ہیں مکھیاں بھن بھن
چپک رہا ہے لبوں پہ جو شیرۂ گفتار

لکھیں جو قصہ تو دیو و پری کا افسانہ
لگا دیں کذب کے ڈھیر اور جھوٹ کے انبار

کریں چڑیل کو حورانِ خلد سے نسبت
بنائیں اونٹ کٹیلے کو گلشنِ بے خار

جب اپنے ہوتے ہیں مضمونِ مبتذل وارد
تو گویا عرش سے اتری ہی چار کو بیگار

کریں جو مدح کسی چرکٹے کی وہ بالفرض
تو کہیں سکندر و دارا ہیں اُنکے باج گزار

بنائیں اسکے تئیں بحر و بر کا سلطان
جو فی المثل ہو کوئی کوندہ کا ٹھیکہ دار

ہے سچ تو یہ کہ انھیں شاعروں کے قالب میں
لیا ہے جھوٹ نے کلجگ میں آن کر اوتار

مشاعرہ ہو تو لڑتے ہیں جیسے ٹکّی مرغ
لہو لہان ہیں پنجے شکستہ ہیں منقار

وہ خود فروش بنے آج استادِ زماں
کہ جن سے کوئی ٹکے سیکڑا لے اشعار

اگر سنیں کہ ہوا ہے فلاں رئیس علیل
تو پہلے قطعۂ تاریخ کر رکھیں تیار

اجڑ گئے ہیں وہ مکان اور لد گئے ڈیرے
جہاں کہ آتے تھے یہ بھانڈ کاٹھڑی بہار

جہاں خوشامدیوں شاعروں کی تھی بھرتی
اب ایسی کاٹھ کی الو نہیں کوئی سرکار

فلسفی علما

نہ شاعروں ہی پہ تنہا پڑے ہیں یہ پتھر | کہ عالموں کا بھی اسی دور میں ہے شمار
وہیں ہیں آج جہاں تھے یہ دس صدی پہلے | گیا ہے قافلہ دور اور ڈھونڈتے ہیں غبار
وہی قدیم زمانہ کا فلسفہ سڑیل | ہو جیسے کہنہ کھنڈر کی ڈھی ہوئی دیوار

چونکہ قصیدہ بہت طویل ہے اس لئے اسی پر اکتفا کی گئی۔

اسلاف کا حصہ تھا اگر نام و نمود | پڑھیے پھر اب اُن کے مزاروں پہ درود
کچھ ہاتھ میں نقد رائج الوقت بھی ہے | یا اتنی ہی پونجی ہے یہ رسم سلطان بود

کیا کہتے ہیں اس میں مفتیانِ اسلام | جب بیچ مساجد سے نہیں چلتا کام
تو وجہ کفاف کے لئے مومن کو | جائز بھی ہے یا نہیں خدا کا نیلام

بیکار نہ وقت کو گزارو یارو | یوں سست پڑے پڑے نہ ہمت ہارو
برسات کی فصل میں ہے ورزش لازم | کچھ بھی نہ کرو تو مکھیاں ہی مارو

لاکھوں چیزیں بنا کے بھیجیں انگریز | سب کرتے ہیں دندانِ ہوس ان پر تیز
چڑتے ہیں مگر علوم انگریزی سے | گڑ کھاتے ہیں اور گلگلوں سے پرہیز

اشتہا۔ ایک ایرانی شاعر کا تخلص ہے جن کا اصلی نام مرزا عبد اللہ تھا ان کا مولد اصفہان تھا وہیں نشو و نما پائی اور معمولی تعلیم بھی اسی سرزمین میں حاصل کی۔ اشتہا کے والد کا نام حاجی فریدون تھا جو گرجستان سے ایران میں آئے اور اپنی بیوی کو بھی کہ وہ بھی گرجن تھیں اپنے ہمراہ لے آئے ۱۲۴۵ھ میں مرزا عبد اللہ

پیدا ہوئے اور اپنے والد کے سایۂ عاطفت میں پرورش پاتے رہے۔ یہ ابتدا ہی سے نہایت ذکی اور ذہین واقع ہوئے تھے۔ مگر بد نصیب بھی اول درجہ کے تھے یعنی ہنوز بچہ ہی تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اوٹھ گیا۔ اور بیچارے اشتہا کو مدرسہ میں داخل ہونے کی ضرورت پڑی۔ کیونکہ بغیر اس کے اوقات گزاری کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ اسی حالت میں یہ تحصیل علوم میں مشغول رہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ خوشنویسی کی بھی مشق کرتے رہے۔ چند روز میں صرف و نحو۔ منطق۔ کلام۔ عروض و قافیہ میں کمال حاصل کرلیا علم کے ساتھ ہی ساتھ ان کی خوش بیانی اور ظرافت بھی ترقی کرتی رہی تا اینکہ علوم رسمیہ سے فراغت کرتے پر ایک زبردست ظریف بن گئے اور ان کی ہر طرف شہرت ہو گئی۔ اور ابتدا ہی سے یہ بھی شوق دامنگیر تھا کہ اپنے معاصرین اور متقدمین کا عمدہ کلام بیاض کے طریق پر جمع کرتے رہتے تھے۔ اسی شغف اور غلو کی وجہ سے خود ان کو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ مگر جب یہ خیال آیا کہ ہزاروں ذی کمال شعرا گزر گئے اور آج ایسے گوشۂ گمنامی میں پڑے ہیں کہ کوئی اُن کو جانتا بھی نہیں تو کچھ دل افسردہ ہوکر رہ گئے مگر طبیعت کے ابھار اور دلی جوش نے نچلا نہ بیٹھنے دیا۔ یہ چشمۂ ظرافت کی صورت میں پھوٹ نکلا اور ترور دشور سے بہنے لگا۔ مگر ظرافت میں بھی ایک خاص قسم اختیار کی۔ یعنی تمام کھانوں مٹھائیوں میووں اور بھوک کا ذکر کرنا اپنے اوپر فرض کرلیا۔ اور آخر کار وہ تمام کلام اچھا خاصہ شکرستان ظرافت بن گیا۔ مگر زمانہ اہل کمال کا ہمیشہ دشمن رہا ہے۔ اشتہا بیچارے ہمیشہ مفلوک الحال پریشان روزگار رہے۔ کبھی پیٹ بھر کھانا نصیب نہ ہوا۔ آخر اسی عالم کس مپرسی میں ۱۲۸۹ھ میں انتقال کیا۔ خرم نے اُن کی تاریخ وفات کہی۔

افسوس کہ اشتہائے با فضل و ہنر | از ملک فنا سوے بقا کرد گذر
گفتا پئے تاریخ وفاتش خرم | اے وائے کہ اشتہا ندارم دگر

اشتہا نہایت نیکدل اور غیور تھے۔ کسی سے سوال کرنے کو نہایت برا جانتے تھے۔ اپنا فقر و فاقہ حتی المقدور کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتے اور تمالیاً معلمی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ اُن کے کلام میں ظرافت بہت ہے۔ مگر وہ اسی حد میں محدود ہے جسکا ہم ذکر کر چکے۔ پختگی اُن کے یہاں قدما سے کم نہیں۔ مگر قدیم زبان اور ان کی زبان میں فرق ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔ جو تمام دیوان سے انتخاب کیا گیا۔

مشہور گشتہ است در آفاق نام ما — زین اشتہائے بیحد و مال کلام ما

با ما کسے چگونہ زند لاف پرخوری — کاین سکرا زدند در اول بنام ما

گر روزی تمام خلائق کنند جمع — گردد غذائے مختصر صبح و شام ما

آن گنبد بزرگ کہ در مسجد شہ است — سرپوش کوچکے است بر قاب طعام ما

قنّاد راز ما برساند کسے سلام — وانگہ ز روئے لطف بگو یید پیام ما   ق

چون ذکر خیر ما ہمہ شیرینی شماست — دور از مروت است بود تلخ کام ما

از فیض عام شربت تاریخ عاقبت — پیش از سکنجبین بجہان شد قوام ما

از بسکہ آتشم بدل است از غم کباب — سوز سمندری نگدازد قصور بام ما

مشکل کہ روز حشر برآریم سر ز خاک — تا بوسے قورمہ نرسد در مشام ما

بوسے نرسد مشام زقورمہ بشامم — گریاد گزارند ہمہ رنگیں جہان را

گر پردۂ دلمہ بدرم در نظر خلق — یک لحظہ کنم کشفہ ہمہ راز نہان را

گر یک دو سہ نانے بکف آرم بجرم — صد پارہ کنم کیوں دہن شیر شان را

دستم مزن بہ دل و گر ازدہ دو جہم در گرہ — دیگر مبیا در دہ تقاضا ایں طفیل بہ پیشانم مرا

پیش من گذاشتند حلوا را — میخورم هرچه هست یکجا را
سرو از پا نشسته ایستید — قامت قند سرو بالا را

. . . . — . . . .

یک شتر از قریه کو تا که بریم تا کنون — از کف این ساربان ایدل مهار خویش را

کو شخص کریکی کرد ربی موسم سرما — هر صبح سیلیی به گزازد به برما
از بوی خوش تریه قزول مست و خرامیم — از محتسب شهر چه اندیشه چه پروا
در چین و خطا رفت حکایت و صفاهان — بر قاب پلو دست کشادم چو بیضا
نان تنکم هست بیار بید کبابی — کیں جامه بود در خور آن قامت رعنا
یک بیضهٔ مرغی نبود در همه عالم — شاید که بجوییم ز سر منزل عنقا
شب تا به سحر باشدم از قرقرت انگور — از دیده به دامن بهم دم عقد ثریا

گزریخته اگر شام خورم نوبت صبح — یاد گوزم بیم اندر شکنند سندانرا
اگر از نقل به سازند مرا زنجیرے — همه عمر بجان می طلبیم زندانرا

تنها ز بوسه کلم از پا فتاده ایم — کز سر بدر شده است یکبار هوش ها

تمام سال خورم حسرت شب بریان — از آنکه از دل و جان مائلم زلیبیا را
به روزگار چه ما - هر که بی مربی بود — نه برد لذت شیرینی مربا را
دو صد هزار فدک صید هم شمرده اگر — دو دانهٔ ز فدک آورند خرما را

گرچند شب سیر و پر میخورد می انجیر را | از قوت بازو بهم بشکستی زنجیر را

دم از مزعفر می زند در پیش ما نا قابلے | کز بانگ خر نشناخته زیر و بم کفگیر را

.... | ....

سگی که گندم سه دانه ام بود در جیب | بعینه در نظرم روز عید نوروز مراست

خلق را اگر همه رغبت به پنیر میش است | بیشتر میل دلم با کرهٔ گاومیش است

به ضیافت یه برد شام گرم همسایه | آشناست است که بهتر ز هزاران خویش است

لاغر از کوفته گاو چه گردد فربه + | شیر در عرصهٔ هیجا به برش چون میش است

خاک وجودم اربشگافند تا بحشر | هر چند جستجو شود از قورمه آرزوست

آنکس که قانع است بیوی طعام ما | از خاندان آدم خاکی فرشته خوست

باحرمت است نزد قرم سید القرم | چون نزد ما کسی که ز آل پیمبر است

هرکس که هر شبم به ضیافت صدا زند | در نزد من به رتبه چو سلمان بوذر است

زردک هر آنکه سیم رخان میخورد مدام | زرد و ضعیف و تنبل و در بجوره لاغر است

هرکس که خورد پیاز فراوان بروز و شب | او در جماع با خر مصری برابر است

روغن ندانی از چه بروی عدس نکوست | این نو عروس زشت سزاوار زیور است

.... | ....

اسپ بادام و خربزه گرفتم خوردم   حالیا نوبت افسار و رکاب و زین است
بر سر تربت من دیگ طعامے آرید   گوش بر نالهٔ کفگیر نه بر تلقین است

چل صباح پیاپے خورد اگر کس توت   نشود بجهان پیر و عاجز و فرتوت
کفن درم ببرد زندگی ز سر گیرم   زبد اگر شنوم بوز رشتهٔ تابوت
ببیں بچشم کم ایدل انار را هرگز   که دانه ایش بود به ز حقهٔ یاقوت

هر که خاک در قنا دکشد کحل بصر   بر سر رشتهٔ پشمک به شب تار رود
هر کجا قصهٔ خربوزه آید بمیان   بهتر آنست سخن از خرد خره و ابر رود

نان و پیاز سیر بخوردیم مسکاں   مارا کے از پلو شکمے سیر میکند

هر کس که خوزو کوفتهٔ گاو یکدو شب   چوں پیل پیکرش بتنش فربهی کند

استخوان قلم آنکس که ربود از قیمه   شاه بازے است که او فر همائے دارد
قیمت شیر برنج ارچه گرانست مرنج   شیر دوشیزه صفت شیر بهائے دارد
فرقه را که بود شلغم و زردک انبار   ابلهی باشد اگر در طلب سیم و زر زند
غیر درد دل و درد کمر و بار صداع   از پیاز است چها دوسه آزار دگر
ز بوستان جهان سیبے ار نصیب شود   تمام عمر به پیمائیم این نشیب و فراز

اشفاق - ایک غیر معلوم شاعر کا کلام اس نام سے علیگڈھ میگزین میں دیکھا گیا

بہت ممکن ہے کہ یہی نام کبھی ہو نیز زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے - نمونۂ کلام یہ ہے -

مصرع کا لگانا تو ہے حصہ شعرا کا — سیدھی سی ہے رویت کہ وہ احسان خدا کا
قمچی سے میاں جی کی بچی جان پہ افسوس — تقدیر سے پوری کبھی ٹلی ہم کو تپڑا کا
بیٹھا ہے چمرگد کی طرح موذی منحم — بیٹھنے نہ دیو چاہے نہ دبانے اسے تاکا

اصغر - آپ کا نام سید علی اصغر ہے - شاہپور ضلع فتحپور کے رہنے والے ہیں زمانہ حال کے بذلہ سنج شاعر ہیں - اودھ پنچ سابق میں آپ کی ایک نظم بعنوان رنگ میں بھنگ نظر سے گزری - جس میں بعض جگہ شوخیوں اور ظرافت کا لطیف رنگ شامل ہے - انتخاب نظم یہ ہے -

یہ محرم میں ہولی کا تہوار — ہنستی صورت ہے اور دل بیزار
گر پڑے تھک کے پردہ ہائے چشم — جب نہ آیا ستم شعار عیار
لگ گئی آنکھ موت آ پہونچی — ہو گئی حس مشترک بیمار
روح قالب سے سیر کو نکلی — عالم خواب کی دکھائی بہار
نظر آیا بہت بڑا میدان — عرصۂ حشر جس کا باج گزار
کوہ آتش فشاں زمیں بالکل — دھوپ سے تیز مہر آتشبار
ایک بڈھا ضعیف ریشائیل — نظر آیا بصورت خونخوار
پیٹھا میں آنت تھی نہ منھ میں دانت — جھریاں جسم میں پڑی تھیں ہزار
ضعف پیری سے جھک گئی تھی کمر — سر بھی جنباں تھا صورت مےخوار
پاس مانند چاہ زقن تھی — تھی عجب مخمصے میں جان نزار
کچھ ہراس اور کچھ بڑھی ہمت — بڑھ کے وہ اک قدم ہوا دوچار
پڑھ گیا چند آیت قرآن — کر کے دم - دم میں لایا جسم نزار

دل میں آیا خیال ڈر کیا ہے | تم بھی تو آدمی ہو ہمت دار
حضرت خضر سبز پوش ہیں یہ | یا ہیں درویش کامل دیندار
پھر یہ آیا خیال ڈر کے ساتھ | ہو نہ انسان یہ کوئی آدم خوار
ایک ہی لقمہ میں نگل جاوے | مجھکو حلوا سمجھ کے لذّت دار
بھیجا لاحول کہہ کے بسم اللہ | دلمیں ڈھارس بندھی چلا ناچار
پہونچا اکدم میں اس فقیر کے پاس | دیکھی آنکھوں سے اسکی حالت زار
میں نے پوچھا کہ کون ہو کیا ہو | اپنا مجھکو بتاؤ نام و دیار
کس نکے تیر نگہ کے گھائل ہو | کس کی چشم سیہ کے ہو بیمار
بولا وہ مرد نیک خوش اسلوب | حال کیا پوچھتے ہو تم اے یار
تیغ ابرو کا میں نہیں گھائل | نہ کسی حور وش کا عاشق زار
انقلاب فلک کا مارا ہوں | دلمیں اٹھی ہے درد کی دیوار
لوگ سب سو رہے ہیں غفلت میں | ان کے افعال پہ ہوں زار و نزار

فرط غم سے جو کھل گئیں آنکھیں | مٹ گیا سب طلسم کا گھر بار
وہی کنج قفس وہی فریاد | بستر غم ہے اور اصغر زار

اظلم - اس تخلص کے ایک شاعر تھے جو ضلع شاہجہاں پور کی تحصیل یا کچہری میں عرائض نویسی کرکے بسر اوقات کرتے تھے - زیادہ حالات معلوم نہیں - ظرافت کے یہ شعر ان کی طرف منسوب ہیں -

بیٹھ لیا تھا عمر سے پہنے چار کا | پھر کبھی نہ ٹانکنے کو ملا پوٹ یار کا
وہ کلمہ لکر در مسجد پہ صاف کہتے ہیں | امام آے مگر ساتھ یہ قطار نہ ہو

بہت مشکل ہے کھینچی شکل اوصاف نہانی کی — یہاں پر آکے گھس جاتی ہے دم میں عقل ثانی کی
شہید ناز کی جب کر چکے مٹی ٹھکانے ہم — پری نے بیٹھکر نیچے سروں میں نوحہ خوانی کی

افسر - آپ کا نام نامی حامد اللہ ہے - آپ میرٹھ کے مفتیوں کے خاندان کے ایک معزز رکن ہیں - آپ کی شاعری میں بہت سی وہ نئی چیزیں ملتی ہیں جن کا اس سے پہلے وجود نہ تھا - بعض دلچسپ نظمیں جو بچوں کی قابل ہیں آپ نے اس دلکش انداز میں لکھی ہیں کہ بے اختیار داد دینا پڑتی ہے - تمام اصناف سخن پر قادر ہیں - نہایت سخن فہم - نکتہ سنج دقیقہ رس طبیعت پائی ہے - انگریزی میں بی - اے تک تحصیل علم کرکے وکالت کے امتحان کے لئے تیاری کی تھی - کہ یکایک طبیعت اُچاٹ ہوگئی - اور تصنیف وتالیف کی طرف توجہ کی - چنانچہ اسوقت تک آپ کی متعدد تصانیف ملک میں شایع ہوکر مقبول ہوچکی ہیں - جن میں سے کتب سررشتہ تعلیم خصوصیت کے ساتھ قابل قدر اور لائق تحسین ہیں - انگریزی کے علاوہ فارسی کا مطالعہ بھی نہایت دقیق ہے - آپ بہ سلسلۂ ملازمت متعدد مقامات پر رہے اور ہر جگہ ادبی خدمات اور زبان اُردو کی اشاعت وترویج میں منہمک رہے - آپ کی عاشقانہ شاعری میں بھی ایک خاص قسم کی جدت ہوتی ہے - اسکے ساتھ ساتھ کبھی کبھی رنگ ظرافت کی طرف بھی توجہ فرماتے ہیں - اور تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی ہزل بھی کہتے ہیں - مگر آپ کو کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوتا کہ ان کو شایع کیا جائے میرے سخت اصرار پر یہ چند شعر مرحمت فرمائے تھے آپ میرے زبردست عنایت فرما اور ہموطن ہیں - اتفاق وقت سے آجکل لکھنؤ میں مقیم ہیں اور جوبلی کالج لکھنؤ میں اُردو پڑھاتے ہیں آپ کی عمر تقریباً ۲۸ سال ہے

نظر کو وسعتیں حاصل نہ ہونگی دوربینوں سے — خدا تک ہو نہیں سکتی رسائی ان سفینوں سے
یوں سپاہی کی طرح عمر بسر کی ہم نے — یعنی کی فوج کے دفتر میں کلرکی ہم نے

جہاں میں عیب جتنے ہیں وہ سب بنتے ہیں ہنر ہیں
کہ عیبوں کو چھپا لینے کے ڈھب گنتے میں ہوتے ہیں

کہا یہ شیخ نے خطبہ میں راہ صدق و صفا
سکھاتے ہیں ہمیں اسکول اس زمانے میں

یہ ایسی بات ہے جیسے کوئی کہے افسر
شراب ملتی ہے شیشے کے کارخانے میں

وہ کہتے ہیں سوا دیسیوں سے تنگ کر
ہمیں چاند دے دو تو ہم سوت کاتیں

اُن کی پرواز انھیں تا بہ فلک لے پہونچی
ہم یہی سوچ رہے ہیں کہ خیال اچھا ہے

مسٹر ہو مولوی ہو کوئی بات ایک ہے
مذہب میں قورمہ ہے سیاست میں کیک ہے

چپکے سے کان میں سنو پردے کی بات ہے
یہ پردہ وردہ کچھ نہیں سب واہیات ہے

آپ نے موجودہ زمانے کی روش پر بعض ایسے اشعار کہے ہیں جنکے الفاظ نہایت بلند اور پرشکوہ ہیں مگر معنی نام کو بھی نہیں - مگر اُن کے لکھنے کی اجازت نہیں دی -

---

افسق - میر غلام حسین نام تھا - برہان پور کے رہنے والے تھے - اگرچہ عام اور مشہور تذکرے آپ کے ذکر اور نام سے خالی ہیں - مگر پھر بھی ایک معاصر نے آپ کا ذکر ان الفاظ میں کرہی دیا " اسمش میر غلام حسین افسق تخلص از شعراے ایں عصر است از بسکہ مزاجے بہ ہجو مائل است در شعر تیغ زنی منماید - اکثر مزاج او بہ طرف ہزل می آید شوخی طبعش از کلامش ہویدا است و خوبی مزاحش از تخلص پیدا است کاش کہ ایں خیال در دل او جا نیافتے و آفتاب اشعار رنگیں بر شیشۂ آتش نہ تافتے انشاء اللہ رفتہ رفتہ ازیں تادیب شود و تخلص خود ہدایت قرار دہد - دریں ایام از راقم الحروف ارتباط کلی دارد چنانچہ دیوان را بخط خود نقل کردہ بہ فقیر ارزانی داشت " یہ ہے وہ عبارت جو منشی لچھمی نارائن شفیق اورنگ آبادی نے اپنے تذکرہ چمنستان شعرا میں افسق صاحب کے لئے لکھی ہے - اس سے معلوم ہوتا تھا کہ میر صاحب - صاحب دیوان شاعر تھے - مگر اس زمانہ میں اتفاق وقت سے آپ کا وہی لکھا ہوا دیوان جو صاحب تذکرہ کو اپنے ہاتھ سے

لکھکر عنایت کر دیا تھا دستیاب ہو گیا ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب اور شفیق ۱۲۹۳ھ تک بقید حیات تھے - کیونکہ دیوان کے آخر میں دونوں کی مہریں لگی ہوئی ہیں - افسق صاحب کے ایک مقطع سے اُن کے سلسلۂ تلمذ کا بھی پتہ چلتا ہے

افسق کے اس سخن کا ہوا شہرہ جہاں میں ہے فیض لیک زانیؔ عالم نواز کا

دیوان میں سب اصناف سخن - رباعیات - مستزاد مخمس - واسوخت - اور ایک مثنوی گنجینۂ آفاق بھی شامل ہے - مثنوی چارکمان - مکہ مسجد - چوک میدان - دائرہ میر چادرگھاٹ - چار محل - اور چوک حیدرآباد پر نظمیں ہیں اور لطف یہ کہ حیدرآباد کی اخلاقی حالت کا جو اس زمانہ میں تھی فوٹو کھینچ دیا ہے ساتھ ہی ساتھ اپنی آوارہ مزاجی اوباشی کے حالات بھی صاف صاف بیان کرتے چلے گئے ہیں - حسینان بازاری کے ذکر خیر سے دیوان مالا مال ہے - تاجو - رحمت - حبشی بیگم - جمیلہ تاج النساء - لالن - بی جان - چندا زہرہ - گلابو - پنا جھنا کے نام جا بجا دیوان میں نظر آتے ہیں - صفحۂ کاغذ پریوں کا پرستان بنا ہوا ہے - اور یہ ذکر خیر جا بجا ایسے عریاں الفاظ میں کیا گیا ہے کہ زمانۂ موجودہ کے مصالح اُن کو مثالاً بھی پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتے - غزلیں فحش اور سراپا فحش ہیں کہیں دلربایانہ فن کی ہجو پر اتراتے ہیں تو پیچھے اڑا دیتے ہیں کنایہ اور استعارہ کی حد سے بہت بلند ہیں کیا مجال کہ کہیں ڈھکی چھپی بات کہیں - دو دو کھری سنائی ہیں کہ ظرافت اور ہزالی سے گزر کر فواحشات میں جا پہونچے ہیں اور بڑے بڑے ہزال علی وجہ صفت نعال پر نظر آتے ہیں اور جناب افسق ہزالی کے میر محفل بنے ہوئے نظر آتے ہیں غرضکہ ان حضرت کا دیوان ہزلیات کی انسائیکلوپیڈیا یعنی قاموس الفواحشات بن کر رہ گیا ہے - مگر ہزل میں اتنے مشاق معلوم ہوتے ہیں کہ آج بھی ہر لفظ ان کے کمال کا پتہ دیتا ہے - سرنامہ دیوان پر - جب بسم الشیطان الرجیم لکھا ہوا نظر آتا ہے تو پڑھنے والے کی طبیعت خوش ہو جاتی ہے - بڑی مشکل سے آپ کے دیوان کا انتخاب کرکے فواحشات سے بچا کر

جناب محتسب کا بھدری نے یہ چند شعر زمانہ رسالہ کان پور میں طبع کرائے تھے جن کو ہم بجنسہ نقل کرتے ہیں -

قطرۂ آب ... کو دیکھ لوسلے دو فردش ہم نے کم دیکھا ہے موتی جگ میں ایسی آب کا

قطرۂ آب ... کی آب سے چہرۂ گوہر پہ ہے پانی ہنوز

جب اسے قحبۂ کل تجھکو سے کے نشے نے چمن میں ترد کے خیابان سے کھینچا

ادھر سے یار اور آدھر سے جنوں آکے دونوں نے مجھکو گریباں سے کھینچا

حیدرآباد میں سیندھی کا اس زمانہ میں بڑا زور شور تھا اسی کے متعلق کہتے ہیں -

آجکل ہے دور سیندھی کا رکھے حق آبرو
ہے مدد گر دولت دوں کی مال والوں کی بقر

اس گردش فلک میں اشراف ہیں پریشاں
کھڑدوں کو نت میسر شالیں اور دولائیاں ہیں

بارہ صدی کے دور میں راحت نہیں رہی
اک ذرہ زندگی کی حلاوت نہیں رہی

حسن کی تجھ سے اے قحبہ بہار اب ڈھل گئی
مان مت کر مان لے خوبی کی ساعت ٹل گئی

کس دکھ سے کہہ اے شوخ تو مغموم پڑی ہے
غربت کی ترے مکھ پہ گھٹا جھوم پڑی ہے

یا مکر ہے یا بھوت چڑھا تجھ پہ تو سچ کہہ
کیا ہے تو بیٹھی ہوئی کیوں گھوم پڑی ہے

اٹھو یارو تماشے کو چلو ہنگام ہولی ہے
کسی کی لال ساری ہے کسی کی زرد چولی ہے

باتوں کے حق میں گرچہ طوفان ہے گلا ہو
گانے کے حق میں لیکن شیطان سے گلا ہو

یہی چند شعر ایسے ہیں جن میں فواحشات نہیں ہیں باقی تمام دیوان اسی سے بھرا پڑا ہے -

---

اقبال - ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب پی - ایچ - ڈی - بیرسٹر ایٹ - لاہور کا تخلص ہے - آپ کے حالات غایت شہرت کی وجہ سے محتاج تعریف نہیں - آپ کی شاعرانہ قوت مشق - فکر صائب - تخیل - جوش وغیرہ کا ملک کا ایک ایک بچہ قائل ہے - اور درحقیقت اردو و فارسی نظموں میں آپ کو ید طولیٰ حاصل ہے - چونکہ آپ نے

اکبر مرحوم کے رنگ ظرافت میں بھی کچھ فرمایا ہے اس لئے بانگ درا سے جو آپ کی نظموں غزلوں وغیرہ کا مجموعہ ہے چند اشعار کا انتخاب کرکے شامل تذکرہ کرتا ہوں - اگرچہ آپ کی اصلی شاعری کے مقابل میں اس قسم کے اشعار کم سے کم درجہ بھی نہیں پا سکتے مگر صرف آپکے نام نامی کے لحاظ سے درج کرتا ہوں - حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی شاعری کے لئے ہرگز آپ کا دماغ موزوں نہیں ہے - کاش جو کچھ فرمایا ہے یہ نہ فرمایا ہوتا - انتخاب ملاحظہ فرمایئے -

سہ مشرق میں اصول دین بجاتے ہیں — مغرب میں مگر مشین بجاتے ہیں
سہ رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پلے — واں ایک کے تین تین بجاتے ہیں

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں — مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بدظن ہو گئے
وعظ میں فرمادیا کل آپ نے یہ صاف صاف — پردہ آخر کس سے ہو جب مرد ہی زن ہو گئے

بستے ہیں ہند میں جو خریدار ہی فقط — آغا بھی لیکے آتے ہیں اپنے وطن سے ہینگ

تھے وہ بھی دن کہ خدمت استاد کی عوض — دل چاہتا تھا ہدیۂ دل پیش کیجئے
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق — کہتا ہے ماسٹر سے کہ بل پیش کیجئے

اپنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی — آئیں گے غسال کابل سے کفن جاپان سے

ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اٹکا ہے — واں کنٹر سب بلوری ہیں یاں ایک پرانا مٹکا ہے

ممبری امپیریل کونسل کی کچھ مشکل نہیں
ووٹ تو ملجائینگے پیسے بھی دلوائینگے کیا
مرزا غالب خدا بخشے بجا فرما گئے
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہے کھائینگے کیا

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ
نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

سنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں
پرانے جھونپڑوں میں ٹھکانا دستکاروں کا
مگر سرکار نے کیا خوب کونسل ہال بنوایا
کوئی اس شہر میں تکیہ نہ تھا سرمایہ داروں کا

اکبر - یعنی سید اکبر حسین صاحب رضوی الہ آبادی مرحوم - اگرچہ آپ کے کمالات نے آپ کو ہندوستان میں اتنا مشہور کر دیا ہے کہ اب یہ احتیاج باقی نہیں ہے کہ آپ کے حالات لکھے جائیں مگر قاعدہ و ترتیب کی وجہ سے کچھ لکھتا ہوں - آپ ۱۶ - نومبر ۱۸۴۶ء اٹھارہ سو چھیالیس کو بمقام الہ آباد پیدا ہوئے - دیسی اسکول اور مکتبوں میں تعلیم پائی - ۱۸۶۶ء میں آپ نے ادنیٰ درجہ کا امتحان وکالت پاس کیا اور نائب تحصیلدار ہو گئے - اور ترقی پاکر ۱۸۷۰ء میں ہائیکورٹ میں مسل خواں ہوئے ۱۸۷۳ء میں وکالت کی درجہ اعلیٰ کی سند حاصل کی اور ۱۸۸۰ء تک وکالت کرتے رہے ۱۸۸۰ء میں دوبارہ سرکاری ملازمت اختیار کی اور ترقی کرکے سشن جج کے عہدے تک پہونچ گئے ۱۸۹۸ء میں خان بہادر کا خطاب پایا - آپ کو فارسی اردو اور انگریزی زبانوں پر حسب ضرورت کافی عبور تھا - ابتدائے عمر ہی سے شعر و شاعری کا شوق تھا - اور جناب وحید الہ آبادی کے شاگرد تھے - رنگ قدیم آپ کی شاعری پر غالب تھا - مگر ظرافت کے پہلو ابتدا ہی سے کلام میں نمایاں تھے - بالآخر اسی رنگ نے

اسقدر ترقی کی کہ آپ کے قدیم رنگ طبیعت پر غالب آگیا۔ اور باوجودیکہ آپ رنگ قدیم کے ایک پختہ مشق شاعر تھے مگر پھر بھی ظرافت پر آپ کے کلام اور کمال کا حصر ہوگیا۔ اوراگر بہ نظر غور دیکھا جاوے تو آج ایک آدمی بھی ایسا نہ ملے گا جو آپ کی غزلیات کی حیثیت سے آپکو جانتا ہو بلکہ سب ظرافت کے ہی وجہ سے آپ کے کمال کے گرویدہ اور دلدادہ ہیں۔ آپ نہایت ہی نیک طینت زندہ دل منکسرالمزاج مکمل انسان تھے اسی وجہ سے آپ کی ظرافت اُن ہزالوں اور فحاشوں سے بالکل الگ ہے جن کے دیوانوں کا سرمایہ یا اُن کی ہزیان سرائی اور مزخرفات ہیں یا فحاشی اور خرافات۔ اُن کے علی الرغم آپ کی ظرافت نہ صرف ظرافت ہے بلکہ پند ونصائح۔ اور قومی مذہبی تمدنی معاشرتی۔ زوال۔ رسوم۔ تاریخ۔ سیاست وغیرہ کا مجلی اور مصفیٰ آئینہ ہے۔ آپ کی ظرافت سے دل کو ایک سچی خوشی اور روح کو صحیح فرحت ہوتی ہے۔ اور آدمی اس سے اسقدر فوائد عظیمہ حاصل کرسکتا ہے جو بڑی بڑی اخلاقی کتابوں سے بھی حاصل نہیں ہوتے۔ حق باتوں کی تلخی اور پند ونصائح کے زہر کو خوش بیانی اور مزاح نے شہد وشکر کے شربت کی مانند ایسا خوش مزہ اور گوارا کردیا ہے کہ اُس سے کبھی سیری نہیں ہوتی۔ ظرافت کے ساتھ اعلیٰ تخیل اور جدت مضامین طرز ادا اور سلیقۂ بیان۔ چستی بندش۔ نشست الفاظ۔ تلاش معانی۔ ہر جگہ حسب محل وموقع موجود ہیں۔ جن سے آپ کی شاعری ایک پری کی طرح بنگئی ہے جو فصاحت وبلاغت کے آسمان میں اڑ رہی ہے۔ اور ایسی بلند ہے کہ دیکھنے والوں کو ٹوپی یا پگڑی سنبھالکر دیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ آپ کے چند خود ساختہ استعارے۔ اور اصطلاحات ہیں جنھوں نے سونے میں سہاگے کا کام دیا ہے۔ اور حسن کلام کی جان بن گئی ہے۔ مبتذل نام جمن۔ گھورن۔ کلو۔ بدھو۔ ننھو وغیرہ جو استعاروں یا اصطلاحی یا اشارے کی صورتوں میں پیش کیے ہیں۔ اسقدر خوش نما نظر آتے ہیں کہ دیکھکر جی پھڑک جاتا ہے۔ جھل جھل ردیفیں اور قافیے اس حسن کے ساتھ لائے گئے ہیں کہ خیال میں نہیں آسکتے۔ حقیقت

یہ ہے کہ اکبر مرحوم کی اس دربار تخیل تک رسائی تھی کہ عام نگاہوں اور معمولی نظروں کے وہاں جاتے ہوے پر جلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگوں نے آپ کے اتباع کا دعوی کیا مگر کوئی ایک بھی کامیاب نہ ہوسکا۔ اور آپ اپنے رنگ میں متفرد اور منفرد رہے۔

آپ کی ظرافت بعض جگہ محض ظرافت ہے اور اس میں مذہبی انحطاط۔ یا مغربی تقلید۔ یا سیاسی شور و غل۔ یا عام پند و نصائح وغیرہ کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ مگر وہ بھی آپ کے کلام کا عنصر غیر فانی ہیں اور اردو ادب کے واسطے سرمایۂ ناز ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے عقیدے اور میری ذاتی رائے کے موافق دو ہی شاعر ایسے ہیں۔ جنھیں ہم فخر کے ساتھ دوسری قوموں کے سامنے لا سکتے ہیں۔ ایک اکبر۔ اور دوسرے مرزا غالب۔ دوسرے لوگوں کے کمال کا اعتراف میں کرسکتا ہوں۔ مگر ان دونوں کے برابر لانے کا کبھی روادار نہیں ہو سکتا۔

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اکبر مرحوم کو آخر میں دنیا سے تنفر ہو گیا تھا۔ اور عیش و مسرت رنج و مصیبت کا فرق و امتیاز ان کی نظر سے اٹھ گیا تھا۔ اسی لئے آخری کلام میں متصوفین کی صورت پیدا ہوگئی ہے۔ اور آپ کی آخر عمر ۱۳۴۰ھ تک یہی رنگ آپ پر غالب رہا۔

اسوقت آپ کے چار دیوان ہیں تین دیوان طبع ہو چکے ہیں ایک ابھی طبع نہیں ہوا پہلے دیوان میں اور دوسرے میں اگرچہ فرق ہے۔ مگر تیسرے اور پہلے میں نمایاں اور بیّن فرق ہو گیا ہے۔ جن کی تفصیل اس ظریفانہ تذکرہ میں بیکار اور بے محل ہے۔ البتہ میں تینوں دیوانوں میں سے ظرافت کا انتخاب علیحدہ علیحدہ کرتا ہوں۔

انتخاب از جلد اوّل

مری تقریر کا اس مس پہ کچھ قابو نہیں چلتا — جہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا

لپٹ کے بوسہ دے مجھکو نہ تو تین پانچ کر — میں نے سمجھ لیا ہے حساب اسکا جانچ کر
بوسہ لبوں کا لیتا ہوں میں جھک کے بلا — حلوا بنا رہا ہوں ذرا تیسرا آنچ کر

لگیا شرع سے شراب کا رنگ — خوب بدلا غرض جناب کا رنگ
چلدیئے شیخ صبح سے پہلے — اڑ چلا تھا ذرا خضاب کا رنگ

سنا ہے دافع بادہ پہ ہو گیا فتویٰ — خدا نے فضل کیا بچ گئے حرام سے ہم

موسم گل میں صبا کو جو ملی مارچ کی دھن — لحن بلبل سے بھی پیدا ہوئی کلاٹ کی دھن

الا یا ایہا الفلک یا مجبورا حت بہ تاو لہا — کہ قرآں سہل بود اول ولے افتاد مشکلہا
مگس تر نعت یا سکے خود بہ بوشاد امن و قبیلہا — کسے سید خبر دار و تراہ و رسم منزلہا

پردے کا کیا سبب ہوا انکا پیدا — خود تمنے کیا اقرار اور انکا پیدا
کیا خوب کہا ہے مولوی ہماری نے — نیچر نے کیا ہے ہمکو ننگا پیدا

مس کو دیکھا عاشقِ زلفِ چلیپا ہوگیا — مست تھا دل پھول کر وہسکی کا پیپا ہوگیا

کہا یہ فخر سے واعظ نے دیکھو سادگی میری — نہیں شوقِ نمائش کچھ پہنتا ہوں گزی گاڑھا
کہا اکبر نے میں بھی یونہی کر لیتا نمود اپنی — عطا کرتا خدا مجھکو جو یہ تن توش یہ داڑھا

ایسا شوق نہ کرنا اکبر — گورے کو نہ بنانا سالا
بھیا رنگ یہی ہے اچھا — ہم بھی کالے یار بھی کالا

رحیمن پکاری کہ نسیمہ بوا — عجب جانور ہے یہ کاکا توا
بتاؤ ذرا عقل ہے میری گم — کدھر چونچ ہے اور کدھر اسکی دم

کرزن وکچنر کی حالت پر جو کل — وہ صنم تشریح کا طالب ہوا
کہدیا میں نے کہ ہے یہ صاف بات — دیکھ لو تم زن پہ نر غالب ہوا

پانی پینا پڑا ہے پائپ کا — حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا
پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے — شاہ اڈورڈ کی دہائی ہے

پری کی زلف میں الجھا نہ شیخ واعظ بھی — دل غریب ہوا لقمہ امتحانوں کا

پکالیں پیسکر دو روٹیاں تھوڑے سے جو لانا — ہماری کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

سکۂ زر باپرے در دھوتی زنّار داشت ۔۔۔ باوجودش نالہا ئے زار در اخبار داشت
گفتمش در عین وصل این نالہ و فریاد چیست ۔۔۔ گفت مارا خوف فیس و ٹیکس ازیں کار داشت

ہر رنگ کی باتوں کا مرے دل میں ہے جمگھٹ ۔۔۔ اجمیر میں کلچا ہوں علیگڈھ میں ہوں بسکٹ

شیخ جی زرق بنے پھرتے تھے پہلے چرخ پر ۔۔۔ چشم بد دور اب بنے ہیں آپ یکسر پٹ کلاونٹ

سید کی طرف تو چندہ لانے کی ہے رنج ۔۔۔ اور شیخ کے گھر میں پنچگانے کی ہے رنج
بہتر ہے یہی کہ بت پرستی کیجیے ۔۔۔ گو اس میں بھی صبح کو نہانے کی ہے رنج

مجھ پہ ہے شیخ و حقارت کی نظر ۔۔۔ پتلون پہ غصہ و شرارت کی نظر
بہتر ہے یہی کہ ننگے پھرئے اکبرؔ ۔۔۔ شاید پڑ جائے ان کی رغبت کی نظر

جو سن چکے مری غزلیں تو بولے لا چندہ ۔۔۔ جو مینہ آیا ہے اتنا تو تھوڑی لیدھی کر

انھیں شوق عبادت بھی ہے اور گانیکی عادت بھی ۔۔۔ نکلتی ہیں دعائیں انکے منھ سے ٹھمریاں ہوکر

آگے انجن کے دین ہے کیا چیز ۔۔۔ بھینس کے آگے بین ہے کیا چیز

فرمائیں مرا قصور حضرت جو معاف ۔۔۔ جرأت ہے واقعی گزارش کردں صاف
انکار نہیں نماز روزے سے مجھے ۔۔۔ لیکن یہ طریق اب ہے فیشن کے خلاف

شیخ صاحب کو نہیں شاعروں کی بات سے کام ـــ حسن کی قید نہیں بس ہے مسماۃ سے کام

ماسٹر صاحب کا علم اسوقت گو ہے نیکنام ـــ اہل دانش میں مگر افزوں ہے میرا احترام
بات بالکل صاف ہے پیچیدگی کچھ بھی نہیں ـــ میں ہوں سعدی کا بھتیجا وہ ہیں ملٹن کے غلام

من العلم قلیلاً کو بھی دیکھو بعد او تیتم ـــ نہ مانوگے تو اکدن بھائیو کھاوگے جوتی تم

آپ کی فرقت میں کل میں رات بھر سویا نہیں × ـــ لیکن اتنی بات تھی گھاتا رہا رویا نہیں

بوسہ کیسا کہ گلوری بھی نہیں پاتا ہوں × ـــ بس کلام اپنا انھیں جا کے سنا آتا ہوں
وہ یہ کہتے ہیں کیا خوب کہا ہے واللہ × ـــ میں یہ کہتا ہوں کہ آداب بجا لاتا ہوں

خلاف شرع کبھی شیخ تھوکتا بھی نہیں × ـــ مگر اندھیرے اجالے یہ چوکتا بھی نہیں

چاند میں آیا نظر غار حبیب ـــ ہائے اب اے ماہ سیما کیا کروں

چیکوں دنیا سے کس طرح میں ـــ عورت نے کہا کہ گوندھوں میں
قومی چندے کدھر سمائیں ـــ کالج نے کہا کہ توندھوں میں

یورپ والے جو چاہیں دلیں بھر دیں ـــ جسکے سر پر جو چاہیں تہمت دھر دیں
بچتے رہو ان کی تیزیوں سے اکبر ـــ تم کیا ہو خدا کے تین ٹکڑے کر دیں

کوٹھی میں جمع ہے نہ ڈپازٹ ہے بینک میں — قلاش کر دیا مجھے دو چار تھینک میں

حالِ دنیا سے بیخبر ہیں آپ — گر تقدس مآب بیشک ہیں
شیخ جی پر یہ قول صادق ہے — چاہِ زمزم کے آپ مینڈک ہیں
شیخ جی کو جو آگیا غصہ — لگے کہنے یہ پھینک کر دھسا
ہے تمہاری تو دوڑ بس اتنی — جسطرح ہو پڑی پڑیا پہ لیب

مذہب نے پکارا اے اکبر اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں — یاروں نے کہا یہ قول غلط تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہم ایسی کل کتابیں قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں — کہ جنکو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

اکبر مجھے شک نہیں تیری تیزی میں — اور تیرے بیان کی دل آویزی میں
شیطان عربی سے ہند میں ہے بیخوف — لاحول کا ترجمہ کر انگریزی میں

گورمنٹ کی خیر یارو مناؤ — گلے میں جو اتریں وہ تانیں اڑاؤ
کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسر — انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

شوقِ لیلائے سول سروس نے مجھ مجنون کو — اتنا دوڑایا لنگوٹی کر دیا پتلون کو

نیکی کے حق میں کج ادائی نہ کرو — اللہ کے ساتھ بیوفائی نہ کرو
نیٹو بھی رہو گے اور مرو گے بھی ضرور — کہتا ہوں کہ دعویٰ خدائی نہ کرو

خطا قد ہوئی مجھسے گندم پہ سے — یہ پوتے سے بھی اک خطا ہو گئی
یہ تھی قیمت رزق ٹوٹے جو دانت — غرض کوڑی کوڑی ادا ہو گئی

رہا کرتا ہے مرغِ فہم شاکی — نئی تہذیب کے انڈے ہیں خاکی
چھری ہی سے اُن کی کٹوا کر فلک نے — خدا جانے ہماری ناک کیا کی
ابھی انجن گیا ہے اس طرف سے — کہے دیتی ہے تاریکی ہوا کی

ہوئی جب آمدِ پیری ہوا میں سر کی پیشانی — ترشروئی کی چلتی جوڑ ہے کھچڑی ہے جب داڑھی
سوال اب یہ عبث ہے جب کہ پتلون کی ارزانی — چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

کچہریوں میں ہے پرسش گریجویٹوں کی — ٹرک پہ مانگ ہے قلیوں کی اور بیٹوں کی
نہیں ہے قدر تو بس علم دین و تقویٰ کی — خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹوں کی

لذتِ نانِ جویں تجھکو مبارک اے شیخ — مجھ گنہگار کو ہے حسرتِ مٹن کافی
حضرتِ خضر ٹکٹ مجھکو دلا دیں اکبر — رہنمائی کے لئے ہے مجھے انجن کافی

شیخ صاحب دیکھکر اُس مِس کو ساکت ہو گئے — ماسٹر صاحب بہت کمزور تھے چت ہو گئے

سکھاتے ہیں تقلید انگلش جو آپ — کہیں مفلسوں کو نہ پٹ کیجیے
بہت شوق انگریز بننے کا ہو — تو چہرے پہ اپنے گلٹ کیجیے

کامیابی کا شدیشی پہ ہر اک در بستہ ہے — پیچ پچ طوطا رام نے کھول مگر پر بستہ ہے

زاہد ایسے بے خبر ہیں ابرو سے خمدار سے — جسطرح بابو کو ہے بیگانگت تلوار سے

سینۂ مس کا ابھار ایدل فساد انگیز ہے — لوگ سچ کہتے ہیں باد نجات باد انگیز ہے

شیخ جی گھر سے نہ نکلے اور مجھ سے کہدیا — آپ بی۔ اے پاس ہیں تو بندہ بی بی پاس ہے

ممکن نہیں اے مس ترا نوٹس نہ لیا جائے ۲ گال ایسے پریزاد ہوں اور کِس نہ لیا جائے

ہر اک ریمارک آپکا عقرب کا نیش ہے — مجھکو بھی۔ بیچ غیر کا بھی سینہ ریش ہے

مجھ سے کہا کہ گو زشتر ہے ترا سخن — اس سے یہ کہدیا کہ تو گو بر گنیش ہے

کہتے ہیں حرج کیا ہے جو باریک ہے وہ پل ۲ بائیسکل پہ گزرینگے ہم پل صراط سے

ہے نور خدا بھی طالب رزق کا دوست ۲ داڑھی بھی تو پیٹ کی طرف جاتی ہے

کچھ شک نہیں کہ حضرت واعظ ہیں خوب شخص ۱۲ یہ اور بات ہے کہ ذرا بے وقوف ہیں

اردو کے تین ربع کے مالک ہنود ہیں — پھر کیا سبب جو اس سے انھیں انحراف ہے

یعنی اردو ہے چیز انھیں کے مذاق کی — اردو کے تین جز وہی صاف صاف ہیں

شیخ سے چھوٹے اب الجھے انجن ہیں — اسمیں بک بک تھی اس میں پھک پھک ہے

شاہدان مغربی کرتے نہیں مجھکو قبول — ٹال دیتے ہیں یہ کہکر آپکا لا لوگ ہے

چہرے کے نیچے قہر ہے داڑھی کا جھول جھال — اس فرد کو بچائیے تفصیل ذیل سے

جب کہا گیسو کا بوسہ دیجئے دل لیجئے — ہنسکے بولے آپکو سودا ہے مسہل لیجئے

ہم سے شب وصال وہ بے میل ہو گئے — افسوس انٹرنس میں ہم فیل ہو گئے

واسطہ کم ہو گیا اسلام کے قانون سے — دب گئی آخر مسلمانی مری پتلون سے

اب کہاں تک بتکدے میں صرف ایماں کیجئے — تا کجا عشق بتان سست بیان کیجئے

ہم بھی بہتر علیگڈھ جاکے سید سے کہیں — ہم سے چندہ لیجئے ہمکو مسلماں کیجئے

ہمارے ملک میں ہوتا ہے کیا تعلیم نسواں سے — بجز اس کے کہ بابا اور بھی گھبرائیں ارماں سے

ان کو کیا کام ہے مروت سے   اپنے رخ سے یہ منھ نہ موڑینگے
جان شاید فرشتے چھوڑ بھی دیں   ڈاکٹر فیس کو نہ چھوڑیں گے

اس اکھاڑے میں اڑنگے دیکھکر قانون کے   شیخ نے مسجد سے ہجرت کی طرف پتلون کے

راہ تو مجھکو بتا دی خضر نے   اونٹ کا لیکن کرایہ کون دے

اب تھیٹر میں ہنسینگے جاکے خوب   خانقاہوں میں تو برسوں رو لئے

ہوتا ہے نفخ یورپین نان پاؤ سے   میں خوش ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے
ایمان بیچنے پہ ہیں اب سب تلے ہوے   لیکن خرید ہو جو علیگڈھ کے بھاؤ سے
دھمکا کے بوسہ لونگا رخ رشک ماہ کا   چندہ وصول ہوتا ہے صاحب دباؤ سے

چھٹی اس مس کی ہے کہ یہ جادو ہے   دل جوش مفاخرت سے بے قابو ہے
ایسی پری اور مجھکو پیارا لکھے   القاب میں دیکھیے ڈیر کلو ہے

اس غرض سے کہ سینہ پوش ہو   شیخ کی ریش روز بڑھتی ہے

ستو پہ شراب فاقہ مستی لائی   پتلون کو کر دیا لنگوٹی اس نے

پردہ در کی رائے سنکر بیبیاں کہنے لگیں   اب ہمارے وارث ایسے ہی لنگوٹے رہ گئے

جو وقت ختنہ میں چیخا تو نائی نے کہا ہنسکر   مسلمانی میں طاقت خون ہی بہنے سے آتی ہے

عاشقی کا ہو برا اسنے بگاڑے سارے کام   ہم تو اے بی میں رہے اغیار بی اے ہو گئے

پردہ کا مخالف جو سنا بول اٹھیں بیگم   اللہ کی مار اسپہ علیگڈھ کے حوالے

کھائی مژگان و نظر کی جو قسم بولا وہ شوخ   آپ اب قسمیں بھی کھاتے ہیں چھری کانٹے سے

قصۂ منصور سنکر بول اٹھی وہ شوخ مس   کیسا احمق لوگ تھا پاگل کو پھانسی دیدیا

کسن مسوں سے آپ کسی شب نہ چوکیے   جیسی گھڑی ہیں یہ انھیں ہر روز کوکیے

نکالا شیخ کو مجلس سے اس بنے پہ کہکر   یہ بے وقوف ہے مرنے کا ذکر کرتا ہے

ہم تو کالج کی طرف جاتے ہیں اے مولویو   کس کو سونپیں تمہیں اللہ نگہبان ہے

انتخاب از کلیات دوم

ہم نے کہا جو اس سے جھنجھلا کے چل شٹ ظالم — حیرت میں آ کے بولا کیا آپ جی رہے ہیں
پریوں کے عاشقوں کو سودا ہو اسموں کا — جو پھاڑتے تھے جامہ اب کوٹ سی رہے ہیں

میرے لئے شراب یہاں بھی ہے کیا حرام — اس شہر میں تو کوئی مجھے جانتا نہیں

حور مس کو مئے گلگوں کو پری کہتے ہیں — شیخ خوش ہوں کہ خفا ہم تو کھری کہتے ہیں

اللہ کا حال کچھ نہ پوچھو — دیکھا نہیں نام رکھ لیا ہے

حسرت بہت ترقی دختر کی تھی انھیں — پردہ جو اٹھ گیا تو وہ آخر نکل گئی

چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ — کھا ڈبل روٹی کلرکی کر خوشی سے پھول جا

شاعرانہ داد اچھی دی یہ مجھکو چرخ نے — تیغ ابرو کا تھا عاشق خان بہادر کر دیا

شایق تحقیق کے یہ مضموں سن لیں — انسان کی شکل جیسے میموں بنا
پاجامہ بھی یونہی ارتقا سے بدلا — سمٹا ابھرا غرضکہ پتلون بنا

حکم انگلش کا ملک ہندو کا — اب خدا ہی ہے بھائی صلو کا

پہلے ہم لوگ یہ سمجھتے تھے — ہر چہ از باپ میرسد نیکوست
ہو گئی اب خیال کی اصلاح — ہر چہ از آپ میرسد نیکوست

بہ دین نیچری بستم امید — ترقی را چو آمادہ برآمد

مارا فلک نشاند بہ پہلوے آں صنم — مدہوش لذتیم وندانم دگر چہ کرد
اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز پاینیر — کرزن چہ گفت و دل چہ شنید و ملر چہ کرد

رفتہ زبیاں زادون آں شوخ — بوزنہ ماند و آدمی گم شد

ہمیشہ را نہ برسر منا ماے دستارے عزیز — مرد تا مسٹر تو اند شد چرا قبلہ شود

فقط بسکٹ ہی کھاتا ہوں بلا جائے　　نئی ملت کا ہوں میں زاہد خشک

فتنہ قائم ہے گروہ مذہبی تعلیم گم　　مہر ابراہیم باقی دین ابراہیم گم
حسرت عشاق بازار جہاں میں کچھ نہ پوچھ　　از مہیا زر ندارد مس کی کثرت سیم گم

وہ مناتے ہیں کبھی بتاتے ہیں　　کہتے ہیں مان جاؤ ستا رام

میری گردن پہ ہیں شیطان کے احسان بہت　　ترک لاحول پہ مجبور ہوا جاتا ہوں

شیخ تثلیث کی تردید تو کرتے نہیں کچھ　　گھر میں بیٹھے ہوئے والتین پڑھا کرتے ہیں

جنگل کے جو تھے سائیں وہ ریل کے ہیں پائیں　　الی کی جگہ سگنل قمری کی جگہ انجن
اسلام کی رونق کا کیا حال کہیں تم سے　　کونسل میں بہت سید مسجد میں فقط جمن

پڑھے گنگناتے تھے لالہ نہ بھجن　　نہ آنکھوں میں انجن نہ دانتوں میں منجن
چھٹے ہیں بالکل وہ اگلے طریقے　　کہاں کھینچ لیجائے گا ہمکو انجن

شیخ پر گو کہ رشک آتا ہے　　اونٹ کے سولفات جانتے ہیں
ہیں مگر اونٹ پر ہیں قابض　　کام کی ہم یہ بات جانتے ہیں

ہماری محفلیں اب بھی لطیف اجزا سے مملو ہیں　　بزاخفش تھے قبل ایکے اب اسپنسر کے ٹٹو ہیں
نہ لیسنس ہتھیار کا ہے نہ زور　　کہ ٹرکی کے دشمن سے ہما کرلیں

تہ دل سے ہم کوستے ہیں مگر　　کہ اٹلی کی توپوں میں کیڑے پڑیں
شیخ صاحب کے تملق کی نہ قلعی کھل جائے　　لاٹ صاحب کا کہیں حشر میں اظہار نہ ہو

کریما ببخشائے بر حال بندہ　×　کہ ہستم اسیر کمیٹی و چندہ
عمر گزری ہے اسی بزم کی طراری میں　×　دوسری پشت ہے چندہ کی طلبگاری میں

زبان اکبر کی اس طرز سخن پر ناز کرتی ہے　　بچن کی دھن میں تردید بت طناز کرتی ہے

تدبیر حفظ جان بقیہ ضرور ہے　　اس وقت مومنوں کو تقیہ ضرور ہے
بنیاد ڈالتے ہیں وہ حکمت کے باغ کی　　وہسکی سے ہو رہی ہے صفائی دماغ کی

اذانوں سے سوا بیدار کن انجن کی سیٹی ہے — اسی سے شیخ بیچارے نے چھاتی اپنی پیٹی ہے

گل پھینکے ہیں یورپ کی طرف بلکہ ثمر بھی — اے پنجۂ سائنس بھلا کچھ تو ادھر بھی

رات افسوس سے کہتے تھے یہ بلبل بھائی — ہم سے ناحق ہیں الگ کانفرنسی بھائی

وہ تو گرجا پہ ٹرکا اور یہ گیا کعبہ کو پھاند — شیخ کا ٹٹو تو انجن سے بھی بڑھکر تیز ہے

دنیا آخر کو تم سے لپٹی — ہم ہی گئے تم غرض کہ ڈپٹی

کرتے کیا ان سے کیبنٹ خالی — کر آئے ہم اپنی ٹینٹ خالی

مکہ تک ریل کا سامان ہوا چاہتا ہے — اب تو انجن بھی مسلمان ہوا چاہتا ہے

کچھ الہ آباد میں ساماں نہیں بہبود کے — یہاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے

وہ مس بولی میں کرتی آپ کا ذکر اپنے فادر سے — مگر آپ اللہ اللہ کرتا ہے پاگل کا مافک ہے

کاش کر لے مجھے وہ شاہد ہوٹل منظور — کیک تو روز ہے اک رات تہجن ہی سہی

اکبر دبے نہیں کسی سلطاں کی فوج سے — لیکن شہید ہو گئے بیگم کی نوج سے

ان سے بی بی نے فقط اسکول ہی کی بات کی — یہ نہ بتلایا کہاں رکھی ہے روٹی رات کی

یہی ہے عقدہ کشائی تو تم تو اک دن — ازار بند کو کھو دیں گے جس بیجا سے

سدا سرحد پہ حجت ہے رفل کی اور کاٹھی کی — چلی جاتی ہے گستاخی لفٹنٹ خان کی لاٹھی کی

اب کہاں دست جنوں تار گریباں پہ کہاں — باخبر از دست مجنوں اور خبر ہے تار کی

لے لیا شیریں نے کنسرٹ میں ٹھیکہ دودھ کا — ریل بنوانے لگے فرہاد اب کہسار کی

ڈنر سے تم کو کم فرصت یہاں فاقے سے کم خالی — چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

بتاؤں آپ سے مرنے کے بعد کیا ہوگا — پلاؤ کھائینگے احباب فاتحہ ہوگا

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست — می برد ہر جا کہ میز است و پلیٹ

ہوا آج خارج جو میرا سوال — کہا میں نے صاحب سے با ملال

کہاں جاؤں اب میں ذرا یہ بتاؤ — وہ جھنجھلا کے بولے جہنم میں جاؤ

یہ سنکر بہت طبع غمگیں ہوئی — مگر اس تصور سے تسکیں ہوئی
کہ جب اہل یورپ میں بھی ذکر ہے — تو بیشک جہنم بھی ہے کوئی شے

نہیں مناسب کہ ہو یہ عہدہ کبھی حریف مونث صاحب — بجا ہو فرما رہے ہیں جو کچھ جناب عبدالعزیز صاحب

درکار چندہ سیم و زر از جیب دور رفت — مالِ حضور بود بہ پیشِ حضور رفت

شیخ اپنی رگ کو کیا کریں ریشے کو کیا کریں — مذہب کے جھگڑے چھوڑیں تو پیشہ کو کیا کریں
فرہاد سے کہا کہ مناسب ہے تجھکو صبر — کہنے لگا بتائیے تیشے کو کیا کریں

سہیں ہر پھر کے آیا پی نصیبین — وہ گو اسکول میں برسوں پڑھا کیں

زمانِ حال میں اگلے فسانے امرِ ماضی ہیں — جو تلواریں چلاتے تھے وہ اب خط کر کے راضی ہیں
شراب اڑتی ہے مجلس میں رواں ہے خون تقوے کا — مزا ہے اب تو رند دل کو نہ مفتی ہیں نہ قاضی ہیں

نامِ محمد و رسول اب تو میں کم سنتا ہوں — پہلے رائج تھے یہ الفاظ مسلمانوں میں

یاد کرتا ہے گزشتہ بااثر لا حول کو — شیخ کو طعنے دیا کرتا ہے شیطان ان دنوں

بت سے مراسلت ہے تو عنواں سادہ چھوڑ — ناخوش کہیں نہ ہوں وہ ہو المستعان پر

مجال کیا کوئی کہدے خوشامدی مجھکو — اسی سبب سے بہت سہل ہے جناب کی مدح

لاکھ روئے کہ رہے جاتے ہیں اللہ و رسول — دیر کا کورس پڑھانے نے مگر کم نہ کیا

انتخاب کلیات سوم

اطبا کو تو اپنی فیس لینا اور دوا دینا — خدا کا کام ہے لطف و کرم کرنا شفا دینا

خدا کے فضل سے بی بی میاں دونوں مہذب ہیں — حجاب اُسکو نہیں آتا انہیں غصہ نہیں آتا

غریب اکبر نے بحث پردے کی کی بہت کچھ مگر ہوا کیا — نقاب الٹ ہی دی لسنے کہکر کہ کر ہی لیگا مرا کوئی کیا

کام اس ملک میں ہو سلف گورنمنٹ سے کیا — زہر کو ہضم کرے کوئی پیپرمنٹ سے کیا

مال گاڑی پہ بھروسا ہے جنہیں اے اکبر — اُن کو کیا غم ہے گناہوں کی گرانباری کا

بھائیو تم کبھی ہندی کے مخالف نہ ہو — بعد مرنے کے کھلیگا کہ یہ تھی کام کی بات

بسکہ تھا نامۂ اعمال مرا ہندی میں — کوئی پڑھ ہی نہ سکا مل گئی فی الفور نجات

بظاہر تھا براق راہ عرفاں — چو دُم برداشتم لیڈر برآمد

کونسل میں بڑھا رہے ہیں طاقت اپنی — عاقل ہیں مگر یہی بھوانی پرشاد

شیخ کہتے ہیں کہ پیرونکی پرستش بھی ہے فرض — ماسٹر کہتے ہیں اللہ کی بھی یاد نہ کر

مولوی ہو ہی چکے تھے نذر کالج اس سے قبل — خانقاہیں رہگئی تھیں اب ہے انکا انہدام

بند ٹاپے میں تھے وہ بنگلہ پر — صبح کے وقت ہنس پڑی وہ میم

جب وہ بولے بجا ہے کوکڑوں کوں — مرغ شاخ درخت لاہو تیم

بوڑھوں کے ساتھ لوگ کہانتک وفا کریں — لیکن نہ موت آئے تو بوڑھے بھی کیا کریں

گو بہت اونچی ہے پرواز حریف — شیخ بھی کچھ کم نہیں ہیں جمپ میں

ان کا طوطی بولتا ہے عرش پر — انکی مرغی بولتی ہے کیمپ میں

تعلیم دختراں سے یہ امید ہے ضرور — ناچے دلہن خوشی سے خود اپنی برات میں

ہے برگڈ میں مغرب کی رفاقت اسکو کہتے ہیں — ہوے مدفون تکیہ میں اصالت اسکو کہتے ہیں

بوڑھے کو رقص پر کس بات کی ہیں داد دو لیں — ہاں یہ جائز ہے ملاجی کو مبارکباد دو لیں

چرخ نے پیشن کمیشن کہدیا اظہار میں — قوم کالج میں اور اسکی زندگی اخبار میں

پانپ کوئی کھلا نہیں گھر میں لگی ہے آگ — اب بجھا سکتا ضرور ہوا غور کیا کریں

کہتے ہی بے وقار ہوں مرزا کو غم نہیں — کافی ہے یہ شرف کہ وفائی سے کم نہیں

اولاد مرزا ہر طرح بدنام ہیں — لیکن یہ ہو وارث اسلام ہیں

مفتی شرع نہ ہوں لیڈر اسلام تو ہیں — بوسہ مسجد نہ سہی کمپ کے گلفام تو ہیں

اس شرط پر ہے فلک سے صلح آخر ہو گئی — قبریں جہیا وہ کرے تزئین اونکی ہم کریں

کسی کو بحث نہیں آج پاپ اور پُن میں
سیاسیات کے نغمے ہیں دیس کی دھن میں

میری نصیحتوں کو سنکر وہ شوخ بولا
نیٹو کی کیا سند ہے صاحب کہیں تو مانوں

مہربانی سے مجھے گودام کی کنجی تو دی
لیکن اب گیہوں نہیں باقی فقط گھن کیا کروں

خوب اکبر نے یہ اڑائی تان
دین ہے آنکھ اور مذہب کان

جیسا موسم ہو مطابق اسکے میں دیوانہ ہوں
مارچ میں بلبل ہوں تو جولائی میں پروانہ ہوں

ہمارے دم سے تابندہ بتوں کے پائے جھنڈے ہیں
ہمیں نے ان کو چمکایا ہمیں دوزخ کے کندے ہیں

یہ کیا ضرور ہے کہ ہمیشہ پڑے رہو
کہتا ہے اب یہ چرخ کہ کھاؤ پڑے رہو

قاصد ملا جب اُن سے وہ کھیلتے تھے پولو
خط رکھ لیا یہ کہکر اچھا سلام بولو

قاعدوں میں حسن معنی گم کرو
شعر میں کہتا ہوں ہجے تم کرو

خوب لڑوایا بہم دل کھول کر
مار ڈالا راویوں نے قوم کو

سرفرازی ہو اونٹوں کی تو گردن کاٹئے انکی
اگر بندر کی بن آئے تو فیض ارتقا کہئے

جب کہا میں نے کہ پیار آتا ہے مجھکو تم پر
ہنسکے کہنے لگے اور آپ کو آتا کیا ہے

عام الزام ہے اکبر پہ کہ پیتا ہے کیوں
اسکی پرسش نہیں ہوتی کہ یہ کھاتا کیا ہے

وہ دل کو محو کلیسا بنا کے چھوڑیں گے
اس اونٹ کو خر عیسیٰ بنا کے چھوڑیں گے

کریں گے شوق سے مسلم تمدن میں مے داخل
شراب کو بھی ہریسا بنا کے چھوڑیں گے

توپ کھسکی پروفیسر پہنچے
جب بسولا ہٹا تو رندا ہے

کمیٹی میں چندا دیا کیجئے
ترقی کے ہجے کیا کیجئے

اب نہ جنگی علم نہ جھنڈا ہے
صرف تعویذ اور گنڈا ہے

کیا ہے باقی جناب قبلہ میں
کچھ حدیثیں ہیں ایک ڈنڈا ہے

تاکید عبادت پہ یہ اب کہتے ہیں لڑکے
پیری میں بھی اکبر کی ظرافت نہیں جاتی

دریا میں تو صاحب ہم گن بوٹ میں ہارے
میدان الکشن میں گئے ووٹ میں ہارے

موج ہے دل میں مرے قافیہ پیمائی کی | جا کے گنگا پہ کہا کرتا ہوں جے مائی کی

آنکھیں ساقی کی نہیں ہیں سیلی | اب تک میں بچا تھا آج پی لی

شوہر افسردہ پڑے ہیں اور مرید آوارہ ہیں | بیبیاں اسکول میں ہیں شیخ جی دربار میں

تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر | خاتون خانہ ہوں وہ سبھا کی پری نہ ہوں

ذی علم متقی ہوں جو ہوں اُن کے منتظم | استاد اچھے ہوں مگر استاد جی نہ ہوں

آدم چھٹے بہشت سے گیہوں کے واسطے | مسجد سے ہم نکل گئے گیہوں کی چاٹ میں

دو واسطے شوہر و اطفال کی خاطر تعلیم | قوم کے واسطے تعلیم نہ دو عورت کو

منزل گور تک پہونچنا ہے | خواہ موٹر ہو خواہ چھکڑا ہو

مرزا غریب چپ ہیں آنکی کتاب ردی | بدھو اکڑ رہے ہیں صاحب نے یہ کہا ہے

جناب ہی کو مناسب ہے یہ سول لائن | نیاز مند کو تو شہر ہی میں راحت ہے

مرغی نے کہا خوب کسی کیمپ میں لٹ کے | انڈا وہی اچھا ہے کہ بچہ جسے کھٹکے

کیوں اپنے سر یہ زحمت بیہودہ لیجیے | کونسل کے بدلے گھر پہ اکھیل کو دیجیے

ہر چند کہ ہے مس کا لونڈر بھی بہت خوب | بیگم کا مگر عطر حنا اور ہی کچھ ہے

قیمت کو شہر سے بڑھکر دیتے ہیں ٹھرے کے دام | بے حسی کا میکدہ ہے غفلتوں کا دور ہے

کھینچتے ہیں میری آہ کو فوٹو گراف میں | کہتے ہیں فیس لیجیے اور آہ کھینچیے

شیخ کے دامن کو اکبر نے دیا بوسہ جو کل | بہر برکت کیلئے اس مس کا سایہ چھو لیا

قوم پر ممبری کا قہر ہوا | کل جو اپنا تھا آج غیر ہوا

شیخ جی مر گئے کمیٹی میں | قل جیا تھا خاتمہ بخیر ہوا

اک پیر نے تہذیب سے لڑکے کو ابھارا | اک پیر نے تعلیم سے لڑکی کو سنوارا

پتلون میں وہ تن گیا یہ سایہ میں پھیلی | پاجامہ غرض یہ ہے کہ دونوں نے اتارا

پھر او وہ بنا کمیپ میں یہ بنگلیں آیا | بی بی نہ رہیں جب تو میاں بن بھی سدھارا

دونوں جو کبھی ملتے ہیں گاتے ہیں یہ مصرع	آغاز سے بدتر ہے سرانجام ہمارا
بنے ممبری جو ابلے سمجھ اسکو جنون اچھا	یہ بجا ہے قول شاعر گڈ جنون اچھا
کیونکر خدا کے عرش کے قائل ہوں یہ عزیز	جغرافیہ میں عرش کا نقشا نہیں ملا
فرقت نے کہا کہ جا گئے آپ	کھٹمل نے کہا کہ جا گئے آپ
ہم دختر خواہی و ہم آبروئے صاف	ایں خیال است و محال است و گزاف
کیا پوچھتے ہو اکبر شوریدہ سر کا حال	خفیہ پولیس سے پوچھ رہا ہے کمر کا حال
خدا کی راہ میں اب ریل چل گئی اکبر	جو جان دینا ہو انجن سے کٹ مرو اک دن
وصل کا اس بت خود بیں سے کوئی ہنٹ کہاں	صرف بوسہ میں بھلا سلف گورنمنٹ کہاں
رسماً تو ایک بوسہ ہے کافی دم وداع	لیکن مزا جو آئے تو دو تین کیوں نہ لیں
ممبر علی مراد ہیں یا سکہ ندان ہیں	لیکن معائنہ کو وہی نابدان ہیں
ہجر کی شب یہ کہیں کاٹو بتائیو	اُن کا فوٹو لیکے چاٹو بتائیو
جو چاہتے ہیں کٹے عمر اعتدال کے ساتھ	بٹھا رہے ہیں وہ بسکٹ کا جوڑ دال کے ساتھ
شیطان نے ترکیب تنزل یہ نکالی	ان لوگوں کو کم شوق ترقی کا دلا دو
کافی ہیں امیروں کو قوانین گورنمنٹ	مذہب کی ضرورت تو غریبوں کے لئے ہے
دل میں اب نور خدا کے دن گئے	ہڈیوں میں فاسفورس دیکھئے
دلیری سکھاتی ہیں ہمکو یہ کہکر	جہنم سے ڈرنا بڑی بزدلی ہے
نظر میں خیرگی ہے اور رگوں میں ناتوانی ہے	ضرورت کیا ہے پردے کی جہاں بی بی کا پانی ہے
ٹھکرا دیا ہر اک کو مغرب نے پاس کرکے	بیٹی کو ڈگری کو رہنے کھٹکے برسوں مساس کرکے
پرگلہ کے مولوی کو کیا پوچھتے ہو کیا ہے	مغرب کی پالیسی کا عربی میں ترجمہ ہے
فکر ساری کی ہے نہ کنگن کی	اب تو دھن ہے انھیں فرنگن کی
یہ دال لب گنگ کبھی گل نہیں سکتی	کالو کے پٹاخے سے بلاشل نہیں سکتی

پیٹ مصروف ہے کلرکی میں — دل ہے ایران اور ٹرکی میں

ہو گیا ہے الہلال آماجگاہ تیر غضب — اس نئے دور فلک کی چاندماری دیکھئے

کھینچو نہ کمانوں کو نہ تلوار نکالو — جب توپ مقابل ہو تو تلوار نکالو

ضبطی پرچہ توحید ہوئی خیر یہ ہے — قل ہو اللہ احد ضبط نہیں خیر یہ ہے

صاف کہتا ہوں رہیں خوش یا ہوں ناخوش مولوی — آسماں اب چاہتا ہے مولوی کش مولوی

حج کو کیونکر جائیں کارخانگی کو چھوڑ کر — اتنی کثرت ہو جو چوہوں کی تو بلی کیا کرے

شیخ جی کے دو تو بیٹے باہنر پیدا ہوئے — ایک ہیں خفیہ پولیس میں ایک پھانسی پا گئے

ڈائری میں ہو گیا تھا اختلاف اندراج — ڈر گئے خفیہ پولس سے کل کراماً کاتبین

داڑھی خدا کا نور ہے بیشک مگر جناب — فیشن کے انتظام صفائی کو کیا کروں

نہ کٹ لٹ ہے نہ یاں کانٹا چھری ہے — مگر گھی ہے تو کھچڑی کیا بری ہے

دھن دیس کی تھی جس میں گاتا تھا اک داتی — بسکٹ سے ہو ملا کر پوری ہو چپاتی

شانِ نماز اکبر شاہانہ ہو چلی ہے — مسجد الگ بنائیں اپنی میاں بقاتی

بابو ہیں نگل گئے اس عہد میں تو خیر — رہنا پڑا ہے نبیوں کو مچھلی کے پیٹ میں

حقیقی اور مجازی شاعری میں فرق یہ پایا — کہ وہ جامہ سے باہر ہے یہ پاجامہ سے باہر ہے

لیڈر کو دیکھتا ہوں تصوف پہ معترض — کالج کے کیڑے پڑ گئے دلق فقیر میں

تعلیم اسکی اچھی جو گھر میں اپنے خوش ہو — مذہب اسی کا بہتر جس کو پولس نہ پکڑے

طاعون کی بدولت ان کو بھی ارتقا ہے — جو مارتے تھے مکھی اب مارتے ہیں چوہے

فرما گئے ہیں یہ خوب بھائی گھورن — دنیا روٹی ہے اور مذہب چورن

سایہ مدت ہوا غبارہ بنا — پائنچوں میں بھی اب بھری ہے ہوا

مغربی تعلیم ہو اور ہم رہیں بابات ہو — لطف موسم سے یہی مینڈک کا ہو اور برسات ہو

حرج کیا روپیہ جو کاغذ کا چلا — شکر کر روٹی تو گیہوں کی رہی

نبوت کا زمانہ اور تھا اب اور جھوٹ ہے — وہاں سینے میں قرآں تھا یہاں سینے میں بائبل ہے

الانسان ضاحک صرف یہ تخلص معلوم ہے یا یہ کہ ایک وقت میں یہ مرحوم اودھ پنچ کے نامہ نگار رہتے تھے۔ باقی حالات وغیرہ بالکل معلوم نہیں۔ صرف تھوڑا سا کلام ملا ہے جو نقل کیا جاتا ہے۔ ۱۹۰۸ء میں جب کسی یوروپین حاکم اعلیٰ نے ہندوستانیوں پر جھوٹ کا الزام لگایا۔ جس سے متاثر ہو کر اکبر مرحوم نے یہ رباعی کہی تھی:-

بے ڈھب ہے جھوٹ سچ کی چھیڑی بحث ہند میں — سچ کہتے ہیں جو جھوٹ ہوں کہتے تو روسیاہ

کیسے ہی ہم ہوں آپ تو ہیں ہم پہ حکمراں — جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

اسی زمانہ میں جناب الانسان ضاحک نے یہ نظم کہی۔

جھوٹا ہمیں بتاتے ہیں سالانہ بزم میں — کیونکر کہیں کہ جھوٹ کا الزام جھوٹ ہے

وہ صبح کو بتائیں اگر شام راست ہے — اور ہم بتائیں شام کو گر شام جھوٹ ہے

وہ کہہ رہے ہیں ہند میں تکلیف کچھ نہیں — ہم کہہ رہے ہیں ہند میں آرام جھوٹ ہے

آتی تھی سوتے سوتے نظر شکل ہند کی — پوچھا جو میں نے نام کہا نام جھوٹ ہے

انعام پاتے ہیں جو ہمارے گر ہیں جھوٹ — انعام اسے نہ سمجھو سب انعام جھوٹ ہے

مفلس ہوں گرچہ صدمۂ آلام میں اسیر — افلاس جھوٹ صدمۂ آلام جھوٹ ہے

تصویر میں ہے ان کے اگر آم رس بھرا — یاں شاخ میں لگا بھی ہو گر آم جھوٹ ہے

. . . .

بندہ خدا وہاں ہے یہاں بندہ ہے خدا — دین مسیح راست ہے اسلام جھوٹ ہے

ناول ذرا سے سچ ہیں کہ یورپ میں ہیں چھپے — [illegible] قصۂ گلفام جھوٹ ہے

کہتے ہیں وہ جو آنکھ کو استاد عین صدق — کہتے ہیں ہم جو آنکھ کو بادام جھوٹ ہے

. . . .

گردش کا اپنی گردش ایام ہے سبب | گو وہ کہیں کہ گردش ایام جھوٹ ہے
ادبار جبکہ آگیا سب عیب آ گئے | آغاز جھوٹ نیز سر انجام جھوٹ ہے

اسی طرح جس وقت فصیح الملک نواب مرزا داغ کا انتقال ہوا تو الاانسان ضاحک صاحب کی منچلی شوخ طبیعت نہ رہ سکی اور جناب نے یہ قطعہ ارشاد فرمایا۔

یادش بخیر اُن کے اجل نے مٹا دیا | گویا کہ داغ صفحۂ ہستی پہ داغ تھے
تھے باعث نشاط کبھی مورث صداع | بلبل تھے ناچ گھر کے کلب گھر کے زاغ تھے
گھرانے تھے ولایتی جیکر کی سمت کے | مخمور حسن کیفیت جام باغ تھے
مجلس میں اُن کی پوچھ نہ رہ سکی شرابیں | سینہ کی بہ موتیا کی فقط کچھ ایاغ تھے
شائستہ نیز ایوں کا تعلق تھا داستاں | یاں تھے تو لولیوں کے پیچھے تھے سراغ تھے
باتوں میں چٹکلے تھے طبیعت میں شوخیاں | روشن خیال تھے نہ وہ عالی دماغ تھے
کہنے کو کیا کہیں تھے وہ نئی روشنی کے لیمپ | وہ تو الا دنیا کے طلسمی چراغ تھے

الست۔ غالباً ایک فرضی تخلص ہے۔ تھیٹر کے رنگ کی ایک نظم جس میں موجودہ زمانہ کے بعض جنٹلمینوں اور لیڈروں کو ظرافت کی شیرینی سے شربت بنا کر نصیحت کا زہر پلایا گیا ہے۔

تم صاحب لکچر مالک | تم شہر کے لیڈر مالک
تم اعلیٰ افسر مالک | تم دہلوی مسٹر مالک

تم خان بہادر مالک

تم بیشو ہشندر مالک | تم پیارے بندر مالک
تم تیتر چھچھندر مالک | تم لال قلندر مالک

تم خان بہادر مالک

تم دوڑ کے بنگلے جاؤ — تم ڈنر ٹفن سب کھاؤ
تم کلب میں ناچو گاؤ — تم شیخی سے اتراؤ

تم خان بہادر مالک

تم صورت اپنی دیکھو — تم سیرت اپنی دیکھو
تم شہرت اپنی دیکھو — تم نخوت اپنی دیکھو

تم خان بہادر مالک

تم سید زادے کیسے — ہو شاید ایسے ویسے
صاحب کے کھٹملے کے بیٹے — ہو مدہوش ہاہی پیسے

تم خان بہادر مالک

اب خان بنے مرزائی — ہیں جیسے خلیفہ نائی
کیا اچھی ناک کٹائی — کچھ بھی شرم اور لاج نہ آئی

تم خان بہادر مالک

تم شان مشیخت والے — تم کبر و رعونت والے
پھٹکار اور لعنت والے — صہبائے جنوں کے متوالے

تم خان بہادر مالک

تم کھاؤ مرغی انڈا — تم مارو سب کو ڈنڈا
تم گاڑو ٹھانی جھنڈا — تم پاتھو انگلش کنڈا

تم خان بہادر مالک

تم گھوڑا ٹم ٹم رکھو — تم گوری میڈم رکھو
تم نیزہ بلّم رکھو — تم نوکر یودم رکھو

تم خان بہادر مالک

الست شرابی آیا　　تم بھاگو ڈنڈا لایا
تم چپ چپا ہڑ اگایا　　یہ نغمہ خوب سمایا

تم خان بہادر مالک

امید - تخلص ہے میرے دوست ابوالکمال سید محمد علی صاحب کا - جنکا اصلی دولت خانہ امیٹھی ضلع سلطان پور تھا - مگر ایک عرصہ سے لکھنؤ محلہ حسین گنج میں قیام ہے - آپ فارسی اور اردو دونوں زبان میں شعر کہتے ہیں نہ صرف شعر گو کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ اب ایک مسلم الثبوت استاد کامل ہیں - آپکے علمی و ادبی کارناموں سے ملک کا گوشہ گوشہ واقف ہے - آپکو سلسلہ ظرفا میں شامل کرنا آپ کے لئے دون مرتبت سے کم نہیں ہے - مگر چونکہ اودھ پنچ سابق کے آپ ایک قابل اور مشہور و معروف نامہ نگار رہے اور مدتوں تک آپ کے علمی ادبی تنقیدی مضامین اور اسی کے ساتھ آپ کی ظریفانہ نظمیں بھی شایع ہوتی رہیں بلکہ آخر میں آپ نے اودھ پنچ کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں بھی کام کیا - اور نہایت ہی فاضلانہ اور قابلانہ طریقہ سے اسکی خدمات انجام دیں - اس لئے تذکرہ نویسی کا گناہ ہوگا اگر ہم آپ کا ذکر نہ کریں - آپکا سن شریف کم از کم اسوقت پچپن سال کا ہوگا - مگر زندہ دلی اور ظرافت کی ایک مجسم تصویر ہیں - وضعدار نیک دل ہونے کے علاوہ علمی شغف یہاں تک رکھتے ہیں کہ ہر معمولی سے معمولی لفظ کو بھی بغیر تحقیق و تدقیق کے استعمال نہیں کرتے - مجھ سے دس بارہ برس سے ملاقات ہے مگر آپ کی پاس وضع میں کبھی فرق نہیں آیا کہ برابر تیسرے چوتھے روز تشریف آوری سے مجھے شکریہ کا موقع دیتے ہیں - اگرچہ آپ کا کلام ظریفانہ بہت کچھ ہے مگر سر دست جو کچھ مل سکا وہ حاضر کیا جاتا ہے -

سوچتا تھا یا الٰہی کیا کروں — جان تختی تھی در دل تھی پڑوں

دیکھتا ہوں سامنے اتنے میں کیا — اک شخص دیو آتا ہے چلا

کچھ عجب اک ڈھونکا ڈھو تھا وہ بشر — ڈر گیا میں اسکی صورت دیکھکر

جب مرے نزدیک بالکل آگیا — میں نے حسب وضع اس سے یوں کہا

دل تمہ آیا ہو کہاں سے کون ہے — پوچھ کیا لادا ہے جس سے ڈون ہے

وہ لگا کہنے لیکن اسے خواجہ گوش — من ز کابل ہستم انگورہ فروش

سن کے ان کی بات کو میں خوش ہوا — اور دل ہی دل میں اپنے یوں کہا

عذر معقول آگیا ہے خوب ہاتھ — ان کو لے چلئے مکاں پر اپنے ساتھ

لیکے ہمرہ ان کو قصہ مختصر — ہو گئے خوش خوش تا در نکبت اثر

چپکے چپکے گھر کے اندر میں گھسا — سامنا جو ہے کو بی بی کا ہوا

گو ذرا میں بگڑے تیور دیکھکر — دفع دخل اسطرح کر ڈالا مگر

بیوی صاحب یہ نہ سمجھو بھنگ ہو — دال کی لذت جو ہے وہ بھنگ ہے

دل جو دال ماش کو چاہا مرا — جستجو میں بھنگ کی دن بھر پھرا

اتفاقاً ایک آغا کابلی — مل گئے آتے ہوئے مجھکو ابھی

ساتھ ساتھ اپنے انھیں لایا ہوں میں — ان کو ڈیوڑھی میں بٹھا آیا ہوں میں

کہکے اتنا گھر میں با خوف و ہراس — الغرض آیا میں پھر آغا کے پاس

چونکہ ہے سودا ترقی کا مجھے — بھنگ و بنگ ان سے نہ تھی لینا مجھے

بیٹھ کر کہنے لگا میں ان سے یوں — بیچتے پھرتے ہو تم یہ بھنگ کیوں

بھنگ کیا اور بھنگ کا بکنا ہی کیا — پڑی کیا اور پڑی کا کیا شوربا

رہ کے دنیا میں ترقی سیکھئے — حرفت و صنعت میں حصہ لیجئے

چھانتے پھرتے ہو کیوں کوچوں کی خاک — کیوں ہوے جاتے ہو آفت میں ہلاک

کرکے ہمت کسب کوئی سیکھ لو — نفع جسے تاکہ اوروں کو بھی ہو
آجکل جاپان ہے حرفت کی کان — جسنے کاٹے اہل یورپ کے بھی کان
سیکھئے جاکر وہاں کوئی ہنر — زندگی بھر چین سے کیجئے بسر
سنکے یہ باتیں وہ کابل کا گدھا — یک بیک جھنجلا کے یوں کہنے لگا
کے خری انگوزہ را و ہینگ را — خر چہ داند شاخ را و سینگ را
ہینگ باشد دافع درد شکم — ہینگ باشد نافع ہضم اکم
ہینگ باشد حل علت را دوا — ہینگ باشد نوش و نیش جانفزا
ہینگ خواہد ہر کہ او بینا بود — قدر دانش بو علی سینا بود
ماش را روح روانے چیست ہینگ — قالبش را تازہ جانے چیست ہینگ
بگزر از جاپان و از جاپانیاں — قید صد ایجاد و از زندانیاں
جاہل انداند دال ماش و انگزہ — مے ندانند ایں غذائے خوش مزہ

غزل

آجکل ہے کچھ سنیچر پاؤں میں — شامت کا رہتا ہے چکر پاؤں میں
سیکڑوں خار مغیلاں ٹوٹ کر — رہ گئے ہیں مثل نشتر پاؤں میں
رشتۂ تہذیب کو تو آج کل — باندھے پھرتے ہیں جھنجھر پاؤں میں
بدگمانی تو ہے جب باندھے پھریں — چور دل کا اپنے شوہر پاؤں میں
عشق میں اک آسمانی رفتار کے — آگیا ہے سر کا چکر پاؤں میں
ہجر میں ان کے ستم یہ اور ہے — کاٹتے ہیں شب کو پتھر پاؤں میں

بابو صاحب وطن کا پاس اچھا ہے — نجات اچھا ہے ماشلی کا ماس اچھا ہے

مطلب نہ زین سے نہ لیٹھے سے غرض — گاڑھا دہوتر ہی لباس اچھا ہے

ہم دور اندیش لاکھ سمجھاتے گئے — آپ ایسے گمو کہ اپنی ہی گاتے گئے
کچھ لاج رہی نہ پت رہی اور نہ ساتے — جب مانڈلے لا لا جپت لے گئے

واعظ پیر مغاں تو کنجوس نہیں — لیکن تجھسا بھی کو منحوس نہیں
لٹیا ہی ڈبوئی بنکے میکش دیکھا — بادہ ہے تو شراب معکوس نہیں

رات اپنا جس مقام پر قضا پر تھا گزر — تذکرہ کچھ مختصر ہمکو وہاں کے یاد ہیں
یعنی یہ دیکھا ہے کہ اک بوستان بے خزاں — قید غم سے جس جگہ سرو چمن آزاد ہیں
ناگہاں وہ شوخ آ کر مجھے یہ کہنے لگا — آپ کسکو پوچھتے ہیں کسلئے ناشاد ہیں
انتظام مملکت کہتے ہیں مجھکو خاص و عام — پوچھئے اُن سے کہ یہ لالہ بڑے استاد ہیں
پھر بقول مومن اس کافر نے الہ سے کہا — آپ کہتے پھرتے ہیں ہم مور دبیداد ہیں
اور سوا اسکے سنی ہے آپ کی اسپیچ بھی — ہم کہیں ظالم کہیں قاتل کہیں جلاد ہیں
جی میں آتا ہے کہ اک دن ذبح کر ڈالوں تجھے — کیوں قضا آئی ہے تیری کیوں کہ ہم جلاد ہیں

کل مجھسے بکڈ پو کے منیجر نے یوں کہا — کچھ ملک و قوم کی بھی مدارات چاہیئے
دلچسپ ناولوں کی ضرورت ہے ملک کو — کثافات چاہیئے نہ اشارات چاہیئے
اک جی حضور خان بہادر کا ہے یہ قول — صاحب کے اردلی سے ملاقات چاہیئے
غالب کی پوچھئے تو مقولہ ہے انکا یہ — اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے
مجھسے جو پوچھئے مے و معشوق کے سوا — امید سب سے ترک ملاقات چاہیئے

انشا - سید انشاء اللہ خاں نام تھا - حکیم میر ماشاء اللہ خاں کے بیٹے دلی کے رہنے والے تھے - گو جائے ولادت مرشد آباد تھی - ان کے والد خود بھی پختہ مشق شاعر تھے - انشا جب سیانے ہوئے تو ان کی تعلیم و تربیت اس زمانہ کے شرفا کی طرح کی گئی - اور عربی فارسی وغیرہ میں نہایت زبردست استعداد پیدا کرائی گئی -

انشا کی شاعرانہ طبیعت چند روز میں اپنے اصلی رنگ پر آ گئی مشق شعر و سخن شروع کی ابتدا میں اپنے والد بزرگوار کو اپنا کلام دکھایا - انشا کی شاعری کا سرسبز پودا مرشد آباد ہی میں پھلا پھولا - مگر چونکہ اس زمانہ میں ہندوستان میں ہر طرف تباہی کا طوفان اٹھا ہوا تھا اسی لئے ان کو بھی مرشد آباد چھوڑ کر دلی آنا پڑا - مگر آج کل دلی کا دربار ایک خانقاہ درویشانہ تھا نہ وہ شاہانہ عظمت اور جبروت باقی تھا نہ وہ اقتدار تھا دلی کو بڈھا تاجدار شاہ عالم بادشاہ عمادالملک وزیر کے ہاتھوں شاہ شطرنج بنا ہوا تھا - بے بسی اور بے کسی کی زندگی بسر ہو رہی تھی - مگر تاہم ابھی وہ غریب نوازی اور بندہ پروری کی روایات قدیمہ زندہ تھیں - یہی سبب تھا کہ ہر ذی کمال اہل ہنر کی پہلی تمنا یہی ہوتی تھی کہ وہ دربار شاہی میں داخل ہو - اسی بنا پر انشا کو بھی داخلہ کا شوق چرایا - چونکہ اہل کمال بھی تھے اور ساتھ ان کی لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی کی چار طرف دھوم تھی اسی لئے آسانی کے ساتھ دربار میں داخل ہو گئے مگر وہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں - دربار نام کا دربار ہے باقی اللہ کا نام ہے - پھر بھی سنگ آمد و سخت آمد کا معاملہ تھا سے زمانہ باتو نہ سازد تو با زمانہ بساز کی مشہور ضرب المثل پر عمل کر کے چار و ناچار چند روز نباہی - اور اپنی خوش بیانیوں اور خوش مذاقیوں - گل افشانیوں سے اس وادی خزاں رسیدہ کو گل و گلزار بنائے رکھا مگر کب تک آخر گھبرا گئے جی اکتا گیا - اور لکھنؤ کی طرف رخ کیا - لکھنؤ اس وقت آج کا لکھنؤ نہ تھا - گوشہ گوشہ قدر دانوں سے آباد تھا - ذرہ ذرہ میں فیض رسانی مہمان نوازی کی شان

موجود تھی - جیسے ہی یہ لکھنؤ پہونچے مرزا سلیمان شکوہ کے دربار میں ان کو جگہ مل گئی - مرزا سلیمان شکوہ شاہ عالم بادشاہ کے بیٹے تھے - انھوں نے کچھ انشا کے علم وفضل اور رنگین مزاجی کی قدر کی - کچھ اپنے باپ کے درباری ہونے کا لحاظ کیا - غرض کسی نہ کسی صورت سے یہ ان کے شاگرد ہوگئے - انشا کو تمام تر تو نہیں مگر کچھ نہ کچھ اطمینان ہوگیا اور غربت کے آنسو پچھ گئے - چند روز انھیں کے یہاں رہتے سہتے رہے مگر آخرالامر علامہ تفضل حسین خاں کے توسل سے نواب سعادت علیخاں کے دربار میں پہونچے - اور اسقدر مقرب بارگاہ ہوئے کہ نواب کو ان کے بغیر کسی وقت چین ہی نہ آتا تھا - انشا کی رنگین مزاجی نے کچھ نہ کچھ نواب کو بھی رنگین کر دیا تھا - مگر فطرتاً نواب نہایت ہی سادہ مزاج - خاموش - متین - اور سنجیدہ تھے اب یہ عالم تھا کہ خلوت اور جلوت میں دم بھر کے واسطے بھی سید انشا جدا نہ ہوتے تھے - ایک غیر مطبوعہ کتاب جو مشہور بھی نہیں ہے لطایف السعادت کے نام سے مجھے ملی تھی - یہ انشا کی تصنیف تھی اور اسمیں نواب کے حکم سے انشا نے وہ دلچسپ لطائف اور باتیں جمع کی ہیں جو نواب میں اور ان میں خاص خاص مجلسوں میں ہوا کرتی تھیں یہ کتاب مدتوں میرے کتبخانہ میں رہی اب سید جالب صاحب ایڈیٹر ہمدم کے یہاں ہے - اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ نواب سے اور ان سے اتنی بے تکلفی تھی کہ اس سے زیادہ محال تھی - مگر ہم لکھ چکے ہیں کہ نواب کے مزاج میں یہ رنگینی جو انشا کی صحبت سے پیدا ہوگئی تھی - وہ فی الاصل متین تھے اور انشا ضرورت سے زیادہ منہ پھٹ شوخ مزاج - رند لاابالی چنانچہ اسی افراط وتفریط کی بدولت یہ نوبت پہونچی کہ نواب کو کچھ رنج بھی پیدا ہوئی اور اسی کی پاداش میں ان کو ۱۲۲۵ھ میں دربار سے الگ ہونا پڑا - نواب نے اسکے بعد ان کو یہ بھی حکم دیا کہ ہمارے دربار کے سوا اور کہیں نہ جایا کرو - اسکے بعد یہ ستم کیا کہ تنخواہ بھی بند کر دی - ایک آفت یہ آئی کہ تفال اللہ خاں جوان بیٹا مر گیا - اور انشا کی اسی غم میں بہت ہی زار ونزار حالت ہوگئی -

آزاد نے اسی واقعہ کو اپنی رنگین بیانی سے آبحیات میں اتنا چمکایا ہے کہ پڑھنے والے کی آنسو نکل آتے ہیں - لکھا ہے کہ مجنون ہوئے اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرے - مگر دراصل یہ واقعہ بالکل غلط ہے - آزاد لکھتے ہیں کہ میاں رنگین بیان کرتے ہیں کہ میں سوداگری کے لئے گھوڑے لیکر لکھنؤ گیا اور سرا میں اترا - شام ہوئی تو معلوم ہوا کہ قریب ہی کوئی مشاعرہ ہوتا ہے - کھانا کھا کر میں بھی جلسہ میں پہونچا ابھی دو تین سو آدمی آئے تھے لوگ بیٹھے باتیں کرتے تھے - حقے پی رہے تھے - میں بھی بیٹھا ہوا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص میلی کچیلی روئی دار مرزئی پہنے سر پہ ایک میلا سا پھینٹا - گھٹنا پاؤں میں - پیکوں کا توبڑا ڈالے ایک ککڑ کا حقہ ہاتھ میں لئے آیا اور سلام علیکم کہکر بیٹھ گیا - کسی کسی نے اس سے مزاج پرسی بھی کی - اسنے اپنے توبڑے میں ہاتھ ڈالکر تمبا کو نکالا اور اپنی چلم پر سلفہ جما کر کہا کہ بھئی ذرا سی آگ ہو تو اسپر رکھ دینا - اسوقت آوازیں بلند ہوئیں - اور گڑگڑی سٹک پیچوان سے لوگ تواضع کرنے لگے - وہ بے دماغ ہو کر بولا کہ صاحب ہمیں ہمارے حال پر رہنے دو - نہیں تو ہم جاتے ہیں - سب نے اسکی بات مانی - دم بھر کے بعد پھر بولا کہ کیوں صاحب ابھی مشاعرہ شروع نہیں ہوا - لوگوں نے کہا کہ جناب لوگ جمع ہوتے جاتے ہیں - سب صاحب آجائیں تو شروع ہو - وہ بولا کہ صاحب ہم تو اپنی غزل پڑھ دیتے ہیں یہ کہکر توبڑے میں سے ایک کاغذ نکالا - اور غزل پڑھنی شروع کردی "غزل یہ تھی" کمر باندھے ہوئے چلنے کو یہاں سب یار بیٹھے ہیں -

مولوی عبدالحی صاحب مرحوم اپنے تذکرہ گل رعنا میں لکھتے ہیں - کہ یہ غزل انشا کی اس زمانے کی تصنیف نہیں ہے جو اُن کے جنون اور بیچارگی کا زمانہ بیان کیا جاتا ہے - میں نے اس غزل کے چند اشعار تذکرہ مصحفی میں پڑھے ہیں - جو اس زمانہ میں لکھا گیا ہے جسوقت انشا لکھنؤ پہونچے بھی نہ تھے - مصحفی نے تذکرہ میں وہاں تک کا حال لکھا ہے کہ وہ مرشد آباد سے دلی میں آچکے ہیں - اور مرزا عظیم وغیرہ شعرائے دہلی سے معرکے پیش تھے

خود میں نے ایک غیر مطبوعہ نسخہ انیس الاحبا، مصنفہ موہن لال انیس میں دیکھا ہے
کہ وہ آخر وقت تک مشاعروں وغیرہ میں شریک ہوتے تھے۔ اور جنون وغیرہ کا اس میں
کہیں ذکر نہیں۔ یہ تذکرہ انشا کی حیات میں لکھا گیا یا اُن کی وفات کے دو چار برس بعد
مصنف تذکرہ اُن کے دوستوں میں تھے۔ افسوس کہ اسوقت وہ تذکرہ میرے پاس
نہیں ہے ورنہ مفصل لکھتا۔ بہرصورت اسمیں کلام نہیں کہ انشا کی زندگی کا آخری زمانہ
تکلیف میں گزرا۔ اور انھیں مصیبتوں میں ۱۲۳۳ھ میں وہ ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہو گئے

انشا کی تصانیف بہت سی ہیں جنمیں سے دریائے لطافت سب سے زیادہ مشہور و
معروف ہے۔ دیوان بھی کئی ہیں جو ایک کلیات میں شامل ہیں۔ کئی سے میری یہ مراد
ہے کہ ایک فارسی۔ ایک بے نقط۔ ایک اُردو کا دیوان ہے۔ مثنویاں قصیدے رباعیاں
بہت سی ہیں۔ ان کی شاعری کی نسبت یہاں کوئی رائے دینا بے ضرورت ہے۔ البتہ
ظرافت کے متعلق یہ کہنا ضروری ہے کہ وہ خلقتاً نہایت ظریف۔ ہشاش بشاش واقع ہوئے
تھے۔ اکثر تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ درباری شاعر یا نوابی دربار کی مصاحبت کی وجہ
سے انھیں ظرافت کی ضرورت پڑتی تھی۔ مگر میں اس کے خلاف ہوں حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ
درباری مصاحب اور شاعر بھی نہ ہوتے تب بھی ویسے ہی ظریف ہوتے۔ اب بھی دیوان کو دیکھئے
تو ضرورت اور بے ضرورت جا اور بیجا سب جگہ ان کے تمسخر اور مزاح کی شان موجود ہے تذکرہ
گلشن بے خار کا وہ جملہ جو آزاد کے سینہ پر کٹار کا کام دیتا ہے۔ اگر میرے خیال سے تو صرف
اسی لئے ہے کہ شیفتہ مرحوم کو یہ لکھنا تھا کہ بجز ظرافت ہیچ صنعت را بطریقہ راستہ شعرانہ گفتہ۔
حقیقت یہ ہے کہ انشا ظرافت ہی کے لئے پیدا ہوئے تھے اور اگر وہ صرف ظرافت ہی کہتے تب بھی
اُن کا علم و فضل اتنا ہی مسلم ہوتا جتنا آج ہے۔

ان کی ظرافت کے اقسام گنانا ایک قسم کی دانستہ غلطی کرنا ہے۔ جو شخص بات
بات میں ظرافت کے دریا بہاتا ہے کوئی کہاں تک اسکا اندازہ کر سکتا ہے۔ پھر بھی اتنی کہ

اُن کے ظریفانہ انداز کا سب سے بڑا نمونہ سمجھئے - بعدازاں اٹھواڑی وغیرہ کا نمبر آتا ہے
بہر صورت ہم اُن کی ہر قسم کی ظریفانہ شوخیوں میں سے کچھ نمونے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں،
مگر قبل اس کے کہ نظم کا حصہ شروع کریں - اُن کے کچھ لطائف لکھے دیتے ہیں تاکہ معلوم
ہو جائے کہ وہ جو کچھ کہتے تھے ازراہ تکلف و تصنع نہ تھا بلکہ ان کی فطرت یہی تھی - ان کا
وجود اُن کی ہستی محض ہنسنے ہنسانے کے لئے پیدا ہوئی تھی - لطف یہ ہے کہ جس رنگ میں
کوئی شعر کہتے ہیں - یا جس قسم کی ظرافت سے کام لیتے ہیں اسمیں کسر باقی نہیں رکھتے - کیا
مجال کہ کہیں اعتراض کیسا نظر بھر کر دیکھنے کی بھی گنجائش نکل آسکے کوئی غلطی سرزد ہو
معاذاللہ - بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمر بھر انھوں نے اسی رنگ میں مشق کی ہے - اور یہی رنگ
عمر بھر رہا ہے - وہ انتہا کے شوخ و حاضر جواب تھے - چنانچہ چند لطیفے درج کرتا ہوں -

ایکدن نواب کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے - اور گرمی کیوجہ سے صافا - یا پگڑی
علیحدہ رکھدی سر گھٹا ہوا تھا نواب کے دل میں جو ترنگ اٹھی - ہاتھ بڑھا کر پیچھے سے ایک
ٹیپ دی - آپ نے جلدی ٹوپی سر پر رکھکر کہا - بزرگوں کی نصیحت پر عمل نہ کرنا بڑی بری
بات ہے - نواب نے کہا کیا - انھوں نے جواب دیا کہ سنا تھا ننگے سر کھانا کھانے سے
شیطان دھولیں لگاتا ہے -

ایک مرتبہ نواب نے دفتر والوں کو حکم دیا کہ بھئی سب خوشخط لکھو اور جو کوئی غلطی
کرے گا فی غلطی ایک روپیہ جرمانہ کیا جائے گا - اتفاق کی بات ایک بڑے قابل مولوی
صاحب نے فرد حساب میں اجناس کا سین بھولکر اجنا لکھدیا - نواب صاحب نے کہیں
دیکھ لیا - مولوی صاحب نے اسکے معنی بتانا شروع کئے اور تاویلوں کے انبار لگا دئے
نواب نے انشا کو اشارہ کر دیا - انشا نے یہ رباعی نظم کر کے پڑھیں - اور غریب
مولوی کو دیوانہ کر دیا -

اجناس کی فرد پر یہ اجنا کیسا   یہاں اہل لغات کا گرجنا کیسا

گو ہوں اجنا کے معنے جو جیز آگے لیکن یہ نئی اپج اپچنا کیسا

ترخیم کے قاعدے سے سجنا لکھئے اور لفظ خرد خبا کو تجمنا لکھئے
گر ہمکو اجی نہ لکھتے ہوئے لکھنا تو کرکے رخم اس کو اجبا لکھئے

اجناس کے بدلے لکھئے اجنا کیا خوب قاموس کے رعد کا گرجنا کیا خوب
از روے لغت نئی اپج لے لی ہے اس تان کے پیچ کا اپجنا کیا خوب

اجناس کے موقعن پہ اجبا آیا سلما سے علوم کا یہ سجنا آیا
اجبا جیز سے ست کال بردید زہیا یہ تحم لغت کا لو اپجتا آیا

نواب نے کہیں روزہ رکھا تھا اور یہ حکم دیدیا تھا کہ کوئی نہ آسے - پہرہ لگوادیا تھا مگر انشا کو کوئی ضروری کام تھا - آخر عورتوں کا لباس بدل ناک پر انگلی رکھ نواب کے سامنے جا کھڑے ہوئے - نواب نے چونکہ حکم دے رکھا تھا کہ کوئی نہ آسے - اب یہ پوچھئے ذرا چوری پر چل آئے - انھوں نے فوراً یہ شعر پڑھا -

میں تو کبھی تھی نہ رکھو ای مرے پیارے روزہ بندی رکھو لیگی ترے بدلے ہزاری روزہ

ایک مرتبہ لب دریا چلے جا رہے تھے ایک حویلی نظر آئی جسپر یہ تاریخ لکھی تھی ع

حویلی علی نقی خاں بہادر کی

کسی نے کہا کہ انشا دیکھو کیا تاریخ کہی ہے ذرا اسے رباعی تو کردو تو انھوں سے فی البدیہہ کہا -

نہ عربی نہ فارسی نہ ترکی نہ سم کی نہ تال کی نہ سُر کی

یہ تاریخ کہی ہے کس ترکی — جو نئی علی نقی خاں بہادر کی

فائق جو ان کے معاصر تھے انھوں نے انشا کی ہجو کہی انشا نے صلہ میں پانچ روپیہ دیئے اور کہا۔

فائق بے حیا چو ہجوم گفت — دل من سوخت سوختہ بہ
صلہ اش پنج روپیہ دادم — دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ

انھیں فائق نے جنکا بیان ہو چکا ایک مرتبہ بید کو بہ تشدید لکھا۔ انشا کو ایک سامانِ تمسخر مل گیا ایک قطعہ لکھ مارا۔

چہ خوش گفت فائق شاعر غرّا — کہ چوں ذہن او ذہن رسا نباشد
یکے شعر نادر کہ در چند وزّن — شود خواندہ و شک بمعنے نباشد
دراں لفظ بید را بہ دال مشدد — نوشت است و ایں غلط اصلا نباشد
شنید ایں سخن را چو گردِ سخن — ز انشا کہ ہمسرش اصلا نباشد
بگفتا کہ من شاعر خشک فکرم — چو من ہیچ مغفل گویا نباشد
تو گلستاں را ندانی درست — ترا ہیچ شعور و ذکا نباشد
سند یاد از استاد است مارا — بہ کلام ما ہیچ خطا نباشد
چو تشدید در شعر شیخ درست افتد — تشدید صحیح چرا نباشد

گیان چند ساہوکار کی ماہ واڑی میں ایسی ہجو لکھی ہے کہ تلوار تیغ تیز معلوم ہوتی ہے۔ جس سے اسکی عزت تک کا خون بہا دیا گیا ہے۔ بھڑوں کھٹملوں وغیرہ کی ہجو دنیا میں پوری پوری مثنویاں نظم کر دیں۔ مصحفی سے الجھے تو ایسے ہی الجھے وہ داد کھائی کہیں کہ توبہ ہی تو ہے جیسے شیخ مصحفی کے ذکر میں لکھیں گے انشا کے لئے کوئی بھی فرد فرید نہ تھا کہ وہ حسب ہزل۔ یا ظرافت یا ہجو کا ارادہ کرتے تبھی ایسے شعر کہتے نہیں غزل کہتے اسوقت بھی یہی عالم تھا۔ قصیدہ لکھتے تو کبھی یہی رنگ غالب رہتا دو چار شعر

اس قسم کے سنئے اس کے بعد ریختی کا رنگ دیکھئے۔

لیا گر عقل نے منہ میں دل بیتاب کا گٹکا　　تو جوگی جی دھرا رہ جائے گا سب آپ کا لٹکا

صنم خانہ میں جب دیکھا بت زنار کا جوڑا　　لگا ٹھٹھا کرنے آگے ناچنے طاؤس کا جوڑا

ملے پارے سے جو ہرتال کرکے راکھ کا جوڑا　　تو تانبے سر جی انگلیں کوئی لوسے لاکھ کا جوڑا

نہیں کچھ بھید سے خالی یہ تاسیخ اس جی صاحب　　لگایا ہے جو اک جیو ترے سنگ آنکھ کا جوڑا

لپٹ کر کشن جی سے رادھا یا پیتیسکر لگیں کہنے　　ملا ہے چاند سے اے لو انہیں پیارے ماکھ کا جوڑا

یہ سچ سمجھو کہ انشا ہے جگت سیٹھ اس زمانہ کا　　نہیں شعر و سخن میں کوئی اسکی ساکھ کا جوڑا

یہ جو حضرت بیٹھے ہیں ادا کے کنڈ پر　　اوتاریں گے کرتے ہیں پریوں کے جھنڈ پر

دل ستم زدہ بیتابیوں نے لوٹ لیا　　ہمارے قبلہ کو وہابیوں نے لوٹ لیا

سنایا رات کو قصہ جو ہیر رانجھے کا　　تو اہل درد کو پنجابیوں نے لوٹ لیا

یوں چلی مژگاں سے اشک خوں فشاں کی سیدنی　　جیسے برات چلے بالے میاں کی سیدنی

رات وہ بولے مجھ سے ہنسکر چاہ میاں کچھ کھیل نہیں　　میں ہوں نہنوڑا اور تو ہے مقطع میرا تیرا میل نہیں

کوئی دنیا سے کیا بھلا مانگے　　یہ تو بیچاری آپ ننگی ہے

ڈر وحشت کی وہ موہوم دام سے تم　　وہ تو اک دیونی دبنگی ہے

جوگی صاحب آپ کی بھی واہ　　دھرم مورت عجب کڈھنگی ہے

چشم بددور شیخ جی صاحب　　　کیا ازار آپ کی اٹنگی ہے

خیال کیجیے کہ کیا آج کام میں نے کیا　　　جب اُن نے دی مجھے گالی سلام میں نے کیا

دیوار پھاندنے میں دیکھوگے کام میرا　　　جب دھم سے آکہونگا صاحب سلام میرا

ہیں روزن حسن سے وہ بنات گھمنڈ پر　　　نام خدا نگاہ پڑے کیوں نہ ٹونڈ پر
تعویذ لال ہی کے تہ پھرئے گھمنڈ پر　　　اک نیلا ڈورا باندھئے اس گورے ڈنڈ پر
یارب سدا سہاگ کی مہندی رچا کرے　　　پتے بچے کبھیں رہے آفت ارنڈ پر
دو تین دن تو ہو چکے اب پھر چلو دہیں　　　فیروز شاہ کی لاٹ کے اس چوچے کنڈ پر
وہ پہلوان سا وہ لب جوئے ڈنڈ پیل　　　بولا کہ کوئی عشق تو ہو ایسے بسنڈ پر
انشا بدل کے قافیے رکھو چھپر چھپا کے　　　چڑھ بیٹھ ایک اور بکھیڑے اکنڈ پر

یہ جو مہنت بیٹھے ہیں راجہ کے کنڈ پر　　　شکر مہنت کرتے ہیں پریوں کے جھنڈ پر
راجہ جی ایک جوگی کے چیلے پہ عشق ہیں آپ　　　عاشق ہوئے ہیں واہ عجب لنڈ منڈ پر

جو چاہے تو مجھے ہنسوڑے کی خیر　　　تو یوں دیکھ اس گھوٹے چونڈے کی خیر
کیا دے نشے کے مرسے رجش کو　　　میاں ساقی اس سیلفے کوڑے کی خیر
ہنسا یا جو میں نے تو بولے نہیں　　　نظر آتی کچھ اس نگوڑے کی خیر
لگا بیٹھ انشا کو ٹھوکر تو ایک　　　ارے اپنے سونٹے کی تورڑے کی خیر

غرضکہ اسی طرح بات بات میں ظرافت اور ہنسوڑپن کرتے تھے - ریختی ان کا کوئی

خاص رنگ نہ تھا بلکہ اپنے دوست میاں رنگین دہلوی کے اتباع میں تفنن طبع کے طریق پر یہ بھی لکھ ڈالی۔ اور لکھی تو ایسی اور اتنی لکھی کہ آج پورا ایک دیوان موجود ہے۔ ان کی ریختی میں خصوصیت سے یہ بات دیکھنے کے قابل ہے کہ جان صاحب کی طرح تصنع اور آورد سے سراسر پاک ہے۔ خاص دلّی کی بیگمات کا روزمرہ ہے۔ اکثر اشعار ایسے ذو معنی ہیں جو ریختی اور ہزالی دونوں رنگوں کا نمونہ ہیں جنھیں دیکھنے والے خود سمجھ سکیں گے۔

میں کیا کہوں دوگانا اس کل کے دوڑنے سے | جو حال ہوگیا ہے اس پاؤں کی تلی کا
مجھ سے نہ آڑ زناخی تو رات کو کہیں تھی | چھپتا ہے رنگ کوئی ایسی ملی دلی کا
ہاتھوں سے تیرے میں تو کمبخت عاجز آئی | جو کام ہے نگوڑا تیرا سو ہلبلی کا
انشا سوا سے اپنے اللہ کے جہاں میں | ہے کون کھونے والا اس دل کی بیکلی کا

بات جو کہنی نہ تھی سو وہ دوانے کہی | منھ دکھاوے نہ خدا آپکے ہاں داں کا
تیری تو انشا کبھی بات نہ باور کیجے | جامہ پہن کر اگر آوے تو قرآں کا

اللہ کرے سلامت جم جم رہے یہ بیڑا | ہے جس کے دم قدم سے دنیا کا سب بکھیڑا
کیوں گوئیاں انگلیوں سے تو مجھ کو ہے لپیٹتی | ہے ہے تری نگھری کیا مانگتی ہے پیڑا
چندی کی دشمنی میں ناحق جو ہول آئی | لگ جائے آنکھ منھ پر اڑ غیب کا تھپیڑا
باجی سے اپنی مل کر کل وہ بری یہ بولی | کیوں چھیڑے میرے انشا اللہ خاں نے چھیڑا

کروں بیمار کیا اپنی دوگانہ کی رکھائی کا | دماغ آکر انھیں میں گھس رہا ساری خدائی کا
نیا یہ موہلا بیٹھے لگا ہے ڈھ میں میری | ہوا دربان کا لڑکا ملیٹڈ و منجھلے بھائی کا
وہی جانے کہ کہہ کر بات جیت اس کا پہ یچیچ | دوا کا آسرا ہے یاں بھروسہ ہے نہ نائی کا

ہمسایہ میں کو خجل ہوئی کل رات کو انشا　　گھس اُسکے زنانہ میں گیا چور نگوڑا

تو قیامت بے تُسری ہے حد بُرا تیرا گلا　　خوش نہیں آتا ہمیں بی فاختہ تیرا گلا
کیوں پڑا تھلکے نہ دل میرے کلیجے میں بھلا　　ہے تمھارا روپ ایسا جیسے سوتے میں ٹڑ لا
دل میں اک انشا کے چٹکی لی پرے کو ہٹ گئیں　　واچھڑی معقول یہ کیا تھا بھلا صاحب بھلا

آگ لینے کو جو آئیں تو کہیں لاگ لگا　　بی بی ہمسائی نے دی جیبیں مرے آگ لگا
نہ بُرا مانے تو لوں بیج کوئی مٹھی بھر　　بیگما تیری کیاری میں تیا ساگ لگا
شوق سے سونگھو لے انشا مرے یہ بالوں کی　　دے چنبیل خور کے ہونٹوں میں تو اک ناگ لگا

کمبخت ہے وہ کام دُگانا بہت بُرا　　صدقہ گئی تھی ہے بیز مانا بہت بُرا
دلسوز ہے وہ وامری پر اُس کا ہر گھڑی　　لگتا ہے انگلیوں کا نچانا بہت بُرا

تو تو آکٹی نہیں جا بیگی مرے عیبوں سے　　اری میں عیب بھری ہوں تو بھلا تجھکو کیا
نئی ڈھاکوں کی سی کھیتی کیطرح سے انشا　　ڈہڈہی اور ہری ہوں تو بھلا تجھکو کیا

مشک کی طرح سے گال اپنے پھلاتا کیوں ہے　　ارے او سقہ کے لونڈے تو نہ پانی چھلکا

کاپ رہی ہے جو یہ کیچڑی سی تہو کتیر جس سے　　اسکی ابتک نہ گلی دال نہ چاول کسکا
ہاتھ آیا سو ہتیلی سے ہتیلی ملتا　　چوٹھے اور بھاڑ میں جاوے یہ نگوڑا جسکا

میں ترے صدقے گئی اے مری پیاری مت چیخ — مت جگا نیند بھرے لوگوں کو واری مت چیخ
لگتی ہے چوٹ تو لگنے دے مسوس اور زوری — ایک دم کے لئے خاطر سے ہماری مت چیخ
چیخ چنگھاڑ مچاتی ہوئی انشا سے نہ مل — ہوں اب منتیں کر کے تری نا ری مت چیخ

جاڑا لگے ہے کھینچ لے مجھکو لحاف میں — پاجامہ یخ ہے برف پڑا اولا ازار بند
تقصیر کیا ہوئی تھی کہ انشا یہ رات کو — وہ کھچے وار آپ نے تو لا ازار بند
کیا بجھ گیا ہے آج کہ جسکے سبب ترا — ہے سخت جیسے لکڑی کا چیلا ازار بند
انشا کو اور اپنی نشانی نہ دیجئے — دیجئے تو اپنا میلا کچیلا ازار بند

ہے تو سہی اچھا یہ نکیلا ازار بند — لیکن کسی کا توج ہو ڈھیلا ازار بند

اے دگانا مجھے کشتی کھیلنے کا ہے گھمنڈ — تو کیا کر آج سے تو بھی بس اک کہیں ڈنڈ
جو پری مہندی لگا دے اسکے باندھے ہاتھ پاؤں — لوٹتی کیا کیا مزے ہے یہ موئی نشفتل ارنڈ

جو تجھے لوٹے سو الٰہی کرے — ہو ستے سوتے کو اپنے کھاوے پہاڑ
لوٹ جاوے کہیں یہ تیری چول — ارے اوبے سرے نگوڑے گواڑ
لے چل انشا مجھے کچھو رستے — یہ تو ہے مرد نام اسکا ہے تاڑ

بیگما نے جو کیا جھک کے سلام آ تو کو — آ غا مینا نے سنائی اسے یوں ہی آواز
پوتوں پھلنا تجھے اور دودھوں نہانا یہ نصیب — بیاہ ہو سو نیکے سہرے سے تری عمر دراز
بیگما جانا بڑی شرم کی ہے یہ بات — کہہ گئیں مجھ سے انشا کی تھا رہی نماز

بھیجدی اُن نے انگوٹھی مجھے فیروزہ کی — اسکے یہ معنی کہ ہیں تو ہیں خواجہ فیروز

گود پھولوں سے بھری میری دگانا شاباش — تیری کھیتی ہو ہری میرے دگانا شاباش
اوٹ میں اپنی دکھا دے مجھے اُس شخص کو آج — میں ترے صدقے اری میری دگانا شاباش
میری خاطر سے جو دکھ ہو تو پڑا ہو سہ لے — اور بھی ایک ذری میری دگانا شاباش

دوئی راہیل ہوگئی میں آج — گورے گورے ترے بدن پہ غش
یونہی میں غش ہوئی دگانا پر — راجہ نل جیسے تھا دمن پہ غش

باجی تم چاہتی ہو بندی سے جیسا اخلاص — اجی دو کواریوں میں تو ہے ہوا ایسا اخلاص
نہ بتولے مجھے دو یاں سے اوڑ بچھو ہو جاؤ — کس کو کہتے ہیں محبت اجی کیسا اخلاص

کب زنا خی مرے پاس آئی تھی کل رات غلط — مجھے اُس سے ہوئی کسطرح ملاقات غلط

شرط ہے رکھنا لحاظ اتنی کبھی مت ہو بے لحاظ — سانس مت بھراو دگانا چپ اری او بے لحاظ
ہوتے سوتوں سے کہو اپنے چہ خوش لے دوا سے چھڑے — دال سے ہو بہیاں میلا کہتے ہو کس کو بے لحاظ

نہیں جاتی کہیں مہمان مرے دل کا شوق — تمکو کیا اس سے دو اجان مرے دل کا شوق
بات چیت ایسی طرح کی مجھے آتی ہی نہیں — نہیں اسکا مجھے ارمان مرے دل کا شوق
ٹھٹھے مت دے مجھے ہاں ہاں اجی ہو جاتی ہے لیا — جان اور پوچھکے انجان مرے دل کا شوق
نہیں مت کرو انشا کی طرف سے او سپر — میں نہیں کرنے کی احسان مرے دل کا شوق

بڑائی میرے ٹھینگے پر خدائی رات میں میں نے
پڑے ایسے بہت سارے کڑہائی بیچ تل ڈالے
مجھے ڈر ہے بچھیڑا اک جو ہے تاکند سا پھرتا
مبادا اسے دداجی وہ کہیں تمکو کہندل ڈالے
غلیلہ پھر اسے گھڑیاں کا کیونکر نہ ٹھڑا دیں
نگوڑی باولی چڑیا مزے میں جو خلل ڈالے
دوگانا مدت میں جوبن کے بھری وہ وقت آپہنچا
کہ کوئی پھول اسکی گود میں کوئی لاکے پھل ڈالے
اری تو ایلی ہما پڑتی ہے مارے جھل کے اور نڈی
خدا ایسی کبھی دیدہ دلیں کیسے تو رج جھل ڈالے

ہزاروں دیو دنکو یا نکی پریوں نے پچھاڑا ہے
نہیں یہ لکھنؤ راجہ اندر کا اکھاڑا ہے
رضائی شال کی اوڑھ چلو ہم تم چھپر کھٹ میں
ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی آرہی ہیں خوب جاڑا ہے

میں نے جو سچ کہا کہ کل اُن کی رات کاٹی
تو اُن نے کس مزے سے میری بات کاٹی

یوں چونکا مجھ پہ کوئی رات کا جاگا جیسے
تم تو وہ چاہتے ہو سوئیں ہیں دہاگا جیسے
یونہی ہر بات میں بولا کرو سبکرؔ سُردا
ابھی آغا کو بہک کر کہا آ گا جیسے
ڈھال تلوار لیے لانگ چڑھا سے انشا
مجھسے یوں رات ملا ہو کوئی ناگا جیسے

اسے قربان کروں جو مجھے چھیڑے انشا
میری چھاتی جو چھوئے اسکی ہتھیلی جل جائے

پڑگیا نیل مرے گال میں کیسا ٹھہرا
ارے کمبخت نگوڑے ترے چھیڑ چٹکی
ہوگئی رات تو سسکی لو لہلہان لیے انشا
دیکھ میں چیخ پڑونگی نہ مرے لے چٹکی

چپکے دیتی کھول کنڈی لینا انشا کو بلا
ڈر کھلا کیا چاہیے دربان تو پکا تجھ

رات بھر اپنا ترستا ہی رہا جی باجی — ابتو نوبت بھی اکھوا بھی باجی باجی
اے لو اس کوٹھڑی میں ہیں پڑے رانے کیلئے — اک عبا اوڑھ کے بن بیٹھی ہے حاجی باجی

چبھتی ہے یہ نگوڑی مسلسن کی اوڑھنی — لا دے وہی دوا مجھے ململ کی اوڑھنی
بن سر ڈھپے ہوئے تجھے کیا چاہئے بھلا — بوٹے سے قد پہ اس بڑے آنچل کی اوڑھنی
کو سا جی دیکھو میرے دگا تا پہ کیا پھبی — پشواز اودی اور جلا گلبل کی اوڑھنی
انشا کے سو نگھنے کے لئے ان نے بھیجدی — جالی کی کرتی اور وہی ہلکی اوڑھنی

رباعیات

اے بی بی میں تابعدار بھائی تیرے — صدقے قربان جائے دائی تیرے
وہ چال نہ چل کہ نام رکھے کوئی — بے ڈول یہ ہیں ویسے ہوائی تیرے

ناحق ناحق مجھے جلاتی کیوں ہے — گھر میں مرے آگ لینے آتی کیوں ہے
آتی تو نہیں ٹھہرتی یہ رنجش ہے — بے فائدہ یاں تو آتی جاتی کیوں ہے

چھانٹا تو نکر عبث فضیحت ہوگی — آتو یہ سنے گی تو قیامت ہوگی
چالیں تو چھوڑدے نہیں تو ناحق — اک روز بڑی بری فضیحت ہوگی

انعام - یعنی جناب مولانا انعام صاحب گنگوہ شریف ضلع سہارن کے رہنے والے ہیں - حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ہیں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا ہے - عربی فارسی میں کافی دسترس ہے ظرافت نہایت خوب

فرماتے ہیں اور اسمیں اکبر کے رنگ کا اتباع کرتے ہیں اور اس میں نہایت کامیاب ہیں
آپ کے چند شعر دستیاب ہوے جن میں آپ نے سندھیوں کی مقروضیت کا خاکہ کھینچا ہے
ملاحظہ ہو۔

سندھیئے شلوار زر ہم سکۂ زرتار داشت ... باوجودش نالہ ہاے زار در اخبار داشت
گفتمش در عین وصل این نالہ و فریاد چیست ... گفت مارا قرضۂ بقال بر این کار داشت

سیٹھ اگر نشست با ما نیست جاے اعتراض ... ما لک ہمیان زر بود از گدایان عار داشت
بنگرید این تنگیٔ حال مسلمانان سندھ ... شیخ سندھی خرقۂ خود رہن ساہوکار داشت

حدیث از قرضۂ خود گو و راز کھیٹی کمتر جو ... کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معما را
من از آن سود در روز افزون کہ قرضہ داشت دانستم ... کہ قرض از کیسۂ سندھی برآرد پیسہ پیسہ را
فغان کین بنیاے شوخ دھوتی پوش شہر آشوب ... چنان بردند سود از ما کہ ترکان خوان یغما را
سمن دادی و خورسندم جزاک اللہ نکو کردی ... ہمین زیبد بہ رہن و قرضہ ہر بقال و بنیان را

غلام دھوتیٔ بقال تا جیدا را اشند ... خراب کھاتہ و بہی تو ہوشیار اشند
گزار کن چو صبا در دیار ہند بہ بیں ... کہ از تطاول بنیا چہ سوگوار اشند
ترا بیاج ہمہ آب دیدہ شد غماز ... وگرنہ قارض و مقروض رازدار اشند

انوری۔ محمد اوحدالدین نام تھا۔ ایران میں علاقہ ابیورد میں بدنہ ایک گاؤں ہے جو دشت کے مقابل واقع ہے وہی اسکا مولد و مسکن تھا۔ اس علاقہ کو خاوران بھی کہتے ہیں اسی مناسبت سے اوائل حال میں خاوری تخلص رکھا تھا۔ پھر اپنے اوستاد کی فرمائش سے

یہ تخلص بدل کر انوری تخلص اختیار کیا۔ مدرسہ منصوریہ طوس میں علوم کی تکمیل کی اور خصوصیت کے ساتھ علم ریاضی میں کمال حاصل کیا۔ اسکا پایۂ فضل و کمال اتنا بلند ہے کہ تذکرہ آتشکدہ آذر کے مصنف نے لکھا ہے کہ چار شخص ہیں جنکا جواب شعراء میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔ انوری۔ فردوسی۔ طوسی۔ نظامی گنجوی۔ شیخ سعدی۔ انوری ابتدا میں نہایت عسرت کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔ مگر تقدیر نے یاوری کی تو سنجر کے دربار میں رسائی ہوئی عرصہ تک وہاں رہا۔ اور ۵۲۳ھ میں سلطان احمد پیروز شاہ نے اسکو بلا لیا۔ اسکے بعد مختلف درباروں میں رہا۔ اور آخر کار بلخ میں پہونچا۔ چونکہ اسکی طبیعت میں قدیم سے ہجو گوئی کا مادہ تھا۔ اور اسی عادت کی وجہ سے اس نے ایک زمانہ کو اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ لہذا جب یہ بلخ میں پہونچا تو وہاں بھی لوگوں کی اور اس شہر کی ہجو کہی لوگ اس سے نہایت برہم ہوئے۔ بلکہ اصل میں مشہور یہ ہے کہ یہ اسکے دشمنوں کی کارروائی تھی تنوتی ایک شاعر تھا جس نے اسکے نام سے وہ ہجو کہکر مشہور کر دی تھی۔ مگر پھر بھی اسکا خمیازہ انوری ہی کو اٹھانا پڑا۔ اہل شہر اس قدر بگڑے اسقدر برہم ہوئے کہ انوری کو تختہ کلاہ کیا، اور اوڑھنی اوڑھا کر گلی کوچوں میں تشہیر کیا۔ بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ نوبت پہونچی۔ سچ ہے بد اچھا بدنام برا۔ لیکن قاضی حمیدالدین مصنف مقامات حمیدی کی سعی و کوشش سے ان کی جان بچ گئی۔ اسکے بعد انوری کچھ ایسا متاثر ہوا کہ اس نے تمام لغویات اور شعر و شاعری سے پرہیز کر لیا۔ اور آخر کار ۵۸۷ھ میں بمقام بلخ وفات پائی۔

انوری شعر و شاعری میں شہرۂ آفاق تھا۔ اسکے معاصرین میں کوئی اسکا مدمقابل نہ تھا۔ خصوصیت سے ہجو گوئی میں اپنے اقران و امثال میں سب سے زیادہ تھا۔ اسیوجہ سے ہزالی۔ اور ظرافت کی طرف بھی اسکا میلان طبع تھا۔ اور اس میں بھی اس نے وہ کمال حاصل کیا تھا کہ سوزنی۔ اور سعدی وغیرہ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسکی ظرافت، ہزالی۔ اور ہزالی فحش گوئی تک پہونچی ہے۔ مگر کمال ہر صورت اور ہر رنگ

ہیں ہے۔ ملاحظہ کیجیے کسی طویل القامت آدمی کی شان میں فرماتے ہیں۔

ای خواجہ درازیت رسیدہ است بجائے ... کز اہل سماوات بگوشت برسد صوت
گر عمر تو چوں قد تو بودے بدرازی ... تو زندہ بماندے و بمردے ملک الموت

روزے از بہر تماشا سوئے دشت ... چند زن بیروں شدند از مہتراں
چوں بصحرا ساعتے ماندند دیر ... چند خر دیدند در صحرا چراں
نر خرے بر مادہ خر رغبت نمود ... بر مثال عاشقاں با دلبراں
با عمودے یک گز و نیم آبنوس ... گاد نی میکرد بر رسم خراں
کہ فرو می برد گہ بر می کشید ... تیز می افگند و میکرد عاں عاں
زاں زناں یک زن آں گادن بدید ... بر کشید آہے و گفت اے شوہراں
گر جماع اینست کایں خر میکند ... بر کس ما می رسید ایں شوہراں

ز عیم خیرہ را ریشے است بر گرد دہن چناں ... کہ گوئی عنکبوتے بر کس گاوے تنیدستے
سرے دارد گل دہر جا موئے رستہ دو و ار ہم ... گمس گوئی براطراف کدوئے خشک پیدستے
بجائے ناف چوں مایہ درادل سر برید نش ... دریغا گر بجا ناف او رگ آں درید ستے

آنکس کہ جگر خورد و بہ مردمی ہنر آموخت ... در دور قمر گوبہ نشیں خون جگر خور
پیغام زناں می برد و بیابے بزر پوش ... یا مسخرگی می کن و حلوائے شکر خور

اوج۔ تخلص تھا عبد اللہ خاں نام تھا۔ دلی کے قدیمی باشندہ تھے۔ اور یہیں کی گلیوں میں پوری عمر گزاری تھی نہایت ہی کہنہ مشق بزرگ تھے۔ مگر خرابی اتنی تھی

کہ چاہتے تھے دنیا بھر سے نیا مضمون کہوں ۔ اس میں ایسے الجھتے تھے کہ ایک مصرع کہنے کیلئے گھنٹوں پہروں منہمک اور سرگرداں رہتے تھے ۔ پھر بھی وہ مضمون قابو میں نہ آتا تھا اور کچھ کا کچھ کہہ جاتے تھے ۔ جب شعر کہہ لیتے تو شہر کے باکمالوں کو جا کر سناتے ۔ اسوقت کے لوگ مہذب تھے کیونکہ آجکل کے بدتمیزوں کی طرح یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ منہ پر ایک لفظ بھی ایسا کہہ دیتے ۔ جس سے توہین ہوتی ۔ سنتے اور خوب واہ سبحان اللہ کا غل مچاتے رہ جاتے ۔ ذوق غالب وغیرہ سے پہلے کہنے والے تھے ۔ اس واسطے ان لوگوں کو وہ اپنے سامنے کا بچہ ہی سمجھتے تھے ۔ ادھر ان کا بھی یہ خیال تھا کہ اگر ایک کہنہ مشق بڈھا خوش رہا تو ہمارا کیا نقصان ہے ۔ اسی لئے ان کی مشیخت آبی کی باتیں سنکر یا یہ لوگ چپ ہو جاتے اور یا برابر داد دیتے ۔ مرزا غالب نے جب اردو کا دیوان تمام کر دیا ۔ تو آزاد مرحوم نے یہ شعر کہا اور مرزا غالب کو سنایا ۔

دیڑھ جز پر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب ۔۔۔ غالب آسان نہیں صاحب دیوان ہونا

مگر مرزا نے کہا کہ واللہ کافر ہیں یہ لوگ جو آپ کو استاد کہتے ہیں ۔ تم تو شعر کے خدا ہو ۔

ایسے ہی ایک مرتبہ کنور اجیت سنگھ نے حکیم مومن خاں کو ایک ہتھنی انعام دی ۔ چونکہ مومن مرحوم نجومی بھی تھے لہذا اسی کو خیال میں رکھتے ہوئے انھوں نے شعر کہا ۔

جھوٹوں میں وہ مومن مکاں لیتا ہے ۔۔۔ نجومی بنکے جو ہتھنی کا دان لیتا ہے

دلی میں شبیرن ایک بڑی نامی رنڈی تھی ۔ خدا نے توفیق جو دی تو گناہوں سے تائب ہو کر حج کو چلی ۔ ادیبوں کے استہزا کے لئے ایک مسالہ ہاتھ آیا یہ شعر کہا ۔

بجا ہے شبیرن اگر چھوڑ دلی حج کو چلی ۔۔۔ مثل ہے نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی

ان کے کلام میں ظرافت کا چٹخارہ اسی سے پیدا ہو گیا ہے کہ جو کچھ یہ کہنا چاہتے ہیں وہ کہا نہیں جاتا ۔ چنانچہ نمونہ کے شعروں میں آپ یہی بات پائیں گے ۔

ہیں مچھلیاں بہو و کی جبین پر شکن کے اندر ۔۔۔ الٹی ہے بہتی گنگا بھی بہون کے اندر

دنیا کے منقلب کا الٹا ہے کارخانا ۔۔۔ ہے مہر شمع وارثوں اس انجمن کے اندر

میں وہ ہوں نخل کہ ہے سلسبیل دریائی — مری ہے کشتی گل نارجیل دریائی

مجھے اترتی ہے گرد آسمان سے وحی — ہے راہبر خضر جبرئیل دریائی

میں کالا پانی پڑا اتنا چھانا ہوں ہر شب روز — زمین کا گز ہے مرا کلک میل دریائی

بنا ہے کنگرۂ خار میرا دشت حصار — مرا ہے آبلہ برج فصیل دریائی

چھا رہے مرا اک تار لنگر دم پر — مرے عمل میں ہے جرثقیل دریائی

میں اپنے کو پیچ کی ہوں موج میں بہا جاتا — حباب دار ہوں کوس رحیل دریائی

ہماری موج تلاطم سے آشنائی ہے — یہ آب شور ہے دیتا زفیل دریائی

ہے اوج مرد کمت دیدہ مردم آبی — نکال دیدۂ تر سے سبیل دریائی

وحشت مجھے زنجیر پہناتی ہی تھی اکثر — طفلی میں بھی ہنسلی مری جاتی ہی تھی اکثر

جب تھا زر گل کیسۂ غنچہ کی گرہ میں — بلبل پڑی گلچھرے اڑاتی ہی تھی اکثر

دم کا جو دمدمہ ہے باندھے خیال اپنا — ہے پل صراط ترییہ ہے کمان اپنا

طفلی ہی سے ہے مجھکو وحشت سرائے الفت — سم میں گڑا ہوا ہے آہو کے نال اپنا

کسب شہادت اپنا ہے کس کو یاد قاتل — سایچے میں تیغ کے بھر لیتے ہیں ڈھال اپنا

بہتا ہے جوش عشق شیریں پہ دشوں میں رونا — ہے آب شور گریہ آب زلال اپنا

اوحدی ۔ مولانا اوحدی کرمانی کے علاوہ یہ ایک دوسرا ایرانی شاعر ہے جو علم و فضل کے لحاظ سے اپنے زمانہ میں طاق تھا۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ اس لئے تھوڑے سے اشعار ظریفانہ جن میں اخلاق و نصایح بھی شامل ہیں پیش کرتا ہوں۔

عارفے شد بخواب در فکرے — دید دنیا چو دختر بکرے

کرد از وے سوال کاے دختر
بکر چونی یا بہمہ شوہر

گفت دریا کہ با تو گویم راست
کہ مرا ہر کہ مرد بود نخواست

ہر کہ نامرد بود خواست مرا
ایں بکارت ازاں بجاست مرا

پسرے با پدر بزاری گفت
کہ مرا یار شو بہ ہمسر وجفت

گفت بابا زنا کن وزن نہ
پند گیر از خلائق از من نہ

در زنا گر بگیردت عسسے
بہ بلا کو گرفت چوں تو بسے

زن بخواہی ترا رہا نکند
گر تو بہ گزاریش حیا نکند

از من وما درت نہ گیری پند
چند بینی دبار بینی چند

آں رہا کن کہ آب دہیمہ نماند
ریش بابا نگر کہ نیمہ نماند

فرج گور است اندراں لحدے
صحبت او عذاب ہر احدے

آلت شہوت تو کور افتاد
زندہ زاں بے کفن بگور افتاد

ایم آر بیگ - اودہ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ظریف تھے - جنکا تھوڑا سا کلام تو دستیاب ہوگیا - لیکن افسوس ہے کہ پورا حال نہ معلوم ہوسکا مجبوراً ایک غزل ہی پر اکتفا کی جاتی ہے - ملاحظہ ہو -

اٹھنے لگے جہاں سے تجارات سودیشی
لو ہونے لگی ہند میں برسات سودیشی

کیوں انکی حرارت سے نہ تغیر ہو پیدا
تا چرخ چمکنے لگے ذرات سودیشی

جب بھونکدیں یا دل میں لگا پانی برستے
ایجاد ہم ایسے کریں آلات سودیشی

یورپ کی نہ ملکی ہو نہ امریکے گیہوں
بنیوں کی دکانوں پہ ہوں غلات سودیشی

چوپایہ نہ لینگے کوئی یورپ سے کبھی ہم — ناگور کا ہو بیل تو ہو شان سودیشی

غلے کی بساط ایسی بچھے ہند میں گھر گھر — اک مشت سے یورپ کو کرے مات سودیشی (بکری)

سوڈا ہو کہ منگنیشیا سب چولھے میں جائیں — اب بیچیں گے عطار نباتات سودیشی

برسات بلا لیں گے ہم اشکوں کی جھڑی سے — آہوں سے اٹھائیں گے بخارات سودیشی

طاعون کا کھٹکا ہو نہ ڈر قحط کا اے پنچ — ہاں فکر رہا کرتی ہے دن رات سودیشی

باب بائے موحدہ

باپ ۔ مادھو رام نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں ۔ مکرمی قمر بدایونی ۔ اور جناب حکیم حافظ عبد الرحمٰن صاحب لکھنوی سے آپ کا کلام مل گیا ۔ لیکن افسوس ہے کہ حالات کچھ زیادہ نہ معلوم ہو سکے ۔ قمر صاحب ہی سے یہ لطیفہ سنا کہ باپ جب بدایوں کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے ۔ تو اکثر لوگوں سے نوک جھونک ہو جاتی تھی ۔ ایک مرتبہ مستقل حریف پیدا ہوئے اور اپنے ایک شاگرد کا دادا تخلص رکھا ۔ مشاعرہ میں جب اس شخص نے غزل پڑھی تو باپ کو بہت کھری کھوٹی سنائیں ۔ باپ ایک حاضر جواب آدمی تھے رہا نہ گیا یہ شعر موزوں کرکے اسی مشاعرہ میں سنایا ۔ روئے سخن اپنے خاص حریف کی طرف تھا ؎

وہ تیرے باپ ہوں دادا ہوں پردادا ہوں کوئی ہوں — مگر سب باپ کو تو باپ ہی اے یار کہتے ہیں

حریف پر ایک اوس سی پڑ گئی ۔ اور عرق شرم میں نہا گئے ۔

باپ کا کلام محض ظرافت کی حد میں ہے ۔ نہ اس میں اخلاقی نکات کے حل کرنے کی کوشش کی ہے اور نہ سیاسیات کا دخل ہے ۔ دیوان کا انتخاب کرکے یہ چند شعر درج کئے جاتے ہیں

ہر اک بات میں ادھی نے مار ڈالا — کوئی تجھ سے بڑھ کر نہ نانا نہ دیکھا

چرائیں بھی ہم گھاس بھی ہم لائیں — ہمیں یار تیری گدھیا نے مارا
غضب ہائے اُس بیت کا رو رو کے کہنا — مجھے آج چور کے بھیا نے مارا

چھڑا کر کمر بند کہنا کسی کا — تو کیا پھاڑ ڈالو گے لہنگا کسی کا
بہت آزمایا زمانے میں ہم نے — نہ رنڈی کسی کی نہ بھڑوا کسی کا

نہیں ہے ساتھ اے ہمراز میرا اور دشمن کا — میں اک اندھی یہ عاشق ہوں وہ شیدائی ہے گوری کا

دیکھو دل ڈر ہے مجھے اب یہ مری جاں دل کا — حال پوچھے نہ کہیں مجھ سے مری ماں دل کا

مری جاں قتل کے ملزم ہو تم محشر کا موقع ہو — ضمانت ہو نہیں سکتی مچلکا ہو نہیں سکتا
وہ کہتے ہیں مٹھائی دو تو وعدہ وصل کا کر لیں — چنے خالی کھلا دینے سے ایسا ہو نہیں سکتا
اسی ہفتہ میں سنتا ہوں کہ کچھ ہونے والا ہے — کہا نکا ناچ اُن سے صرف مجرا ہو نہیں سکتا

پوچھنے کیا ہو شب وصل میں کیا کیا ہوگا — آج تو کچھ بھی نہیں بعد کو جب ہو گا
گر چنے کھائے ہیں میرے یہ ذرا یاد رہے — آج وعدے پہ نہ آؤ گے تو پیٹنا ہو گا
شیخ کا جیب کہیں باپ ہوا ہے دھوکا — میرا سالا تو نہ ہو گا مرا سسرا ہو گا

جوتا نیا دھوتی کا پھیٹا ہے یار آج — شاید کہ ہو گیا کوئی عاشق نیا آج
جاتے ہیں میکدے کو تماشا بنے ہوئے — پیچھے ہے شیخ جی کے نئی لونڈیا آج

وہ آدھی رات سے ہی شب وصل چل دیئے
اس کا عذاب شہر کے مرغوں کی جان پر
دوزخ میں ہم پولس میں پڑا رات پہ جیل میں
کچھ تو کہو ملو گے مجھے کس مقام پر

ہے اُن کے وصل کا وعدہ تو کب؟ روز قیامت پہ
لگا بجو تیز کیا کی بانس پر یا بےبی چھت پر

جو دشمن ہیں ہمارے جنکو ہم اغیار کہتے ہیں
انھیں سب کو وہ اپنی ماں کا رشتہ دار کہتے ہیں

رقیب روسیہ کی کاٹ لینگے ناک جوتے سے
بلا سے ایک دو ہفتہ رہینگے گر بڑے گھر میں

عدو بکری کا بچہ ہے یہ آخر کھل گیا سب پر
کہا کم بخت نے جب بزدلی سے زیر خنجر میں
غلط خیال تھا میرا کہ وہ مری جان ہیں
نہیں ہیں جان مرے دشمنوں کی امان ہیں
تخت کی رات مری چھیڑ پہ جو ردستے مری
مجھکو یہ کہکے ڈرایا کہ خصم مار ہوں ہیں
ان کی منت پہ شب وصل انھیں چھوڑ تو دوں
وہ کہیں یہ نہ سمجھ جائیں کہ بیکار ہوں ہیں

اغیار ترے ماں ہیں بتا ہیں کہ چچی ہیں
کیا حق ہے انھیں کیوں ترا سر باندھ رہے ہیں

غیر کے وصل کو اب ہوتے ہیں کمرے خالی
غسل خانہ ترا لکھا تھا مری قسمت میں

جز میرے ترا بوسۂ لب جسنے لیا ہو
اللہ کرے چار مہینے کی سزا ہو
کسواسطے اس سے مجھے ملنے نہیں دیتے
تم حضرت ناصح کوئی رنڈی کے چچا ہو

میں نے دیکھا جو لنگوٹا مجھکو — دخت رز نے کہا لہنگا مجھکو
وصل کی بات پہ کرکیونکر خواہش — یار اب کہتا ہے ہیجیا مجھکو

گھٹتی ہو دشمنوں سے صبح و مسا تمہاری — یہ دیکھا دیکھی اسے دریا تمہاری
رندوں کی تم مذمت کرتو رہے ہو واعظ — اٹھکر خبر نہ لے لیں یہ سب چچا تمہاری

ہم بھی ترے صحن میں اغیار بھی ہیں آج — یہ دیکھنا ہے اب تری کھٹیا کدھر رہے
کہتے ہیں آج تیرے یہاں سو رہیں تو پھر — اماں سے کیا کہیں گے کہ کل کسکے گھر رہے

خدا کے لیے سر منڈا او مری جان — بہت بڑھ گئی ہے حجامت تمہاری

تاکہ مجھپہ فدا اور میں رنڈی ہے شمار — ایک کے گھر میں رہوں ایک مرے گھر میں رہے
پھر اگر غیر کھٹک جاسے تو اسکا ذمہ — آپ کو حکم وہ دیدیں کہ مرے گھر میں رہے

وہ جوتوں سے کی ہے مرمت کسی کی — کہ بن بن گئی ہے حجامت کسی کی
کوئی نیچری سانڈ پالے پڑے گا — علیگڈھ میں ٹھہری ہے نسبت کسی کی

سنا ہے دختر رز آپ کی ہمشیرہ ہوتی ہے — جبھی تو شیخ کی رندوں میں یہ توقیر ہوتی ہے

گر باپ میں نہیں ہے تو ماں میں قصور ہے — نطفے میں تیرے فرق مری جاں ضرور ہے

کہاں جا سکتے ہو اب مرے گھر سے — تمہاری تاک میں تھا سال بھر سے
ملا جو اُس نے قید کاٹی — ملا ہے جیل خانہ ان کے گھر سے
پھر آخر مجھ سے تم کیونکر ملو گے — خوشامد سے کہ جوتے سے کہ زر سے
عدو کیا مار ڈالے گا مری جان — خطا پیشاب کیوں ہوتا ہے ڈر سے

رنڈیاں طائر دل پھانس رہی ہیں چڑیاں — بیٹیاں ہونگی یہ دوزخ کے چڑیماروں کی
ہاتھ میں نیم کی ٹہنی ہے بغل میں جوتا — یہی پہچان ہے باپ انکے خریداروں کی

بزم عدو میں ہوں کہ جہنم میں جائیں آپ — جب میرے گھر نہیں ہیں تو چاہے جہاں رہیں

سیکڑوں کو وہ ٹانگ دیتے ہیں — ان کو پھانسی مگر نہیں ہوتی

کیا مزا آئے جو اغیار کے اوپر سر بزم — دھار پیشاب کی وہ ٹانگ اٹھا کر مارے

کل سنا تھا یار کا جلاب ہے — آج سنتا ہوں کہ رحلت ہو گئی

نیند کیسی سننے والے مر گئے — اے میں قربان ڈھولک کی تھاپ کے
نیم کی ٹہنی لئے پھرتا ہے دوست — یہ نتیجے ہیں پرانے پاپ کے

تاثیر دیکھئے مرے بخت سیاہ کی — معشوق بھی ملا ہے تو الٹا توا مجھے
کوہ ستم اٹھاؤں سہوں بار عاشقی — کیا اپنے جی میں جانتے ہو تم گدھا مجھے

جلائے بے خطا ہم کو تو اسکے آتشک نکلے — رولائے جو ہمیں ناحق تو بیاری ہو رقت کی

ترا دادا بزاخفش تھا باپ الو کا پٹھا تھا — پرانا خبطی ہے پر نہ کیوں ہو تجھ میں وحشت کی

تضمین بر شعر شہیدی

فضول مجھسے تو بدظن ہے اے بتِ گلفام — تری قسم نہیں کرتا ہوں میں کسی سے حرام
کھلا کھلا کے مجھے سیر سیر بھر بادام — پری اٹھی مرے پہلوسے یار ہا ناکام
فریفتہ ہوں ترے طرزِ دلربائی کا

براق - فرضی تخلص ہے مرے ایک دوست کا جو ضلع شاہجہاں پور کے ایک معزز رئیس اور کہنہ مشق شاعر ہیں اسوقت سن شریف تقریباً ۵۴ برس کا ہوگا نہایت بااخلاق زندہ دل یار باش اور وضعدار منکسر المزاج ہیں مجھسے کافی مراسم ہیں۔ لیکن باوجود اصرار بھی آپنے اپنا صحیح نام لکھنے سے مجھے منع کر دیا — واقعہ بھی یہی ہے کہ آپکے دیگر کمالات شاعرانہ کے سامنے ظریفانہ شاعری کا ذکر آپکے لئے کچھ موزوں اور مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ مگر میں جانتا ہوں کہ آپکا ظریفانہ کلام بھی بہت کچھ ہے - اور اگر مجھکو وہ سب کلام ملجاتا جو آپنے مختلف اوقات میں کیا ہے تو شاید ایک بڑے ظریف کا اس تذکرہ میں اضافہ ہو جاتا۔ مگر کیا کیا جائے - کہ ان چند اشعار کے سوا جو میں نے آپ کی زبان سے سنکر اپنی نوٹ بک میں درج کر لیئے تھے اور کچھ بھی نہ مل سکا۔ شعر یہ ہیں۔

محو دیدار ہر اک حرفہ دیکھنے والا ہوتا — تھتے لہنگے میں کمربند نہ ڈالا ہوتا

کل شب عجب خیال دل ناصبور تھا — لہنگا کسی حسین کا آغوش حور تھا

اُس طفلِ خشت پخت کی تھی خشمگیں نگاہ ۔ ایسی لگی تھی اینٹ کہ دل چور چور تھا
دشمن لپیٹ کے بھول گیا مثل نان جو ۔ شاید شکم شریف تمہارا تنور تھا
نارنگیوں سے بڑھ کے کچوں کی بہار تھی ۔ سینہ کسی کا باغچہ ناگپور تھا

جگنو کی چمک جالی کی انگیا میں نہیں ہے ۔ مرغِ دل سوزاں ہے تہِ دامِ ہمارا

برق ۔ اسم گرامی منشی جوالا پرشاد تھا قصبہ محمدی ضلع سیتاپور میں ۲۱ - اکتوبر ۱۸۶۲ء کو پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے وطن محمدی ہی میں پائی ۱۸۷۸ء میں ضلع کھیری میں انٹرنس کا درجہ اول میں امتحان پاس کیا اور وظیفہ مقرر ہو گیا تھا تا کہ ۱۸۷۹ء سے کیننگ کالج لکھنؤ میں تعلیم پا کر ۱۸۸۲ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا اور ۱۸۸۳ء میں وکالت کا امتحان پاس کر کے وکالت شروع کی ۔ ۱۸۸۵ء میں بعہدۂ منصفی مامور ہوئے اور اسمیں بہت کافی شہرت اور ناموری حاصل کی آخر ۲۶ مارچ ۱۹۱۱ء کو بعارضہ طاعون لکھنؤ میں جب کہ عہدہ جج خفیفہ پر متعین تھے انتقال کیا ۔

گو کہ آپ اسم با مسمی اور قدرتی نہایت ذہین اور ذکی واقع ہوئے تھے مگر پھر بھی آپ نے لکھنؤ کی زبان حاصل کرنے میں کافی کتب بینی کی تھی ۔ اور خصوصیت کے ساتھ یہاں کے بڑے بڑے زباندانوں کے ساتھ ملتے جلتے رہے ۔ منشی سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ سابق پنڈت تربھون ناتھ ہجر ۔ مرزا مچھو بیگ ستم ظریف ۔ منشی احمد علی شوق وغیرہ حضرات آپ کے احباب خاص میں تھے ۔ جب آپ لکھنؤ میں تشریف لائے اسی وقت سے اودھ پنچ میں نامہ نگاری شروع کی ۔ اسی سلسلہ میں متعدد ظریفانہ نظمیں لکھیں ۔ اکثر انگریزی ڈراموں کے لفظ بلفظ ترجمہ اس خوبی سے کئے کہ باید و شاید ۔ بنگلہ سے چار پانچ ناولوں کا اچھا

ترجمہ کیا کہ میرے خیال میں ہر ناول ان کے واسطے ایک شاہکار ہے۔ ردھینی۔ پرتاب
بنگالی دلہن۔ مارا ستین۔ مرنالنی۔ سب کے سب پیچیدہ دلچسپ سلیس اُردو کے ناول وہی
بنگلہ ناولوں کے تراجم ہیں۔ میں نے ان سب کو از اول تا آخر پڑھا۔ ہر ایک لاجواب ہے۔
مثنوی بہار آپ کی شاعرانہ مشاقی کی ایک زبردست سند ہے۔ ظریفانہ رنگ نظم و نثر میں
آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ ہم نثر کو بوجہ طوالت نظر انداز کرکے صرف بعض بعض نظموں پر
اکتفا کرتے ہیں۔ پہلے ایک مخمس ملاحظہ کیجیے جو فارسی کے اس پرانے اور فرسودہ مصرع پر
کہا گیا ہے ؎ اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند۔

کلاہ سیخ ٹرکی وا ایکا بر سر نمی ماند   ہمیشہ کوٹ و جاکٹ زیب تن زین پر نمی ماند
زمانہ بر یکے آئین اے تیجر نمی ماند   عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند
اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

برانڈی ہوا کہا در بوتل و ساغر نمی ماند   چنیں بید و چرٹ در دست دلبر نمی ماند
بیا ایں بوٹ انگریزی و فر بر سر نمی ماند   عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند
اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

چنیں اسپ دمریٹ بمیدان تا کجا تازی   ہمیشہ گیند و کرکٹ ہمچو طفلان تا کجا بازی
مزین وردیہ تا کے چنیں پتلوں نگہ سازی   عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند
اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

برانڈی تا بکے از ما گوا سے تیجری نوشی   لباس جاکٹ و پتلون بے کشکش چشم پوشی
بر ایں کرد لٹا ایں رسم لندن تا کجا کوشی   عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند
اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

کنی گمراہ عالم را بہ ایں پیچ زبوں تا کے   بہ سر فرعون نمودن آنچنیں خبط جنوں تا کے
نمودن بول استادہ بشکل سگ کنوں تا کے   عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر مانند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

خوری تا چند مرغ سر بریدہ راہ دین غیبت   چراے رہنمائی از دلیل خویش حیرت
خروشی نالہ اے تیجر بدین عقل و برین ہمت   عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر مانند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

بجاے سنگ اسود پشت بیلی را بہ بوسیدن   بوقت گیند کرکٹ بید ہرک بیتاب گردیدن
چو قرآن و حدیث ای تیجری انجیل را دیدن   عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر مانند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

تو گوئی ذکر ایزد را کہ ہست آن خالق بیچون   کبوتر چون بکا یک قہقہی سازد شتر غوں غوں
نہ سیل زاد و دارا و تو بہ کن از دین اکنون   عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر مانند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

نظر پڑا ایک پیر نیچر نرالی سج دہج تھی ادا کا   جو عمر دیکھو تو سو برس کی یہ تھر وا قت غضب خدا کا
سفید داڑھی پہ کالا جوتا اور اسپر طرہ وہ سرخ ٹوپی   یہ نیچر کا کنٹھا گلے میں پٹی سی عالم اسپر ہے اک بلا کا
ہیں باتیں اسکی وہ سحر افسوں کہ سن لیں جسنے ہو وہ مفتوں   غضب کے فقرے ستم کے جملے اور اسپہ طرز بیان بلا کا
بہت دنوں تک کئے کرشمے طرح طرح کے دکھائے نخرے   خدا کے بندونکے دین و دنیا کو خوب لوٹا غضب تھا اسکا

ایک مرتبہ دکن کے قحط پر ایک مرثیہ عجیب طرح کا لکھا تھا جس کے دو تین بند لکھتا ہوں۔

ملک دکن پہ قحط کی یار و چڑھائی ہے   چاروں طرف سے فوج تبہ کار آئی ہے
محتاج خانوں میں بھی خدا کی دہائی ہے   کالی گھٹا سی بھوک ہر اک سمت چھائی ہے

پھرتی امید وار ہوں خواہش ہے کام کی
آدھ سبیل رکھی ہے کنگلوں کے نام کی

آئی گھٹا سی ریل بہت تھے امیدوار   اٹھی بلا کی فوج کہ منہ جیسے چار چار
پہنچے یار اور بھاگ کے سب سوار   آتی تھی ہر طرف سے صدا بس بیار بیار

چہروں پہ چھریاں تھیں وہ پلکیں اڑی ہوئی
سمت جنوب سب کی تھیں باگیں مڑی ہوئی

اک در کھپا اٹی کہ اللہ کی پناہ اور بچے وہ انگریکے کہ بھئی واہ وا واہ
چھوڑے آشکار کہ پیسو تپہ ہے نگاہ اسے نہ کچھ خیال کبھی کو خلق ہو تباہ

بگڑے ہوؤں کو اور بگاڑیں یہ زور تھا
مارا بدہ بدہ کا ہر اک سمت شور تھا

بحر طویل کہنے پر آئے ہیں تو انشا اور مصحفی کو مات کر دیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے

دوش رفتم سوے بازار۔ کسے یافتم عیار۔ نہ بہر قید سبکبار۔ بہ تز دیگر گرفتار۔ نہ خود رفتہ دسر شاد۔ سگکا چیز چور ہوار۔ تنش چوں تن زنبور۔ سیہ خال رخ حور۔ مثال شب دیجور۔ سیہ کوٹ پتلون بدن شستہ ز صابون۔ رخش زرد۔ دلش سرد۔ تن و جان ہمہ گرد۔ نہ از صاحب ایمان، دلے بندۂ شیطان۔ نہ ہندو نہ مسلمان۔ نہ از قوم نصاریٰ۔ دو دو ہر سمت بقصد شوق گہے تحت گہے فوق۔ گہے استاد و شاشید۔ گہے جست و سرائید۔ گہے ٹھوکر بیٹی گہے یار گہے کانی شمپین و برانڈی۔ گہے بیر و کلارٹ گہے پاٹ گہے جاکٹ۔ گہے شیرے و گہے رم۔ گہے کبھی گہے تم ہمیں فکر بہر دم۔ کشتہ حرص و ہوا را۔ گفتم اے ہمسر فرعون۔ چرا می شدی ملعون۔ کہ نیست چہ یارت۔ چہ بود آخر کارت۔ ایں وضع کدام است کہ داری۔ چوں شدند خرد عاری شیشۂ تنگ شکستی۔ در دانش بچہ بستی۔ تو ئی دیوانہ و مدہوش۔ رہ عقل فراموش بشر علم و ادب دور۔ بہ سے گمرہی مخمور۔ بگو نام و نشانت۔ شوم آگاہ بجانت۔ مکن دیر خدا را۔ گفتہ عدوے ناموس۔ بر وڈام بگر لوس۔ تم آدمی ہے کالا۔ یو ہو کالا لالا۔ سن صاحب لوگیم۔ فدائی لبس میم۔ صاحب پلپلی نام۔ بجہاں شہرۂ عالم۔ زرہ مزم تو چہ دانی۔ کہ نا قابل آنی۔ بزنم ٹھوکر و تھپڑ۔ اٹھو گدا میر شکم روسے شما از گفتم اے صاحب اوصاف۔ مزن بیہدہ بین لاف۔ بہ بیں روسے سیہ خویش

بند آئینہ در پیش - مشو طائر نقال بزن مفت پر و بال - بجز ایک شے وہم کلیک - یکن ترک رہ نیک - بشو پیر و حسنات - برست از مزخرفات بہ بیں صدق و صفا را -

---

بزمی - مرزا محمد اشرف صاحب بی - اے خلف جناب محمود اشرف گورگانی کا تخلص ہے - آپ نہایت قابل اور نیک مزاج ہیں مرزا ارشد دہلوی گورگانی کے شاگرد ہیں بے حد شوخ اور بلا کے ذہین ہیں - آپ کی ظرافت شعر میں اس درجہ تک ہوتی ہے - جسے انبساطی شاعری کا انتہائی رنگ کہہ سکتے ہیں - صرف ہزالی اور محض ظرافت کہیں نہیں ہے - بلکہ اس رنگ انبساطی میں یہ بھی خیال رکھتے ہیں کہ کہیں تغزل سے علیحدہ نہ ہو جائے چنانچہ چند اشعار درج کئے جاتے ہیں - مگر یہ کلام ابتدائی ہے - اسوقت کا کلام موجود نہیں -

شیخ نے جانے کیوں کی توبہ — مے سے اچھی کب تھی توبہ
کعبہ گرا یا اور بتخانہ — گھر گھر جھانکی میری توبہ
واعظ کر لو گرمی گرمی — ساون آیا ٹوٹی توبہ
آخر زاہد کا بیٹی تھی — رند دل میں کیا ٹکتی توبہ
میری صورت دیکھی آئی — سیرت دیکھی بھاگی توبہ
مولوی صاحب کیوں کہ کرتے — ادن کی روٹی تھی بی توبہ
میں اور ایسا کام کروں گا — توبہ توبہ کیسی توبہ
واعظ اب تو جاڑا آیا — کسکی توبہ کیسی توبہ
اوری بندے ہی جو ٹھہرے — آ گئی دل میں کر لی توبہ
واعظ اپنا دل تو دیکھو — یونہی خالی خولی توبہ
دیکھو بزمی اب بھی کر لو — کام وہاں پر دیگی توبہ

بسمل - میر حسن نے اپنے تذکرہ میں ان کا نام گدا علی لکھا ہے اور ایک دیگر نام نقل کرکے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے زیادہ بلند شعر اُن کے اور نہیں دیکھے گئے۔ میر تقی نے لکھا ہے کہ بسمل تخلص ایک شخص کا شہرہ پہلے سنا تھا اُسو تت تک میں نے یہ تذکرہ نہیں لکھا تھا۔ اب خدا معلوم کہاں گیا۔ بہرصورت میر حسن نے جو شعر لکھے ہیں انھیں میں سے دو ایک شعر منتخب کرکے لکھتا ہوں۔ میرا قیاس ہے کہ میر حسن نے جس کے ان شعروں کو بلند لکھا ہے اُس کے وہ پست شعر جنکا انھوں نے ذکر نہیں کیا خدا معلوم کیسے ہوں گے۔ کاش ہوتے تو لکھتا۔

جیسا کہ دیمک کی فوج چلتی ہے   زلزلے سے زمیں دہلتی ہے

دیکھ لو تم بھی کرکے سراغ   مرے سینے میں دیمکوں کا داغ

ذرے کے دام میں نہیں خورشید   دیمکوں نے اسے کیا ہے تمہید

ڈرسے دیمک سے وہ جو بیچ تا سا   یاں تو اب کسکے خمیو خم ہے بال

لنگی زیر دنگلکے بال   نے غم دزد و نے غم کالا

بسمل - ایک رسالہ میں آپ کی ایک غزل نظر سے گزری تھی۔ نام و مقام بھی لکھا تھا مگر حافظہ نے صرف تین چار شعر یاد رکھنے پر اکتفا کی نام وام سب بھول گیا شعر یہ ہیں۔

طبیب را اگر علاج میخواہی   طلب وصل مہ سرانی کن

در شب وصل می پڑد جاڑا   یک لحاف است ایچیا تانی کن

بنیں کم شعر میدہ بسمل   از کھلی و بنولہ سانی کن

بسمل - تخلص ہے مولوی فتح الدین صاحب مرحوم کا۔ آپ پنجابی اخبار نویسوں میں ایک امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ اور نہایت ذکی و ذہین تھے۔ نوبت تک

پنجاب پنچ لاہور کے ایڈیٹر رہے۔ اور برابر ظرافت کے نظم و نثر مضامین لکھتے رہے۔
ظرافت میں آپ کو درجہ کمال حاصل تھا۔ ۱۹۱۵ء میں بعارضہ تپ انتقال کیا۔ کلام
تلف ہو گیا صرف ایک ظریفانہ سیاسی نظم مل سکی جو درج کیجاتی ہے۔ غالباً سابق
جنگ افغانستان کے وقت لکھی ہے۔

کابلی برسر پیکار ہیں لو اور سنو — ان کے اب موت کے آثار ہیں لو اور سنو
جن کے صدقے سے پلے اور ہوئے اتنے بڑے — ان سے بھی لڑنے کو تیار ہیں لو اور سنو
شاہ بخشیانہ تو ادرک نہ مصالح موجود — سونٹھ کی گانٹھ پہ عطار ہیں لو اور سنو
دو قدم گو نہیں چل سکتے مگر اسپ بھی — جنگ میں چلنے کو تیار ہیں لو اور سنو
ہم ترے مولوی تھے آج طفیل سرکار — شیخ جی صاحب اخبار ہیں لو اور سنو
جیب میں نالے پڑے رہتے ہیں پیسے کے بدام — آج ہم غیرت تاتار ہیں لو اور سنو

بقا۔ شیخ بقاء اللہ خاں نام تھا۔ اکبر آباد کے رہنے والے تھے۔ حافظ لطف اللہ خاں
خوشنویس کے بیٹے تھے میر اور سودا کے معاصر تھے۔ مگر دونوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اردو
میں شاہ حاتم اور فارسی میں مرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے۔ مولوی عبدالغفور نساخ
مرحوم نے اپنے تذکرہ سخن شعرا میں انھیں غلطی سے میر درد کا شاگرد لکھا ہے۔ یہ صحیح
نہیں ہے۔ پہلے ان کا بقا تخلص نہ تھا بلکہ غمگین لکھتے تھے پھر نہ معلوم یکایک کیا جی میں
آئی کہ اس تخلص کو چھوڑ کر بقا بن گئے۔ آخر میں ترک وطن کر کے لکھنؤ آگئے تھے۔ یہیں
میر اور سودا سے معرکے ہوتے تھے۔ اسی بنا پر انھیں ہجو کہنے کی ضرورت پڑ گئی تھی
چونکہ خوشمذاق ظریف الطبع تھے۔ اس لئے انہیں ظرافت کا رنگ پیدا کرکے نئی روح
پھونک دیتے تھے۔ میں بہت مہذب ہجووں کے دو چار شعر لکھتا ہوں۔
ایک مرتبہ میر تقی میر نے یہ شعر لکھا۔

دے وں گئے کہ آنکھیں ندیاں سی بہتیاں تھیں — سو کھا پڑا ہے اب تو مدت سے یہ دوآبا

بقا نے بھی یہ شعر سنا گمان پیدا ہوا کہ میر صاحب نے سرقہ کیا اور میرے ان
دونوں شعروں سے یہ دوآبہ کا مضمون اڑا لیا۔

ان آنکھوں کا تنت گریہ دستور ہے — دوآبہ جہاں میں یہ مشہور ہے

سیلاب سے آنکھوں کے رہتے ہیں خرابی میں — ٹکڑے جو مرے دل کے بستے ہیں دوآبے میں

بس پھر کیا تھا بگڑ گئے اور ایسے بگڑے کہ یہ قطعہ لکھ ڈالا۔

میر نے گر ترا مضمون دوآبے کا لیا — اے بقا تو بھی دعا دے جو دعا دینی ہو
یکجا میر کی آنکھوں کو دوآبہ کر دے — اور بینی کا یہ عالم ہو کہ تر بینی ہو

اس کے بعد غالباً میر صاحب سے اور ان سے چل گئی ایک اور قطعہ کہا۔

میر صاحب پھر اس سے کیا بہتر — اسمیں ہو وے جو نام شاعر کا
لیکے دیوان پکارتے پھریے — ہر گلی کوچے کام شاعر کا

ایک جگہ میر اور مرزا دونوں کو لے ڈالا ہے فرماتے ہیں

میر و مرزا کی شعر خوانی نے — بسکہ عالم میں دھوم ڈالی تھی
کھول دیوان دونوں صاحب کے — اے بقا ہم نے بھی زیارت کی
کچھ نہ پایا سوا اسکے سخن — ایک تو تو کہے ہے ایک ہی ہی

تھے ہم استادہ ترے در پہ و لے بیٹھ گئے — تو نے پایا بقا اٹھ نہ سکے بیٹھ گئے
آئینہ دیکھ کے کہتا ہے کہ اللہ رے میں — اسکا میں دیکھنے والا ہوں بقا واہ رے میں

ان اشعار کے سوا اور ظریفانہ شعر دستیاب نہ ہو سکے۔

مبتلائی - اودھ پنچ سابق کے کوئی نامہ نگار ہیں - ۶ - اپریل ۱۹ء کے اودھ پنچ میں آپ کا یہ نوحہ - اس مختصر دیباچہ کے ساتھ درج ہوا تھا -

نوحہ رقت و خجالت افزا حسن اتفاق سے نوحوں - سوز دل - مرثیوں کی فصل - رونے رلانے کی بہار ہے چنانچہ بالفعل اپنی مسرتوں آرزوؤں کے قتل و کشتہ ہونے بلکہ مرے دل سے پوچھیے تو شہادت پر ایک نوحہ حسب حال عرض کیا ہے کیا عجب تو کل سلف گورنمنٹ اور اس محرم کے اجتماع میں یہ نوحہ ہندوستانیوں کے بہت سے دلوں میں رقت پیدا کرے -

چنگی کا میں حاکم تھا بہ الطاف الٰہی - ہے ہے مری شاہی
کرتا تھا میں ہنٹوں کی بڑی پشت پناہی - ہے ہے مری شاہی

افسوس عجب طرح کی آئی یہ مصیبت - ذلت ہوئی ذلت
چنگی کی حکومت گئی آ پہونچی تباہی - ہے ہے مری شاہی

کرتا نہیں اب وہ صفائی مری عزت - یہ کیا ہے بغاوت
مہری پہ حکومت ہے نہ تالی پہ الٰہی - ہے ہے مری شاہی

یاری سے ہوا نام مرا بورڈ سے خارج - اب دے دیا چارج
بیکار ہی بیکار لگی منھ کو سیاہی - ہے ہے مری شاہی

یہ سچ کیا ضبط تو تپ آگئی مجھکو - اے میرے محبو
خون تھوکا جو بھائی نے تو وحشت آئی - ہے ہے مری شاہی

اک بھائی کے دلبر تھے لگے تیر سے چلنے - لگا تیل سا ڈھلنے
جب بورڈ میں چلا نکی ہوئی میری منا ہی - ہے ہے مری شاہی

کمبخت مجھے تحمل ذرا راس نہ آیا - غیرت کو گھٹایا
کالا ہوا منھ پڑ گئی قسمت کی سیاہی - ہے ہے مری شاہی

سنئے تو بہت چاہا رہے ممبری قائم - ہو بلکہ وہ دائم
قسمت ہی بری تھی کہ خدا نے نہیں چاہی - ہے ہے مری شاہی

میٹنگ میں تو سب ووٹ مخالف مرے آئے - غیروں کے سکھائے
دیکھا جو یہ جھکے سے ہوا گھر کو میں راہی - ہے ہے مری شاہی

سب ایک ہوئے اور اکیلا مجھے رکھا - فریاد خدایا
رو رو کے میں دیتا رہا گو تیری دہائی - ہے ہے مری شاہی

وقت آیا جو اسکا کریں میری اعانت باقی رہے عزت
منھ پھیر لیا یاروں نے الفت نہ نباہی - ہے ہے مری شاہی

تھا ممبر [illegible] ہمیشہ ہی ہوا ہے - آخر کو جھٹکا ہے
لی دو دنگی میں نے تو لگی منھ پہ سیاہی ہے ہے مری شاہی

بلیغ - محمد نثار الحسن نام ہے - مین پوری کے رہنے والے ہیں - زمانۂ حال کے ایک

خوش فکر ظریف شاعر ہیں - اردو و فارسی دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے ہیں - مجھے اردو کا کلام نہیں مل سکا فارسی کے کچھ شعر بہ رنگ ظرافت میں ملے جو نمونہ کلام میں درج کرتا ہوں -

ہزاراں حسرت تا قرجام برایں ہمت عالی — کہ من مرغوبۂ خود را در آغوش دگر دارم
چو دستم شد حمائل گفت آں نازک مزاج من — بترس از من کہ یک خونخوار خنجر در کمر دارم
خوشا روزے کہ آں پرخور آید در کنار من — بسا خربوزہ و تربوز دارم نیشکر دارم
بلیغ بالغ بلغو بلاغت صرف کن اینجا — کہ ہر اہل بلغ گوید کہ من سوے نظر دارم

بلبلے - یہ مافوق العادت والفطرت تخلص پنڈت رام نراین صاحب شیدا کا ہے آپ فرخ آباد کے رہنے والے اور زمانہ حال کے ظریفوں میں ہیں - علمی قابلیت کی بابت اتنا ہی معلوم ہے کہ اردو لکھ پڑھ بھی نہیں سکتے - ہندی خط میں غزل لکھتے اور پڑھتے ہیں - بعض بعض شعر اچھے کہتے ہیں بد قسمتی سے مجھے صرف ایک ہی غزل مل سکی جو انتخاب کرکے درج کرتا ہوں -

یار کے گھر دعوت شیراز کی تدبیر ہے — دیگ میں دیکھا تو بس کفگیر ہی کفگیر ہے
واے قسمت میرے نسخہ میں یہ قم انجیر ہے — چارہ گر اتنا نہ سمجھا عشق کی تخمیر ہے
غنقذ زنداں میں ہمیشہ چھپتا ہوں وا اخلیط کے — دخت رز ہے تو رہتی یار کی تصویر ہے
ہر ازل سے ہی یہ دیوانوں کے رہنے کا مقام — تجھ کو کیا اے قیس تیرے باپ کی جاگیر ہے
ایک مکتب میں پڑھے اور ایک ہی استاد سے — بس اسی رشتہ سے لیلیٰ قیس کی ہمشیر ہے
اے بلبلے مر اپنے فن پہ کیوں نازاں نہ ہوں — مضحکہ انگیز شہرت میری عالمگیر ہے

شہدریہ - عجیب و غریب تخلص ہے کسی نامہ نگار اودھ پنچ سابق کا جس کے

لفظ لفظ سے شوخی ٹپکی پڑتی ہے - ایک نظم جو ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے - وہ لکھکر حضرت بندریہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ چند شعر حضرت سعدی کے تتبع میں کہے ہیں - گویا مصرع طرح یہ قرار دیا گیا ہے - ہمچناں از طویلۂ خر بہ -

دست خالی ز کیسہ پُر زر بہ — بد نمائی بحال خوشتر بہ
از ہمہ ارزلاں بور و بین — پایۂ ہندیاں فراتر بہ
من بہ کعبہ روم ز ترکستان — از رہ مستقیم چکر بہ
ایلچی ہم بکار می آید — خر عیسی بحال خود خر بہ
وضع خوشش اختیار باید کرد — ریش کوتاہ را کلاں سر بہ
تا نہ گردن کنند پیا لیشں — خاکساری شما را احقر بہ
ہیچکس خواب را نمودے نیست — نو بود خواہ کہنہ چھپر بہ
قند زنگی ز نیشکر آید — چوں شکر سیہ ہر چقندر بہ
مفلسانیم در بساط حیات — اسپ اگر نیست مہرۂ خر بہ
خرس روسی و شیر جاپانی — جان بلی چون غزال اصغر بہ
ایشیا فتح کرد یورپ را — ایں چنیں ذکر عیش اکثر بہ
چیست مردی زمانہ انگریزی — تیغہا در نیام خنجر بہ
چوں یکے اہل فارس شعر شنید — ہنسکے گفتا کہ اور خوشتر بہ

بو اسحاق اطعمہ ایک نہایت مشہور و معروف ہزال اور ظریف تھے جنکی نسبت معلوم ہوا ہے کہ عہد محمد شاہی کے اوائل میں دہلی میں تھے - اور اس زمانہ کے دستور کے موافق ایک بہت بڑا مکتب قائم کر رکھا تھا - جس میں اس وقت کے بڑے بڑے شرفا کے بچے تعلیم پاتے تھے - چنانچہ میر جعفر زٹل بھی انھیں کے ایک ہونہار

شاگرد ہیں - میر صاحب اور ابواسحاق کے متعلق چند لطائف بھی مشہور ہیں جو بجنسہٖ درج کرتا ہوں -

ابواسحاق چونکہ خود بدرجۂ اتم شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے - اس لئے جب شاگردوں کا رجحان اس طرف دیکھتے تو بہت خوش ہوا کرتے تھے - ایکدن اپنے شاگردوں کو کچھ شعر سنائے - میر جعفر زٹل نے غور سے اُن اشعار کو سنا اور جی چاہا کہ خود بھی کچھ کہیں - مگر ابتدائی رکاوٹیں اس شوق کے پورا ہونے میں مانع آئیں خاموش ہو کر بیٹھ رہے پھر کچھ جوش پیدا ہوا تو کچھ شعر کہے استاد نے دیکھا کہ ان سے تو اور مذمت ہوتی ہے میر صاحب کو بہت ڈانٹا - چونکہ شعر قابل اندراج نہیں ہیں اس لئے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں -

ایک مرتبہ ابواسحاق کی بیوی کو شامت اعمال سے بخار آگیا - مولویوں کا زور بچوں پر ختم ہوا کرتا ہے - یہ جناب اس عالم پریشانی سے بہت ہی چڑچڑے ہو رہے تھے شاگردوں کو بات بات پر مارنا شروع کیا لڑکوں میں صلاح ہوئی اور جعفر زٹل سے کہا کہ آج مولوی صاحب کی شان میں کچھ لکھو - جعفر کو یہ فرمائش پوری کرنا پڑی اور بھوت بڑارا نامہ جو ابتک انکی کلیات میں ہے لکھ ڈالا جس کے ابتدائی بند یہ ہیں -

درد پڑھ نادِ علی راکش و بیتال کو باندھ
درد پڑھ نادِ علی جن و گرولال کو باندھ

درد پڑھ نادِ علی پھیر و گھڑیال کو باندھ
درد پڑھ نادِ علی بھوتوں کے سرپال کو باندھ

درد پڑھ نادِ علی بے خرد چال کو باندھ

ہو پلید سے باہر تو اسے چھوڑ کے چل جا
باندھ کو نکا قسمت بھاگ مرے آگے سے ٹل جا

گر اور کسو آدم و حیواں پہ عمل جا
آ تو بھی کہاں مان شتابی سے نکل جا

بسم اللہ و الحمد کی برکت سے نکل جا
یا شیشے میں ہو بند و یا آگ میں جل جا

چونکہ ابواسحاق اکثر اپنی ظرافت میں صرف مزے دار طرح طرح کے کھانوں کا

زیادہ ذکر کیا کرتے تھے اس واسطے اِن کے نام کے ساتھ اطعمہ بھی شامل ہو گیا تھا
اِن کا کلام بہت تھا مگر اب کمیاب ہے۔

من آن نیم که ز حلوا عنان بگردانم — که ترک صحبت شیرین نه کار فرهاد است
کسے بجو هر یکدانه نخود نه رسد — که قفل حقهٔ کیسا بپا چه گشاداست
دگر مگوے که نان نو عروس غره ماست — که این عجوزه عروس هزار داماد است
نوشته است ز روغن بچهرهٔ حبشی — که این سیاه زبان زعفران آزاد است
چه می بری لبے کاسه لیس بر سنجاق — بسنج زرد و عسل روزی خدا داد است

به پشیم در سحرگاهاں گر آری صحن لعبرا را — ببوے نیکوش بخشم سمرقند و بخارا را
کباب آهوے فربه گر داری غنیمت داں — کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلا را
جمال برهٔ بریاں و حسن دنبهٔ فربه — چناں بردند صبر از دل که ترکاں خوان یغما را
چه آرائی بمشک و زعفران رخسار فالوده — برنگ و بوے خال و خط چه حاجت روے زیبا را
بگو سنجاق وصف خوشهٔ انگور مشقالے — که بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

نمی گردم ز ذکر قلیه حسنا لی — بشکر بورقم فی کل حال
سحر برخیزم از بهر هریسه — ومن طلب العلی سهر اللیالی
درون رشتهٔ آں خورشید شلغم — کأن الشمس فی جوف اللیال
چو از هم میدرم مرغ مسلم — فما ادری یمینا عن شمال

بوبکسا ایک بیاض قلمی میں بوبک بڈھانوی کے نام سے چند شعر گزرے۔ اونام
و حالات وغیرہ کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ میں اپنے قیاس کی بنا پر کہتا ہوں کہ یہ شاید بڈھانہ

ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ہوں گے - ان کے جسقدر شعر ہیں بڑھاپے کی مذمت میں ہیں یا بیوی کی شکایت ہے جو سننے والے کو ہنساتی بھی ہے اور رولاتی بھی ہے - اغلب کہ بوبک نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں شادی کی ہے اور اس کا خمیازہ اٹھانا پڑا ہے - ظلم و ستم سے چیخ اُٹھے ہیں - وہی شور وہی ہائے واویلا پیدا کرکے موزوں بنی ہے اور شاعری بنکر رہ گئی ہے - اگر یہی بات ہے تو بوبک تخلص بہت ہی موزوں ہے - کریما کے بعض بعض مصرعوں پر مصرع لگائے ہیں بعض کو تضمین کیا ہے - ان کے اکثر اشعار متانت اور سنجیدگی سے دور ہیں - اسی لئے اُن کو نظر انداز کرکے ہم چند ظریفانہ شعر نقل کرتے ہیں -

جب دانت گرے اور بڑھی بالوں کی سپیدی　　شوہر کی جگہ کہتی ہے جورو مجھے گیدی

ہوئی پیری کے ہاتھوں ہمت پست　　گرتے پڑتے ہیں جیسے کوئی مست
کبھی نزلہ کبھی زکام اور دست　　خوے بد در طبیعتے کہ نشست
نرود جز بوقت مرگ از دست

بڑھاپے میں کیوں بیاہ ہم نے کیا　　کریما ببخشائے بر حال ما
کہا کر یہ جورو سے اے بوالہوس　　نداریم غیر از تو فریاد رس
یہ کہتی ہے جورو ہمیں برملا　　کہ ہستی اسیر کمند ہوا
وہ بولی جو ہم نے اشارا کیا　　نگہدار مارا ز راہ خطا
میں کہتا ہوں اس سے کہ اے جنتا　　خطا درگذار و صوابم نما

لڑیں وہ عروسی کی شب رات بھر　　کبھی مارے گھونسے کبھی پٹکا سر
بنایا کبھی مجھکو اپنا پدر　　تو میں نے کہا اس سے تنگ آن کر
تکبر مکن زینہار اے پسر　　کہ روزے ز پیشش در آئی بسر

بوم ۔ شیر محمد خاں نام ہے ۔ ہاپوڑ ضلع میرٹھ کی تحصیل میں چپراسی ہیں ۔ متین کلام میں فوق تخلص کرتے ہیں اور ظرافت میں بوم ۔ چودہ پندرہ برس پہلے میں بھی ان سے ملا تھا اسوقت کچھ زیادہ مشہور و معروف نہ تھے ۔ مگر اس زمانہ میں ظرافت کی بدولت اچھا خاصہ نام پیدا کر لیا ۔ اکثر ان کی ظرافت فواحشات کی حد تک پہونچ جاتی ہے ۔ چونکہ خود بھی اسی قسم کے آدمی ہیں اس لئے زیادہ تر کلام کی بنا بھی اسی طرح کے انداز کلام پر رکھتے ہیں ۔ اب سنا ہے کہ میخواری اور عیاشی میں پھنسکر کچھ غبن وغیرہ کیا اور اُس کی بدولت زندانِ فرنگ کی ہوا کھا رہے ہیں ۔ ان کے شعر جو ظرافت کی حد میں ہوتے ہیں نہایت دلچسپ اور قابل انتخاب ہوتے ہیں ۔ مگر افسوس کہ میرے پاس ان کا کلام نہ پہونچ سکا ۔ اگرچہ تلاش میں میں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا مگر کسی طرح کامیابی نہ ہو سکی ۔ اس زمانہ میں جب تذکرہ لکھ رہا ہوں ہاپوڑ کے کئی احباب کو لکھا مگر جواب نفی میں آیا ۔ چند شعر مل سکے وہی درج کرتا ہوں ۔ اسوقت ان کی عمر تخمیناً چالیس برس کی ہو گی ۔

جس زمانہ میں مہاتما گاندھی کھدر پر پرچار کر رہے تھے ۔ اُسوقت گاڑھے کی قیمت اچھے اچھے کپڑوں سے بھی بڑھ گئی تھی ۔ اور جولاہوں نے ہر ایک کپڑے سے زیادہ نرخ بڑھا دیا تھا اُسی سے متاثر ہو کر بوم نے یہ نظم اور اسی قسم کے اور بہت سے شعر لکھے تھے چند اشعار جو ہمکو مل سکے لکھے جاتے ہیں ۔

پہلے سے نہیں مفلس و محتاج جلاہے ۔ اب بھرنے لگے کوٹھیوں میں ناج جلاہے
لیڈر تو گئے قید میں اک راج کی خاطر ۔ بیٹھے ہیں دبائے ہوئے سوراج جلاہے

جب کہ دنیا میں خلافت کی دہائی ہوگئی ۔ اچھی خاصی ان جلاہوں کی کمائی ہوگئی
ہو ترقی کسطرح ملبوس کھدر کو بھلا ۔ چودہ آنے سیر گاڑھے کی کمائی ہوگئی

کیا کہوں شوقِ ہوس نے مجھکو اندھا کر دیا   کیا خبر ہے بیخودی میں میں نے کیا کیا کر دیا
کیا ذرا سی بات تھی جسکا فسانہ کر دیا   میں نے اک بوسہ لیا اور تم نے دعویٰ کر دیا
خود ہوے بدنام اور مجھکو بھی رسوا کر دیا

کہدیا دامن پکڑ کر صاف میں نے اُنسے آج   کس لئے رکھا ہے سر پر مسیحائی کا تاج
پوچھنے کے واسطے آے نہ تم میرا مزاج   ہو نہیں سکتا جو تمسے دردِ فرقت کا علاج
تمکو کس اُلّو کے پٹھے نے مسیحا کر دیا

رہگیا تھا میں ہی کیا پٹنے پٹانے کیلئے   کوئی بھی آیا نہیں میرے بچانے کیلئے
اور تو ایجان تھا سب گھر میں کھانے کیلئے   صرف ترکاری نہ لایا تھا پکانے کیلئے
مارے گھونسوں کے مری بیوی نے بھرتا کر دیا

ٹھہرنے دیتا نہیں یکجا اُسے دورانِ سر   یہ کبھی اس شاخ پر بیٹھا کبھی اس شاخ پر
دیکھ لو خالی نہیں جاتا تخلص کا اثر   بوم کو کچھ بھی نہیں اپنے سر و پا کی خبر
شاعری نے اب اُسے اُلّو کا پٹھا کر دیا

نہ مل رنڈی سے تو یہ قوم ہے بد   ہوا ہے تجربہ یہ مجھکو بیحد
اگر جوتے اُسے گاروکا گارد   زمینِ شور سنبل بر نیارد
درو تخمِ عمل ضایع مگرداں

....

جھسنڈ ایک شاعر کا مجہول الاسم کا تخلص ہے۔ صرف کلام مل سکا درج کرتا ہوں۔

دل مرا مجھ سے چھین کر بھاگا   ہست تری دُم میں سوت کا دھاگا

جب ناچ دیکھنا ہوا منظور یار کو ۔۔۔ فوراً مجھے مداری کا بکرا بنا دیا

خطاؤں پہ مرے اکثر عطا کرتی ہی جاتی ہے ۔۔۔ مری بیوی برابر ما متا کرتی ہی جاتی ہے

دنیا بدل گئی ہے کھلاڑن بناؤں گا ۔۔۔ اب اپنی بیوی کو میں تمبولن بناؤں گا

کھاتے کھاتے رات دن کمبخت عادت ہوگئی ۔۔۔ کوئی ترکاری نہیں بھاتی ہے بینگن کے سوا
والدہ نے یہ شرافت کی مری تدبیر کی ۔۔۔ سیدوں کے پاس رہ کر مجھکو سید کردیا

پوچھتے ہیں نام بسنت تمسے لوگ ۔۔۔ کہہ بھی دو الّو کا پٹھا نام ہے

دی ایک چپت ایسی گالوں سے لہو نکلا ۔۔۔ وہ بھوتنی والا تو بیرا بھی گرو نکلا

....

اپنی ٹوپی پہ نام لکھتا ہوں ۔۔۔ کھوپڑی کا فقط بچا ناسے
جسمیں سے تھے ہم عدم میں لے بسنت ۔۔۔ اک بڑا وہ بھی کار خانا ہے

وہ مری قطع دیکھکر بولے ۔۔۔ یہ تو مسجد کا کوئی ملّا ہے

جام جم میں نے بارہا دیکھا ۔۔۔ کھوپڑی سے مری نہیں ملتا

چوٹیں کرتا ہوں خوب لوگوں پر　　پھر بھی جوتا کبھی نہیں ملتا

نہ کوئی ڈاکو ہوں نہیں اور نہ کوئی چور ہوں نہیں　　حرام خور نہیں ہوں حلال خور ہوں میں

کان اکثر کھڑے ہی رکھتا ہوں　　جب سے دنیا نے گوشمالی کی

میری بیوی بچہ کشش ہے　　میں مہینہ میں نکالوں ورد ولوناہیں

بیڈھب - شاگرد ہیں نوجوان زندہ ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں شفقی قمر بدایونی کے کلام سے نومشقی کا عالم نمایاں ہے اگر کہتے رہے تو شاید کسی وقت اچھا کہ مجموعہ تحفۂ ظریف کے نام سے چھپ گیا ہے جس میں زیادہ تر بیڈھب کا اور دیگر دیہاتیوں کا کلام ہے - پورے مجموعہ کو پڑھکر چند شعر انتخاب کیے گئے ہیں دلی سے زیادہ نہیں ہیں -

حمد خدا میں بیڈھب زور قلم دکھانا　　ایسا ہے جیسے چھپر افلاک پر چڑھانا

اک آدھ آنشیں ہیں ڈبل کام ہوگیا　　اُن کو بخار غیر کو سرسام ہوگیا

دو سیر باجرے کا ملیدہ اڑا گئے　　لالہ کا پیٹ کیا ہوا گودام ہوگیا

بہن سے ڈروں گا نہ ماں سے ڈروں گا　　جو والف کہیگی وہ بیشک کروں گا

نہ ہوگا اگر تم سے میرا مداوا　　تو میں ساتھ اپنے تمہیں لے مروں گا

اگر آپ دل مجھکو واپس نہ دیں گے　　تو میں آج سرقے کا دعوی کروں گا

اگر سخت جانی مری کام آئی　　تو قاتل کو بھی مار کر ہی مروں گا

گدھا ہوں تو لوں گا نہ بوسہ تمھارا | بس اب آج سے خط کا سبزہ چروں گا
اگر ساس نے مان لی میری بیٹی صاحب | تو میں بیاہ سے قبل گونا کروں گا

ہمارے بس میں اگر ہو سکے وہ پیار ہوتا | کرتا نہ پیار رسم ہوتے وہ جو کھیلا رہتا

ڈھولک بجا بجا کر گاتا تھا اک نہ نانا | اپ کے جنم میں یارب جو رکھیں بتانا
اس راگ پر ہو لعنت ہے یہ بھی کوئی گانا | تا دیم دیم درنا تا دارہ دیم تانا

کیا وہ مرجائیں مجھے ڈھونڈھے لیگا جو کبھی | ایک سو دس میں گرفتار نہ ہونے پایا
بارہا بیٹھ گئے ہار کے جنگی والے | راستہ عشق کا ہموار نہ ہونے پایا
عمر چالیس برس کی ہوئی ان کی لیکن | آج تک سبزہ نمودار نہ ہونے پایا
کوئی انسان سبب سے مرکے طاعون تاہو | کبھی جانور ترا بیمار نہ ہونے پایا

یار تھا لیکن ذریعہ رسم کا حاصل نہ تھا | سائیکل اللہ نے دی تھی مگر میدان نہ تھا
وارثوں کی روشنی دیکھی تو فرمانے لگے | گیس کا ہنڈا اٹھا بیٹا ہمارا دار تھا

قحط کی عید بھی ہے موت کا ساماں ہونا | ضعف آنتوں کو سکھاتا ہے دو پیازا ہونا
آخر وقت ہر اک چیز مزا دیتی ہے | قابل قدر ہے آموں کا بھدیاں ہونا
یہ بھی مذہب ہے کہ کنا گتے ہیں تو رہنا پنڈت | اور کچھ پڑھ کے دل آئیں تو مسلماں ہونا

قحط میں کیسا جھمیلا عید کا | پھنس گیا دلدل میں ٹھیلا عید کا

مفلسی اسپر یہ برخورداریاں　　عرس افطار اور میلا عید کا
ہیں یہ جیسے اور یہ لندن کا بوٹا　　شیخ جی ہیں یا بھنڈیلا عید کا
عیش کا ٹٹو تو لدکر چلدیا　　رہگیا خالی طویلا عید کا

دل میں اتراتے ہو کیا غیر کو اپنا کہکر　　ہوش میں آؤ کریلا کہیں میٹھا ہوگا
دل لگانے کی مزا اب مجھے کیا دینگے　　قید ہوگی کہ ضمانت کہ مچلکا ہوگا
سود پیری کا بڑھا جب عمر کی نقدی کیساتھ　　ہوگیا نیلام اُن کے حسن کی دوکان کا
تنگدستی کا یہی عالم رہا بیڈھب اگر　　عید کے دن بھی مزا آجائیگا رمضان کا
رات یہ اندھیر کیا بزم بتاں پرفن میں تھا　　غیر تو دالان میں تھے اور میں آنگن میں تھا

ترقی کے زمانے میں میاں ایسی گھٹی کیوں ہو　　خدا ناخواستہ جو رو ہماری بےپڑھی کیوں ہو

جو نہ شوقین ہوا ایسا نہیں دلبر کوئی　　پالتا ہے کوئی بلبل تو کبوتر کوئی
مذہب دل نے جو انھیں ٹانگ پکڑکر کھینچا　　وہ یہ سمجھے کہ ہے پتلون کے اندر کوئی
پہلے معشوق انھیں لوگ کہا کرتے تھے　　اب تو جیب پسٹ کوئی کہتا ہی مچھندر کوئی
بیسیوں چاہنے والوں کی ضرورت کیا ہے　　ناز اٹھواؤگے تم اُسسے کہ چھپر کوئی ✓

بیکس مرزا محمد نام تھا عظیم آباد کے باشندے تھے ہجوگوئی اور ظرافت میں یدطولی حاصل تھا مگر آج دستبرد زمانہ سے کچھ بھی نہیں بچا صرف ایک یہ رباعی ہے جو غالباً میر ماشاء اللہ اور میر انشاء اللہ کی ہجو میں کہی ہے اس سے اُن کے زمانہ کا اندازہ کیجیئے

ظاہر میں تو ایسے ہیں کہ ماشاء اللہ　　سب کہتے ہیں بادہ ہونگے انشاء اللہ

باطن میں جو دیکھا انھیں اتنے ہیں پوچ | لاحول ولا قوۃ الا باللہ

بیگم — تذکرہ چمن انداز اور ماہ درخشاں میں لکھا ہے کہ ان کا نام رشک محل تھا پنجابن تھیں جو واجد علیشاہ آخری تاجدار اودھ کے متاع میں آئیں۔ اور پھر انتزاع سلطنت کے بعد بادشاہ کے ہمراہ کلکتے چلی گئیں وہیں انتقال کیا۔ ریختی کہتی تھیں چند شعر جو تذکروں میں ملتے ہیں درج کئے جاتے ہیں۔

بھیجوں گی سسرال میں تم کو جنا نم | نہیں مجھکو دو بھر ہے کھانا تمھارا
میری کنگھی چوٹی کی لیتی خبر ہو | یہ احساں ہے سر پر دگانا تمھارا
ہوا بال بیکا جو مرزا ہمارا | تو پھر ننگ ہے اور شانا تمھارا

گھر سے کہ کانہ کے دگانا مری مہمان گئی | میں یہ انگاروں پہ لوٹی کہ مری جان گئی

حرف بائے فارسی

لالہ پاگل داس اودھ پنچ کے ایک ظریف نامہ نگار تھے جن کی ۱۹۱۸ء کی لکھی ہوئی ایک قصیدہ مجھے بھی مل گئی زبان وہی جو ہر شخص سمجھ سکے گا۔ چندہ کی مذمت میں غالباً یہ شعر کہنے کی زحمت فرمائی ہے۔

ہم نے دیکھے تھے گدایانِ مسلمانے چند — چشم دل سے جو نگہ کی تھی بردانے چند
شاغل و زندہ دل و راہِ حقیقت آگاہ — بس وہی عاشقِ اللہ تھے شاہانے چند
خدمتِ قوم میں مصروف سدا رہتے ہیں — ہیچ شبلی ہوں و یا مہدی علیخانے چند
رات دن ان کے لیے شغلِ عبادت ہے یہی — زرد پٹکے اُن کو نہیں بانے چند
ایک چھپن مال وہ فقیر ونکو بنادیتے ہیں شاہ — آسماں پر بھی نہیں ان کے سے پاکانے چند
گو کہ چھٹی کی طرح سے ہے یہ نند لال ضعیف — اس کے رتبے کو کہاں پہنچے سلیمانے چند
دلِ احقر میں یہ آوت ہے شب و روز مدام — ترک اکرم سے کرو دنیا والانے چند

پری جھمن نامے ایک شخص دہلی کے باشندے کا تخلص تھا۔ جو ریختی کہنے پر شائق تھا شاہزادہ مرزا رحیم الدین حیا (جو دہلی کے ایک مشہور شاعر تھے) سے اصلاح لیتا تھا۔ تذکرہ گلستانِ سخن میں لکھا ہے کہ نوجوان ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ چالیس پچاس برس ادھر اُن کی شاعری کا دورہ دورہ ہوگا۔ کلام کہیں یکجائی صورت میں نہیں مل سکا تین شعر گلستانِ سخن میں ملے۔ اور دو سخن شعرا میں ۔

دنیا کے مردوے مرتے اور پیدا ہوئے — مجھ آشنا مزاج کے سب آشنا ہوئے
اب کے تو مردوے ہیں وہ تھا یا نہ ہو تھا — اگلے تماشبین خدا جانے کیا ہوئے
دن کو ہی آنا تھا تجھے ماہ صیام میں — در گور مردوے مرے روزے قضا ہوئے

شاہ پچھا - ایک آزاد لاابالی فقیر منش آدمی تھا - دہلی میں قیام تھا - وضع یہ تھی کہ کاغذ قلم دوات ہر وقت ساتھ رہتا تھا - جہاں بیٹھتا تھا - وہیں کچھ نہ کچھ کہہ لیا کرتا تھا ظاہر ہے کہ اس آوارہ گردی میں کلام کیا جمع ہوتا - میر حسن چونکہ ان کے معاصر تھے صرف ایک شعر اُن کا نقل کرتے ہیں -

دل مرا گر دلبر یار کے منہ لاتا ہے — یہ فکر شور دھکم دھکڑ کہاں جاتا ہے

پیٹنٹ سابق اودھ پنچ کے ایک نامہ نگار ظریف بذلہ سنج کا تخلص ہے جو غزل ان کی ہے وہ لکھی جاتی ہے اس غزل کے لکھنے کی علت غائی خود مصنف کی زبان سے سناتا ہوں - ملاحظہ ہو - اودھ پنچ مرحوم کے نام لکھتے ہیں -

ڈیر پنچ - آجکل آپ کے اخبار میں اُردو شاعری پر بحث ہو رہی ہے چونکہ اینجانب بھی تھوڑے سے پہلے شاعر تھے اور پھر بھی بوقت ضرورت باذن بندہ نگر بخت شاعر ہو سکتے ہیں لہذا اپنی رائے زریں سے آپ کو محروم رکھنا سخت احسان فراموشی ہے - سنئے جناب بندہ اور ذرا گوش ہوش سے سنئے اردو شاعری پر بڑا اعتراض یہ ہے کہ شاعر لکیر کے فقیر ہیں جدت کا مادہ نہیں - اعتراض کس قدر صحیح معلوم ہوتا ہے - ہم صرف ایک شق پر بحث کریں گے شعرا نے صرف چند اعضائے انسانی لے لئے ہیں - جن کا فراق اور وصال میں دکھڑا رویا جاتا ہے - ہم کہتے ہیں کیا خدا نے کوئی عضو بیکار بنایا ہے - یا کوئی عضو ایسا بنایا ہے جو اس عشق کو حس نہ کرے جو سر سے پیر تک مخلوط ہو جاتا ہے - پھر کیا وجہ ہے کہ صرف دل جگر

آنکھ سینہ پہلو کا لگاتار سلسلہ ہے اور باقی اعضا جو شاید مادۂ عشق کے قبول کرنے اور متاثر ہونے میں اُن سے زیادہ قابلیت رکھتے ہوں چھوڑ دیئے جائیں۔ ہماری رائے میں سب کو درجہ بدرجہ اور رتبہ برتبہ یاد کرنا چاہیئے۔ اس عمل درآمد کے بعد نیچرل شاعری کے اسکول والوں سے بھی صلح ہو جائے گی۔ بہر صورت ایک نئی غزل اس نئی طرز میں نذر ہے۔ یہ مشتے نمونہ از خروارے سمجھنا چاہیئے۔ راستہ ہم نے بتا دیا ہے اب شاعران رنگین بیان طبع آزمائیاں کریں اور اس طرز جدید کو آسمان پر اڑا لیجائیں۔ حق ایجاد بنام موجد پیٹینٹ ہے تتبع اور تقلید کی اجازت عام ہے۔

اب میں وہ غزل جو واقعی طرز جدید ہے نقل کرتا ہوں ملاحظہ ہو۔

معدہ میں آگ عشق کی بدستور جلتی ہے
پھیپھڑوں کی دھونکنی مرے سینہ میں چلتی ہے

گردوں نے دردِ عشق میں آفت مچائی ہے
تلی غم فراق میں ہاتھوں کو ملتی ہے

چھینک آئی ہم نے شکر خدا کا ادا کیا
اس راستے سے ناک کی حسرت نکلتی ہے

کروٹ بدل رہے ہیں شب ہجر یار میں
آنتوں میں زور شور سے بندوق چلتی ہے

تارے گنا کیا ہوں پڑا چیت شب فراق
اتنی دبی کہ ریڑھ کی ہڈی اچھلتی ہے

دانتوں کا دسترس نہ ہوا گوش یار تک
سچ ہے کہ بدنصیب کی کب دال گلتی ہے

شیر و شکر تھیں عشق میں یہ بھی بلا ہوئیں
لو آج پسلیوں میں بھی تلوار چلتی ہے

تصویر یار ہم نے لگائی دماغ میں
کچھ کچھ شب فراق طبیعت بہلتی ہے

برسات آئی پھر وہی گڑبڑ مزاج ہے
پھر پیٹ میں فساد ہے پھر ناف ٹلتی ہے

پیام ۔ نام شرف الدین علی خاں تھا۔ پیام تخلص تھا۔ اکبر آباد کے رہنے والے سراج الدین علی خاں آرزو کے شاگرد تھے مقتضائے طبع اور زمانہ کے دستور کے مطابق زیادہ تر فکر سخن فارسی میں کرتے تھے کبھی کبھی اردو کے شعر بھی

کہہ لیتے تھے۔ اُن میں کہیں کہیں ظریفانہ اور نہایت شوخ مضامین قلم سے نکل جاتے تھے۔ اِن کے بیٹے سے میر تقی میر کی بڑی دوستی تھی۔ پیام عہد محمد شاہی کے ایک نامور اور ذی وقار شاعر تھے۔ ایک دیوان اِن سے یادگار رہے مگر نایاب ہے۔

دلی کے کج کلاہ لڑکوں نے ‏ ‏ ‏ کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا ‏ ‏ ‏ ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

حرف تا و ترشت

تبسم - مرزا عالیقدر نام ہے خاندان شاہی سے ہیں حضرت ظریف لکھنوی کے شاگرد ہیں لکھنؤ کے رہنے والے ہیں مگر فی الحال کلکتہ میں مقیم ہیں اور وہیں فوٹوگرافی کی دکان ہے - چند شعر ملسکے جو درج کرتا ہوں - راقم نے ان کو ایک دو مرتبہ دیکھا ہے مگر باہمی کوئی تعارف نہیں ہے -

مر گیا جو وہ کوئی عاشق فرضی ہوگا — جسپہ مرتا تھا وہ معشوق خیالی ہوگا

آ دبوچا جو مرے طائر دل کو اسنے — ناز اس شوخ کا شاید کوئی بلی ہوگا

کچھ قرابت تو زمانہ میں ہر اک سے ہوگی — کوئی سسرا کوئی سالا کوئی سمدھی ہوگا

خال رخسار اڑا دیتا ہے گر ہوش حواس — عارض اس شوخ کا بارود کی کاٹی ہوگا

در غلطاں شعرا دانت کو جب کہتے ہیں — تو یقیناً دہن یار بھی سیپی ہوگا

غل مچائے جو کسی کوچہ میں شب کو ہر روز — سچ تو یہ ہے کہ وہ عاشق نہیں سپاہی ہوگا

بیگناہوں کو دیا کرتا ہے جو قتل کا حکم — یار کاہے کو جوتیوں کا قاضی ہوگا

جسکو لے لے کے مزے کھاتے ہیں اکثر عاشق — غم نہ کھیئے اسے وہ آم کی گٹھلی ہوگا

کوہکن سے یہ کہا کرتی تھی آکر شیریں — دب گیا گر کہیں پتھر سے تو پچّی ہوگا

تجھپہ ہو جائیگا ظاہر وہ کسی روز ضرور — عشق کچھ چور نہیں ہے کہ جو مخفی ہوگا

جن میں تہذیب نہو ہو وہ ظرافت مہمل — حد سے بڑھ جائے تبسم تو وہ ہیچی ہوگا

یاں یہ حالت ہے کہ ہم ہیں تپ ضعف و غم نہیں — وہاں سوال وصل کا کہتے ہیں وہ بھی ہم نہیں

ساقی گریز کرکے ہیں پانسے بھنگیڑ ہو لیے   گر لڑکھڑا گیا تو ہمیں گر پڑے ہوں

پردہ سے نظم کے شگفتہ ہو جو لیڈر رہنما صاحب   پہلے اپنی بیگموں کو لیڈیاں بننے تو دو
پاک ہو جائے گی سب آب و ہوائے راہ عشق   صاف تم اپنی گلی کی نالیاں ہونے تو دو
انڈے بچے گھر پہ جا کر دیکھ لینگے کیا فکر ہما   آشیانِ شرق سے جاناں اذاں ہونے تو دو
آنکھوں میں ان ترک آفت دور از انصاف ہے   اپنے عاشق کو ذرا نوشیرواں ہونے تو دو
اے تبسم خون پانی ایک ہو جائیگا پھر   شیر خوار ہے ابھی قاتل جواں ہونے تو دو

تپش تخلص تھا مرزا محمد اسماعیل نام تھا مرزا جان کے نام سے معروف و مشہور تھے۔ گو انکے آبا و اجداد بخارا کے رہنے والے تھے۔ مگر ان کی ولادت خاص شاہجہاں آباد دہلی میں ہوئی۔ کبھی کبھی شستہ ظرافت کی طرف بھی توجہ کرلیتے تھے۔ میر درد کے خاص شاگردوں میں تھے۔ سنہ ۱۸۱۴ء تک بخیر و عافیت کلکتہ میں موجود تھے۔ اردو کی متعدد کتابیں۔ بہار دانش شمس البیان ضرب الامثال انکی تصنیف ہیں۔ اگرچہ ان کی ظرافت اُس حد پر نہیں ہے کہ اس کو محض ظرافت کہا جاسکے مگر شستہ مذاقوں کے لئے ایک اچھی چیز ہے۔

سرک سرک کے پلنگ پہ مچل مچل جانا   یہی ادا تو ہمیں بھا گئی تمھاری رات
نہ تیغ چل سکی مجھ پر تو منفعل ہو کر   لگا یہ کہنے کوئی اسکے ہے بندھا تعویذ
میں نے کہا کہ رکھتا ہوں کچھ تم سے التماس   کہنے لگا کہ سمجھے ہیں جو التماس ہے
غصہ اٹھا اٹھا کے یونہی بار بار کا   ایدل مزاج تو نے بگاڑا ہے یار کا

تجلی منشی سید منتخب الدین دہلوی۔ آپ کا ظریفانہ ایک شعر مل سکا۔
شیخ کل میکدے میں بیٹھا تھا   آدمی کیا تھا اک تماشا تھا

تجلی تخلص تھا۔ میر محمد حسین نام تھا حاجی کے عرف سے معروف تھے۔ میر تقی کے بھانجے تھے۔ بیگم کے باغ واقع چاندنی چوک دہلی میں سکونت رکھتے تھے۔ مصنف سخن شعرا اور گلشن بیخار۔ خمخانۂ جاوید سب اسبات پر متفق ہیں کہ یہ نہایت ظریف نکتہ سنج تھے مگر افسوس کہ کسی نے وہ کلام نقل نہیں کیا۔ جو افسردہ دلوں کے لئے کشت زعفران اور نقل محفل بنجاتا پھر بھی جو کلام تذکروں میں ملتا ہے اس میں سے جب انتخاب کیا جاتا ہے تو کچھ کلام ایسا ملجاتا ہے جس سے ہلکی ہلکی ظرافت کا پتہ چلتا ہے۔ وہی درج کرتا ہوں سب سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ میر تقی نے اپنے تذکرہ نکات الشعرا میں ان کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ انتخاب کلام یہ ہے۔

مجھے کہتے ہیں کیوں رستے تو وہ ہے جو رو کہتا تھا ۔۔۔ الٰہی اسکے پاؤں تک سر لیے آرزو پہونچا
ہوا گستاخ اب ایسا کہ کچھ خطرہ نہیں کرتا ۔۔۔ کبھو چھاتی پکڑتا ہے کبھو بانہ کبھو پہونچا

کر گلے شکوہ کو موقوف میاں بس چپ رہ ۔۔۔ میں بھی بولوں گا تو ناحق تو خفا ہووے گا
آنکھیں خدا نے دیکھنے کو دی ہیں میری جان ۔۔۔ دیکھا تری طرف کو کسی نے تو کیا ہوا

تصور۔ ذکی الدولہ میر تصور علی داروغہ خلف میر صفدر علی خاں باشندۂ بنارس کا تخلص تھا۔ آپ عرصہ تک لکھنؤ میں بھی مقیم رہے ترتیب تذکرہ سخن شعرا کے وقت میں زندہ تھے۔ مولوی عبد الغفور صاحب نساخ نے لکھا ہے کہ ان کا ایک دیوان ریختی میں ہے۔ مگر افسوس ہے کہ باوجود تلاش مجھے نہ مل سکا اسی لئے کلام کے لکھنے سے معذوری ہے۔

تمکین۔ مولوی غلام بتول خاں صدر امین ضلع بیربھوم خلف مولوی غلام رسول خاں

متخلص بہ تجین تخلص تھا۔ مولوی عبدالغفور نساخ مصنف تذکرۂ سخن شعرا کے دوست تھے مولانا ئے مرحوم نے لکھا ہے کہ بیشتر ریختی کہتے تھے مگر افسوس ہے کہ کچھ نمونتاً بھی کچھ کلام ریختی اور نقل نہیں کیا۔ مجھے صرف ایک شعر مل سکا ۱۲۸۸ھ میں دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔

بوا کتنے ہرجائی یہ مردوے ہیں — کوئی نوج یوں ان کے نخرے اٹھائے

توفی ایران کی ایک مخدرۂ عصمت آپ کا تخلص ہے۔ مرزا کمال الدین سجر قزوینی کی شاگرد تھی۔ ظریفہ تھی اور کبھی کبھی تفنن طبع کے طریق پر کچھ ظریفانہ شعر کہہ لیتی تھی۔ اگرچہ کلام مل نہیں سکا۔ مگر تذکرۂ اختر تاباں سے ایک رباعی جو واقعہ طلب ہے نقل کرتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے شوہر ایک ایرانی مذاق کے بزرگ تھے۔ توفی بیچاری ان کی اس غیر فطری حرکت سے باخبر تھی بہت کچھ سمجھاتی تھی مگر انپر کوئی اثر نہ ہوا آخر عاجز ہو کر ان کو یہہ رباعی لکھ بھیجی۔

آن شوخ کہ ہست حسن عالمگیرش — یارب چہ شود شبے بخوابم زیرش
اے خواجہ بیا تا من و تو صلح کنیم — تو باکونش بساز و من باکیرش

توفی آتون۔ ملا بقائی کی جو ایک مشہور و معروف شاعر تھی بیوی تھی میر نظام الدین علی شیر کے زمانہ میں زندہ تھے۔ نہایت خوش مزاج تھی شوہر اور بیوی میں اکثر مطایبہ ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے شوہر نے یہ رباعی کہی۔

یاران ستم پیرہ زنے کشت مرا — کا واک شدہ چونے از و پشت مرا
گر پشت بسوے او وے خواب کنم — بیدار کند بضرب انگشت مرا

توفی آتون نے جواب میں یہ لکھا۔

ہم خوابگی شست رگے کشت مرا — رو نے نبود از و بجز پشت مرا

قوت نہ چنانکہ پا تواند برداشت   بہتر بود از پشت دو صد مشت مرا

جواہر العجائب میں بجائے اس کے یہ رباعی ہے ۔

ملا بہمہ ناز و غمزہ انگشت مرا   تا چند زنی طعنہ بانگشت مرا

شبہا ہمہ پشت سوے من خواب کنی   بگذار کہ واگرفت از پشت مرا

حرف تائے ہندی

ٹیٹری۔ کوئی ظرافت مآب شاعر ہیں جنکا نام اور حال معلوم نہیں یہ تین شعر اُن کی طبع وقاد کے دریاے ناپیدا کنار سے نکلے ہیں جو ہدیۂ پیش کرتا ہوں۔

جب وہ آتے ہیں میں رو دیتا ہوں　　جب وہ جاتے ہیں میں ہنس پڑتا ہوں
غیر سے رہتی ہے الفت مجھکو　　اور اپنوں سے سدا ڈرتا ہوں

تری فرقت میں او ظالم مری نکسیر چلتی ہے　　مگر خوں میں نہانے کی یہی تدبیر چلتی ہے

ٹریڈ مارک۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار کا فرضی اور عارضی تخلص ہے۔ موجد پٹینٹ کی غزل پر خمسہ لکھا ہے۔ اور خمسہ کی پیشانی پر یہ دلچسپ عبارت درج کی ہے۔

پنچ۔ آداب عرض جناب من۔ دنیا اور اُسکی مضافاتی بکھیڑا یا دھسان الٹی کھوپڑی کی مخلوق نے ناک کھاتے کھاتے کان میں دم کر دیا ہے۔ جب ہمیں خدا نظر موزوں طبع بصیرت دے گا۔ تو شعر کا مذاق تا بقاے حیات کیوں چھوٹنے گا۔ رہا یہ جھگڑا کہ اُردو سے کبھی میں شاعری کیجاوے یا حال و مستقبل میں۔ ہم ہانکے پکارے کہتے ہیں کہ کئی پشت سے ہم اس کے دلدادہ ہیں اور شعر کہتے ہیں۔ یہ مثل مشہور ہے کہ کہنے والے کی زبان نہیں رکتی دور کیوں جائیے ہمارے عنایت فرما موجد پٹینٹ کو ملاحظہ کر لیجیے کیا غزل بے بدل لکھی ہے جسکا ایک ایک شعر اوندھی کھوپڑی کے خیالات کے لوگوں کے واسطے نہایت لطیف

ارمغان سمجھنا چاہیئے۔ ماضی کی شاعری سے تجاوز کرکے ....

حال کی شاعری میں حضرت موجد موصوف نے ثابت کر دیا کہ ہمیں شعر کہنا آتا ہے۔ اور اس سے بھی اگر اُن صاحبوں کی تسلی نہ ہو تو بشرط درخواست مستقبل شاعری بھی ہم کر سکتے ہیں۔ اگر صحت و سلامتی د مساعد ہے تو کسی آئندہ نمبر میں بے درخواست بھی شاید کوئی حصۂ نظم نذر ناظرین کر دیں۔ میں موجد پٹینٹ کے کلام کو نہایت عزت کی نظر سے دیکھتا ہوں اور تائید میں حاشیہ لگا کر دوبارہ ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ دوسری حیثیت سے یقین ہے کہ آتش حسد سے کوئلہ کی طرح جلکر خاک ہو جائیں گے غزل بے بدل یہ حاشیہ لاجواب یعنی خمسۂ دنداں شکن یہ ہے۔

شہ رگ یہ دمبدم مری گردن میں ملتی ہے　　دیوانگی کی نہر شب روز ابلتی ہے
گھٹی میں جو پڑی وہ محبت نکلتی ہے　　معدے میں آگ عشق بہ زور جلتی ہے
پھیپھڑوں کی دھونکنی رہے سینے میں چلتی ہو

تخنوں میں درد ہو گیا وہ خاک اڑائی ہے　　اڑی ہے پانو پاشنہ پا تک پائی ہو
ہو نہ جڑوں میں دم کہ حلق میں اڑائی ہے　　گردوں نے درد عشق میں آفت مچائی ہے
تلی غم فراق میں ہاتھوں کو ملتی ہے

انگڑائی لیکے توڑا ہے جو یار کا آسرا　　بخت سیہ کا لیکھے جاہی گیا گلا
اچھو ہوا تو سمجھے کہ نازل ہوئی بلا　　چھینک آئی ہے شکر خدا کا ادا کیا
اس راستے سے ناک کی حسرت نکلتی ہے

تسبیح شب فراق میں اللہ کی ماریں　　ہے دوپہر تو لوٹ رہے ہیں بخار میں
المدعا کہ شام ہوئی انتظار میں　　کروٹ بدل رہے ہیں شب ہجر یار میں
آنتوں میں زور شور سے بندوق چلتی ہے

بیمار غم کا حال ہوا سو گیا گداق　　یہ حسن اتفاق ہے یا سوئے اتفاق

آیا جو چارہ گر تو بتایا مجھے مراق ۔۔۔ ہارے گنا کیا ہوں پڑا ہے پشت فراق

اتنی دبی کہ ریڑھ کی ہڈی اُچھلتی ہے

فاقہ کا شمار کیا کہ دئیے ہم نے تار تک ۔۔۔ قرّم بھی بھیجے ایک سے سو تک ہزار تک

ملتا نہ تھا ملا نہ اُنھیں گھر میں بار تک ۔۔۔ دانتوں کا دسترس نہ ہوا گوشِ یار تک

سچ ہے کہ بد نصیب کی کب دال گلتی ہے

بیمار غم کی حالتیں کیا کیا تھیں کیا ہوئیں ۔۔۔ وہ رونقیں جو پہلے تھیں ساری ہوا ہوئیں

جل جل کے ہڈیاں مری جنگ آزما ہوئیں ۔۔۔ شیر و شکر تھیں عشق میں یہ بھی بلا ہوئیں

لو آج پسلیوں میں بھی تلوار چلتی ہے

زلفوں میں جو سیاہی ہے ساری ہی داغ ہیں ۔۔۔ جو رنگ تیرے مسّہ میں وہ دل کے داغ ہیں

یہ اچھی سوجھی عقل کے روشن چراغ ہیں ۔۔۔ تصویر یار ہم نے لگائی دماغ میں

کچھ کچھ شبِ فراق طبیعت بہلتی ہے

سردی سے ہے زکام برابر علاج ہے ۔۔۔ گرمی میں ہے بخار خنک احتیاج ہے

اچھا تو اپنا حال نہ کل تھا نہ آج ہے ۔۔۔ برسات آئی پھر وہی گڑبڑ مزاج ہے

پھر پیٹ میں فساد ہے پھر نافہ ٹلتی ہے

ٹِلُّو پرشاد ۔ اودھ پنچ سابق کے کوئی ظریف شاعر ہیں جن کی ایک نظم (ہندوستان کا بھِک منگا ٹِلُّو) کے عنوان سے مل سکی چونکہ نہایت ظریفانہ رنگ میں لکھی گئی ہے لہذا نقل کرتا ہوں۔ ہندوستان کی مفلسی اور ضرورت کی زبردستیوں کی ایک تصویر ہے۔

بازاری لڑکے ۔۔۔ آئے آئے جھم جھم آئے ۔۔۔ پنچ دوار سے ٹلو آئے

پنچ بہادر کہاں ہیں آئیں ۔۔۔ ہمری الج گرج سن جائیں

پنچ — اتنا کیوں چلاتے ہیں — لٹتے ہیں تبھی آتے ہیں

ٹیسو — آج بات یہ ہم نے ٹھانی — لابہ ہوئی ہم کا پایانی
تنک تنک سا ہم بات تٹی بے — رتی رتی حال سنی بے

ہندوستان — ٹیسو سارا بہت ستائیں — گھر گھر سے بھیک منگائیں
بھٹکنگی ماں عمر گنواوا — آدھی دمڑی جو ہم پاوا
ایسی بجوگ پڑا کچھ آن — چندہ چھینا اُس جاپان
کہو کہاں سے اب ہم لائی — دوسرے کی جو لگی بجھائی
جھنجھی کوڑی گھر ماں ناہیں — کہو کہ کہہ کی کھیر سنائیں

ضرورت — کہہ دو بہت نہ شور مچائیں — اور کسی کے دوارے جائیں
اور کسی سے بات بنائیں — جا انسے پنے وہاں سے لائیں

ہندوستان — پنچ بہادر سنتے ہو — سنتے ہو بھی سنتے ہو

بازاری لڑکے — پنچ بہادر چیتے ہیں — دیتے ہیں بھی دیتے ہیں

ٹیسو — جھنجھیا ہمری بڑی کہانی — جھا بیٹی بی بی رانی
رانی نخرہ کرتی ہے — بن مارے وہ مرتی ہے
جو کوئی دوارے جاتا ہے — ٹیسو کو وہ سمجھاتا ہے

راجہ سبا کی سنتا ہے　　روتا ہے اور کہتا ہے
عقل گیان سبھی کچھ ہری　　کہو تو جھوٹے کچھ کچھ کری

بازاری لڑکے　　کھیلو کو دو ہاسنے دو　　مرتی ہے مرجانے دو

ضرورت　　پنچ دوار ستے کا لالو　　سچ سچ کہو کا پایو

ہندوستان　　ہمکا ملی نہیں اک پائی　　کا جھوٹے لیکھا سمجھائی

ضرورت　　اچھا اچھا دیکھیں گے　　دیکھیں گے پھر دیکھیں گے

ہندوستان　　اسے بدھنا ہم کا گن گینا　　ہمرے کرم مال کا لکھ دینا
پاپی دیکھا کرم کا لیکھا　　جاسے بھینٹ بھئی دکھ دیکھا

حرف ثائے مثلثہ

ثریا - جمعیت علی نام تھا۔ جھجر ضلع رہتک کے رہنے والے تھے۔ غدر سے پہلے زندہ تھے۔ مرد خوش وضع سپاہی پیشہ تھے۔ جس زمانہ میں جان صاحب کے کلام کا شہرہ اکناف ہند میں پھیلا اسی زمانہ میں ان کو شعر گوئی کا شوق ہوا رفتہ رفتہ طبیعت کا میلان ریختی گوئی کی طرف ہوگیا اور چند ہی روز میں بہت کچھ کہہ ڈالا۔ اب کلام نایاب ہے۔ یہ چند شعر مل سکے جو درج کئے جاتے ہیں۔

کنگھی چوٹی مسی اور سرمے کی کسی کو دھن نہیں
اے بوا اب کنواریوں میں کنواریوں کے گن نہیں

مجھ منحتی کو جلاتی ہے سدا وہ جیسے — میری سوتن کے کبھی پھوڑی آگے آئے
دن گزارا تھا جہاں شب کو بھی تھا وہیں — ہانپتے کانپتے کیوں آپ ادھر بھاگے آئے
شام سے سوتے ہیں منھ پھیر کے مردوں کی طرح — آتے تو گھر میں کبھی رات کے جاگے آئے

دل میں یہ سوچا لاڈو تو نہ رہنا کہیں — کنواریاں خود تو بساتی نہیں گھر با کہیں
ان کو آنا ہو تو آجائیں وہ گھر ہے ان کا — مجھ کو کیا کام ہے جا سر پہ پڑا رکھیں
آجکل کنواریاں بیگم بڑی چھچھتی ہیں — منگنی ہوتے ہی کہیں کرتی ہیں اترا کہیں
دیکھ کر کام میں کیوں انگلی دیکھا ما ما — رات بھر جاگی نہیں ہے جو یہ مردا کہیں

ماما کا ہے کہنے کتنی ہے یہ اچھی خاصی		مجھکو کرڈالے گی اک روز گرفتار کہیں
تیری جوتی سے ثریا جو وہ بیرجائی ہے		ڈھونڈھ لاوے تو کبھی کوئی نا ور طرحدار کہیں

عمر بھر سسرال میں جلنا پڑا ناشاد کو		ابابچی کو مرے موت آئے اس داماد کو

سوتنیں جو مرا غصہ کرتی ہیں		مرے چونڈے پہ کرم کرتی ہیں

جان۔ میر یار علی نام تھا۔ میر امن لکھنوی کے بیٹے تھے اور نواب ناشور علی خاں لکھنوی کے شاگرد تھے۔ اگرچہ وطن لکھنؤ تھا۔ مگر بسبب فکر معاش آخر میں باستو سلین درباری میں ملازم ہوکر رام پور میں جا رہے تھے نہایت خلیق زندہ دل خندہ پیشانی مرنجاں مرنج آدمی تھے جب تک لکھنؤ میں رہے فکر معاش میں مبتلا رہے آخر سنہ ۱۲۴۲ھ میں مجبوراً ترک وطن کرکے روزگار کی فکر میں دلی گئے۔ مگر یہاں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ پھر بھوپال گئے مگر یہاں بھی بدنصیبی ساتھ رہی۔ آخر آب و دانہ کی کشش اور نواب کلب علیخاں مرحوم کی قدردانی رام پور میں لے آئی اور یہیں مستقلاً رہنے لگے۔ تا اینکہ سنہ ۱۲۹۰ھ میں ۹۳ برس کی عمر پاکر پیوند خاک ہوگئے۔

جان مرحوم نے ابتدا ہی سے ریختی گوئی کی مشق کی تھی بجز اس صنف خاص کے اُنسے کسی دوسری صنف سخن میں کوئی شعر نہیں پایا جاتا۔

آزاد مرحوم نے آبحیات میں لکھا ہے کہ رنگین اور انشا اس کے موجد تھے۔ یہ قول کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے کہ ریختی کا پتہ اس سے بہت پہلے زمانہ میں چلتا ہے۔ ہاشمی جو دکن کا رہنے والا مادر زاد اندھا شاعر تھا۔ وہ اس کا موجد ہے اسکا انتقال سنہ ۱۱۰۹ھ میں ہوا آصفی ملکاپوری نے دو شعر ریختی کے اپنے "تذکرہ شعرائے دکن" میں ہاشمی کے نام سے نقل کئے ہیں۔ مولانا آزاد نے غالباً "تذکرہ مرزا قادر بخش صابر" میں یہ عبارت دیکھی "زبان اردو میں اول ریختی کا رواج انشاء اللہ خاں انشا نے دیا۔ اور اس کے بعد سعادت یار خاں رنگین نے خواہ اس سبب سے کہ اُن کی طبیعت کو خود اس صنعت کلام کی طرف التفات تھا

خواہ انشاء اللہ خاں کے اثر صحبت سے اس نظم میں ایسی زبان آوری کی کہ گویا اس کو اپنا شعار کر لیا" اس کے بعد آن کو معلوم ہوا ہوگا کہ خود سید انشا نے دریائے لطافت میں سعادت یار خاں رنگین کو ریختی کا موجد قرار دیا ہے۔ لہٰذا بطریق مسامحت دونوں کو ریختی کا موجد قرار دیدیا۔ اسیطرح تذکرۂ مہر جہانتاب میں بھی انشا ہی کو ریختی کا موجد بتایا گیا ہے مگر یہ اقوال ایسے ہی ہیں جیسے ولی دکنی کو انھوں نے ریختہ کا موجد قرار دیا تھا اور اب پایۂ تحقیق اس سے بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ بہر حال ہاشمی سے ریختی کی ابتدا ہوئی اگرچہ مٹے مٹے نشانات اور جگہ بھی پائے جاتے ہیں چنانچہ خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم میں لکھا ہے کہ اس فن کا موجد رحیم معاصر رحمان دولی ہے اور اس کے کچھ شعر بھی لکھے ہیں مگر میرے نزدیک وہ کچھ ایسے شعر نہیں ہیں۔

ارے ناداں تین اپنے سجن کو کیوں رٹھایا ہے | رٹھا کر پیو کو جگ میں کسی نے ذوق پایا ہے
بہت پچھتائیگی میری نصیحت مان کہتی ہوں | سکھی کو رات سوہی ہے پیارے کو جو بھایا ہے

بعض نے حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی موجد قرار دیا ہے۔ لیکن بجز ہاشمی کے ہماری رائے میں دوسروں کو ریختی گو لکھنا سراسر زیادتی ہے۔ مولانا عبد السلام صاحب ندوی نے شعر الہند میں اسکی بابت کافی تحقیق کی ہے اُن کی بھی یہی رائے ہے۔ غرض ریختی ایک صنف سخن تھی جو عرصہ سے چلی آرہی تھی جان صاحب نے اس میں مشق کی اور بقول بعض تذکرہ نویسوں کے اسکو تکمیل کو پہونچایا۔ مگر ہمارے نزدیک اُن کی ریختی میں آورد سے بہت زیادہ کام لیا گیا ہے۔ اور اسی وجہ سے رنگین اور انشا کی سی روانی اور بے تکلفی اسمیں باقی نہیں رہی۔ مراعات النظیر جس نے لکھنؤ کی شاعری کے دفتر کے بیکار کر دئے ہیں ان کے یہاں بھی موجود ہیں۔ اور بعض جگہ اسقدر بے مزہ ہیں کہ پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ ان کے کلام میں فواحشات کا کافی زور شور ہے یہی وجہ تھی کہ عرصہ تک ان کا دیوان چھپنا قانوناً بند ہو گیا تھا۔ مگر اب بعض لوگوں نے محنت کر کے اسکا انتخاب کر کے کانٹے نکال دیئے اور پھول چن لئے ہیں اور اس انتخاب کو چھپوایا ہے سنا ہے کہ

جان صاحب محفل مشاعرہ میں بالکل زنانہ لباس پہنکر جاتے تھے اور اس انداز سے پڑھتے تھے کہ سننے والے ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے اس میں شک نہیں کہ باوجود آورد اور تکلف کے اُن کے یہاں بیگماتی زبان ۔ لکھنؤ کے روزمرہ ۔ شیریں کلام عورتوں کے محاورات ۔ رسوم و رواج کا اسقدر ذکر ہے کہ متقدمین میں کسی کے یہاں بھی نہیں ۔ میں نے ان کے کلام کو اول سے آخر تک متعدد مرتبہ دیکھا اس مرتبہ بھی انتخاب کے لئے پورا دیوان دیکھنا پڑا ۔

ہمسائی میرے سر کی قسم آئیو ضرور کونڈا کروں گی جمعہ کو سید جلال کا

چھپتی کہیں چراغ ہے بیٹے کی جو تجھ میں ٹھرّم کی جب کٹوری میں جگنو نظر پڑا
یہ سات پیڑھیوں کے ہوا بعد اتفاق کنبے میں ہوگیا کے دولہا جو نظر پڑا
جس مردوے کے پیچھے مرا گھر ہوا خراب برسوں کے بعد پھر وہی آ تو نظر پڑا

لگا میٹھا برس جب سے یہ صورت زہر لگتی ہے کہیں مشاطہ کر پیغام اب مصری کی نسبت کا
وہ دل درگور جیتاں سے کبھی جو نام الفت کا کسی دشمن کے دشمن کو نہ ہو آزار چاہت کا
وہ تھے استاد ان سے جان صاحب تجھکو کیا نسبت کیا پر نام روشن ریختی نے تیری نسبت کا
کلوارنی پہ مرتا ہے تف اسکی ریش پہ قاضی کے گھر میں کیوں نہ ہو چرچا شراب کا
مستانی سوت پر پڑے خالق مرا وبال پڑ جائے اس کے حلق میں پھندا شراب کا
سوموتیوں سے بھلا ہوتے جو جوبن کھیلے چال وہ مجھسے ٹکے گز کی نہ ہو نکل چلتا
رہ گیا کس سوم کا پیٹ جو جنتی نہیں تیر ہواں مہتاب کو یہ چاند ہے شوال کا
ساس نندوں کی محبت میں قربان گئی جاؤں میکے مجھے منگوا دو سواری مرزا
تم سلامت رہو صدقے میں تمہارے صاحب کتنا پہنوں گی ابھی گوٹہ کناری مرزا
پکا نہ تھا کچا تھا وہ جن اسے پرکھا تم کل سر پہ چڑھا تھا آج لگوڑا اُتر آیا

دھینگا ڈھیلا نہ کھٹکا رات چپ چلے آئے
کسی کے گھر میں کوئی بے خطر نہیں آتا

خصم کا مال تو بھی یار کو کھلا رنڈی
ہمیں تو لاکھو کا گھر خاک کر نہیں آتا

گرگٹ کی طرح کا لا کبھی لال ہو گیا
غصہ سے مردوے کا عجب حال ہو گیا

بیگما اچھا نہیں بڑھنا نکھے بال کا
راکھو مل کے ذبح یا ذرہ لگا ہڑتال کا

آرزو بندی کی خالق سے ہے اکدن مری سوت
کھائے پھل طوار کا اور پھول سنگھے بال کا

خالی کے پہنے میں وہ خالا نہیں رہتا
در گور مرے پاس رذالا نہیں رہتا

کھلتی ہے جبھی ٹھوکریں کھانے کی حقیقت
سر پہ جو کوئی چاہنے والا نہیں رہتا

کیا ڈرتی ہے ماموں سے محرم میں بھی رنڈی
موباف تری چوٹی میں کالا نہیں رہتا

اک پیٹ ہے ہمکو تو سو خطرے ہوں سہلے
مردوں پہ تو کوئی کبھی کسالا نہیں رہتا

حسن جاتا رہے پر چھاتیوں کا روپ ہے
صدقے اس عقل کے جس نے یہ بنائی انگیا

اگر باور نہیں آتا ملا کر دیکھ لو صاحب
مری نارنگیوں سے آپ کا بہتر نہیں کیلا

خدا دکھائے نہ پیٹر دکی آنچ کا صدمہ
یہ وہ جلاپا ہے ہرگز سہا نہیں جاتا

کیوں نہ جائے ہے میں باہر ہوں بھلا مغلانی
ادھڑی دو بار مگر ٹھیک نہ آئی انگیا

کوڑھ اُن چھاتیوں سے ٹپکے اسے جو پہنے
میں تو کوسوں گی مری جس نے چرائی انگیا

اب بھلی ماں سیں کیا پہنیں جو یہ پہناتیں
اپنی جبر دو ٹکو موئے کنجڑے قصائی انگیا

چپکے رہتے ہیں بھتا حرام وہ کام
ایک دو بولوں میں حلال ہوا

خدا نے پدمنی کو قوم میں ان کی کیا پیدا
بڑا ہر ایک سے رتبہ نہ کیوں سمجھیں چمار اپنا

تف اس بہادری پہ بنا مردوا ہی کنولیا
چھوڑا اکھاڑا جس نے ترا جی دہل گیا

تصویر اُن کی دیکھ کے آنسو نکل پڑے
بچہ ہی تھا کھلونے پہ آخر مچل گیا

باجی دنرات کا پھر وہی جھگڑا نکلا
کوئی گل پھوٹے گا پھر سوت کا چرچا نکلا

ہونگیں تل ہے مری مہتابی کے پھبتی ہیں کہیں
چاند کے پیٹ میں خورشید سا تارا نکلا

جان صاحب تو بہے رات کو خانم کے گھر　　مجھ نجتی نے عیبت عیش کا سامان کیا

کہے میں دیتی ہوں لڈو خانم قسم خدا کی دیکھ لینا　　نکال لونگی میں وہ نوٹ دیدے کیا کسی سے جواب اشارا

میں پاس بیٹھی تھی دولھا بھائی کے گر وہ سنتے تو مونی تٹ　　کیا غضب کیا یہ تنے مرزا جو نام لیکر مرا پکارا

رہونگی میکے میں اپنے جا کر سواری منگوا دو مجھکو صاحب　　پیا سمندر وکی بوا انٹھولی کرونگی کب تک بھلا گزارا

کھانا چرا کے خوب نہیں لانے پان کا　　منھ کی کہیں کھلائے نہ چسکا زبان کا

صرم تکیلی چھاتیوں پر کیسی سجے نئی　　انگیا غلافت جوڑا ہے یہ خاصدان کا

کسکو سمجھاؤں خرابی ہے مری دو نو طرح　　بھائی پر نہ ہے چلتا نہ خصم پر اپنا

اے بوا پتھر کا دل ہے اس مجے بے پیر کا　　تھا نکھٹو گھر میں خالق کے مری تقدیر کا

پیسا تھا پاس رہتے تھے ہر آن آشنا　　یا دور دور کرتے ہیں اے جان آشنا

کرتا رہا دعدہ تو یونہی دھوکے دھڑی کا　　مانوں گی نہ اقرار میں اب ایک گھڑی کا

چھوٹی مری کھائیگی ہری پان کا بیڑا　　منجھلی کا نہ سنجھلی کا نہ ہے بیاہ بڑی کا

تاک کٹوا کے میں منڈوا دونگی بی سوت کا سر　　دشمنوں کا مٹے بیکا اگر اک بال ہوا

نامرد ہے نہ جورو سے اب تک خبر ہوا　　قربان اس حیا کے ہوا سال بھر ہوا

سوکھا سوکھا گورا گورا　　کملو کا گھر والا ہوگا

کھلا جنگل میں آکر حال ان چڑیوں کی چوں چوں ہو چکا　　ہر اک عاشق کو دیتی ہیں یہ پرسا اپنے مجنوں کا

لگیا ہے نہ کوسا کسی کل جبھی کا ظالم　　ہونا ارے مشہور بلا کو نہیں اچھا

جو خصم ہے لٹورا کہتی ہوں اسکے حق میں　　چڑیا حلال کر دے مجھکو ثواب ہوگا

دل جلی کو کھو جلی مانگ جلی دکھیا ہوں　　ٹھنڈا کرے گا تجھے اد ہی جلانا میرا

تم اگر دوگے نہ تن پیٹ کو روٹی کپڑا　　کیا خدا کے بھی نہیں گھر میں ٹھکانا میرا

بچی کے واسطے جو کھلونے منگائے ہیں　　گھر والا گور کو کتا ہو تحفہ نہ ہو گیا

مجھے نفرت ہے صورت سے نگوڑے جان صاحب کی　　وہ اسکی شکل کیا ہے لے بوا قربان کی صورت

ہے دوالی سے سوا آپکا دن آج کی رات　　گھر سے نکلو نہ ذرا آج کا دن آجکی رات

صبح کو دیکھا ہے منہ شام ہوا کا میں نے　　خیر سے کاٹے خدا آج کا دن آجکی رات

تیسرے دن نہیں جاتے ہیں کسی کے گھر سے　　اور رہ جاؤ بوا آج کا دن آجکی رات

جو دال دلیہ ہو وہ بے میسر مجھے دکھائیں　　بھائی کو بھابی کیا ہو کمائی کی احتیاج

نشہ میں تاڑی کے جو رو کو مارا بھڑوے نے　　نکل گئی مری بچی کی اک کٹار میں روح

جیتے جی بنو ہی کو اللہ دکھا دے سہرا　　مجھکو کیا لوگو جو گھر اسکا بسا میرے بعد

سچ میں کہتی ہوں نبی بخش برا ہے داماد　　رکھے عزت مری بچی کی خدا میرے بعد

قبر میں روح کو صدمہ مری ہوگا مرزا　　سوت بچو پہ اگر ہو گی خفا میرے بعد

کارخانے میں خدا کے ہے کسے دخل بوا　　بچہ تم پہلے جنیں بیاہ ہوا میرے بعد

رنگیں کی ریختی ہے سخن میر اریختہ　　فتنے کو فوق کیوں نہ ہو اسے باجی قمر پر

جھجھر میں باجی آیا مسلمان تھا کمہار　　یہ حال اسکے گھر کے نظر آئے زور پر

دلوایا شب برات میں مردوں کا فاتحہ　　لوٹے گھڑے پہ بدھنی پہ ٹھیکے مٹھور پر

نہ دیکھ دولہا کو ساس نندوں کے آگے گھونگھٹ اٹھا اٹھا کر　　نئی نویلی دلہن ہو بچی ابھی تو دو چار دن حیا کر

نکاحی بیاہی کو چھوڑ بیٹھے متاعی رنڈی کو گھر میں ڈالا　　بنایا صاحب امام باڑہ خدا کی مسجد کو تم نے ڈھا کر

کریں وہ جہیز قرض پا اتنا کہ ان کے گھر میں نہیں چٹائی بچھوں　　کروڑوں میں نے بگاڑ ڈالے گھروندے ایسے بنا بنا کر

لگائی سوسن نے الہی مسی کہ جیسے بطخ نے کھائی کیچڑ　　کسی نے مارا ہے منہ میں پتھر نہیں تو آئی ہے پان کھا کر

خدا نے چاہا نہ ٹھنڈے پیٹوں رہے گی سوت کیطرح جیتی　　چلی ہوں دنیا سے جلتی بھنتی اسی نے مارا جلا جلا کر

نصیب اسیدھا اگر رہے میرا تو جیتے نکلے گی کھاٹ اسکی　　وہ سمجھے نہ پائیگی جسنے بھیجا ہے الٹی پٹی تمہیں پڑھا کر

ہوئیں بڑھیا جوانوں سے لگے کا تنکا ہوں　　اب بھی یہ کٹنا چھری ہے مرے دو چار سے تیز

سوت سے گالیاں نہ کھلواتے　　تمکو ہوتا جو کچھ بھی میرا پاس

کیا زمانہ برا ہے اچھی بی　　کوئی کرتا نہیں کسی کا پاس

ماں سے ہمکو سوا ہے پیاری ساس ‌ ‌ ‌ باجی دنیا ہو اور ہماری ساس

جو ہیں ان کے کھلے ہیں ہو دل پر ‌ ‌ ‌ چھریاں تندیں ہیں ور کٹاری ساس

بولوں بڑھ کر تو ذبح کر ڈالے ‌ ‌ ‌ ہے وہ جلادنی ہماری ساس

کافی ہے نیک بخت کو بی جان ایک ‌ ‌ ‌ کسی کو دو چاہیے دو چار کی تلاش

آج مجھسے ہے تو کل اور سے مرزا اخلاص ‌ ‌ ‌ ایسی ہرجائی سے ہو نیت تمکو ذرا اخلاص

کوشش بہت سی کی نہ شاپر دونوں کا پھیر ‌ ‌ ‌ لاچار جان ہو گئی ایام سے غرض

کیا باجی بیٹھتا وہ نکھٹو بھلا مجھے ‌ ‌ ‌ جسنے نہ پوچھی بات کبھی در کنار خط

ککڑی کے چور کا نہیں کرتا ہے کوئی خون ‌ ‌ ‌ مہندی کے چور پر کیا تم نے ستم غلط

گالی جو منھ سے نکلی ہو کالو مری ہاں ‌ ‌ ‌ تہمت لگا رہی ہے تمہاری حرم غلط

ہر گھڑی آگے جیٹھانی کے منھ چڑھتی ہے ‌ ‌ ‌ ایک دو بار کروں گی نہ کہ سو بار لحاظ

نرگس سفید پوش تھی بیمار ہو گئی ‌ ‌ ‌ اوڑھا دوپٹہ اوڑھ کے سوسن نے باغ

ایسی ہرجائی سے بی کون نباہے خانم ‌ ‌ ‌ کبھی مجھپر کبھی تجھ پر ہے مرزا عاشق

جو نہ ماں باپ کا اپنے ہو مانی سمجھے ‌ ‌ ‌ اوہی کیا ہوگا وہ جورو کا مرزا عاشق

بذالتہ تو نشا ہو گی آئے ‌ ‌ ‌ اب تو نام خدا ہوا ہے عشق

چلتا نہیں ہے زور مجھ میں ان سے کچھ ‌ ‌ ‌ عزت یہ جسکی چاہے بگاڑا کرے دل

لاڈو یہ جی میں آتا ہے دوں نکال لوں ‌ ‌ ‌ کیا خوش ہوا ہے دیکھ کے تیرے انشاء دل

ساس نندوں پر ہیں خدا لگتی کہوں گی بیٹی ‌ ‌ ‌ پاس مرزا ترا اراد ہو کرتے ہیں

تماشے کرتی ہے کی تمہاری پھرتی ہیں ‌ ‌ ‌ میں صدقے دیکھو ابھی پیاری سے پاس کی پتی

ملا تھا ایک ہی پلی کو اسے دو جھول ‌ ‌ ‌ ہزاروں آپس سے تو وحشی ہمارے بھٹکے ہیں

الہی جو مرے بدنام میرا نام کرے ‌ ‌ ‌ انھیں کی ننھی بڑی کو مرے غلام کرے

اکیلی جاؤ مسجد میں طاق بھرنے کو ‌ ‌ ‌ دوگانا جان تمھیں جھک کے ہم سلام کریں

عجب طرح کی سجی دیکھیے اس نامنے کے
نگوڑے سوم کی پگڑی اتار لیتے ہیں

بجلی گرے الٰہی مہاجن کی جان پر
کیا پڑ گئیں کھٹائی میں کانوں کی بالیاں

سنتی ہوں ایک روز بلاتی ہیں مردوا
کیا نیک بخت ہیں مرے ہمسائی والیاں

جیسے بھاتے ہیں مجھے باجی تمھارے ہاتھ پاؤں
گورے گورے ننھے ننھے پیارے پیارے ہاتھ پاؤں

مردشے کھاتی ہو جیں تیسوں کلاموں کی قسم
تیرے بن پوچھے گئی ہوئیں جو اک بار کہیں

جا کے سسرال میں دلہا سے صنم خانم تو
پہلے ہی روز نہ کر بیٹھیو اقرار کہیں

میری ماما نے نکالی ہے نئی مجھ سے چھیڑ
بھیجتی ہوں کہیں جاتی ہے یہ مردار کہیں

لپنے گھر والے کی وہ جا کے خبر تو لیویں
ان کے بہلنے زیادہ نہیں درکار کہیں

بیاہ خانم کا تو کر دینے کو تیار ہوئیں
باجی کوڑی کا سہارا نہیں لاچار ہوئیں

میں پڑی کیا اسیر کے گھر میں
پھنس گئی بوڑھی بھنبھل دلدل میں

ایجان لکھنؤ سے نکل جاؤنگی میں اب
اوقات مجھ بختی کی ہوتی بسر نہیں

سید الکل کہے ہیں بوا کائنات میں
لیکن سمائی سب کی ہیجڑوں کی ذات میں

مری ہی جاتی ہو تم مجھ سے عقلمند نہیں
میں بات چیت میں لقمان سے بھی بند نہیں

نہ شوق گانے کا مجھ کو نہ ہے بجانے کا
اسی سے حسن مرا مردوے لپٹا نہیں

بڑھیا کے بوڑھے چہ چلو نہر دکیا مرے
اتری ہوئی کمان ہیں بے پر کے تیر ہیں

آنسو نکلی جب جھڑی لگتی ہے دم بھر ہے
دل نگوڑا بن گیا جھینگر برساتی ہیں

ڈھونڈھتی پھرتی ہیں ہمسائی کرایہ کا مکان
جیسا دلی کا گھر بستی بیچ کر بیٹھاتی ہیں

خصم چھڑا کے موے دل نے یار کروایا
کیا اسی نے ہے یہ راہ دی ہے مجھکو

نہ جاؤ تم پڑو چولھے میں بھیجو مرے بھائی کو
لگے ہیں درد مری ہول بلا لائے وہ دائی کو

الٰہی کوڑھ ٹپکے ایسی منافقی کی باتوں میں
کرنے کے کر دیا غارت مری انگیا کے بانڈو کو

جان صاحب نہ ہونے دونگی بچی کو سوار
دل اڑا کیا سوتے تھے لائے ہو سواری رات کو

سوت کی چھٹی نہ کھائی بانجھ دنیا سے چلی
دل ہی میں میرے رہ گئے افسوس ارمان دو

چھنکار کے منہ پہ برستی ہے چل پیچھے
منہ اپنا دیکھ مردوے منگوا کر آئینہ

مسجد کا طاق بھرنے لنگوٹی چلے گی کب
کیا فرض ہے دوگانے کو کرنا سنگھار بیچھ

خوب گن سیکھے کواری کھیلکر جیش کے ساتھ
رات کو مسی مل اندھیرے ہے سوہن کے ساتھ

....

دوسری مجھ سی لٹے صدر میں چھاتی پھٹ جائے
میں بھی برباد ہوئی اس مجھے ناشاد کے ساتھ

شمع افروز کی بی چھایا تیغیر پھبتی کہوں
تیل پانی کے کنول آج ہیں دشمن دیکھے

ہے درشہ کا جھگڑا ہے سو چھوٹی سمانی
دو چار بڑے اپنے ہوں دو چار کھلائے

ڈر لگے کیونکر نہ ان دونوں کی مجھ کو چال سے
چھوکری اندھی ہے لڑکا کم سن ہے چھنال ہے

ریختی پڑھ کے بڑھاپے میں سنگ لیے ہوا
جان صاحب کی ابھی دیکھ حماقت نہ گئی

تانبے کا تار لانا نہ اک دن ہوا نصیب
سونے کا لے گئے مرا زیور اتار کے

حلوائی کی دکان کی پھبتی نہ کیونکر کہوں
دن رات آسمان مٹھائی کا تھال ہے

کیا ہو گا گل ہزار کھلا ہے ہوا بہار
میں پات پات ہوں جو اگر ڈال ڈال ہے

کھلوا نہ ٹھوکریں مجھے دل دربدر مجھے
رسوا نہ کر ذلیل نہ کر گھر بدر مجھے

باتھن یہ مجھ سے کہتا ہے تو بھی پیار کے
پھندے میں تم پھنسو گی اب تین چار کے

منگا دو مجھے ڈولی میکے کو جاؤں
تمھارے لئے کچھ برائی نہ ہوگی

جعفر۔ مرزا حسن بیگ نام تھا۔ نواب عمدۃ الملک امیر خاں کے (جو عہد عالیجاہ کے ایک بڑے امیر تھے) متوسلین میں تھے رفتہ رفتہ تقرب شاہی حاصل کیا اور محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں منصب سہ ہزاری پر فائز ہوئے۔ نہایت ذکی الطبع اور ذہین تھے۔ طبیعت میں ظرافت کا جوہر خداداد تھا۔ والسنہ نہ کہتے تھے تب بھی وہ مذاق برتنے سے شعر سے بھی آشکارا

ہو جاتا تھا۔ یہ تین شعر اسی قسم کے ہیں۔ جو نمونہ کلام کے طور پر درج کرتا ہوں زیادہ کلام نہ مل سکا مجبوراً انہی پر اکتفا کی گئی۔

بلبل کو باغباں سے رہے نت کھٹا پٹی — تا صبح کیوں نہ ہووے چمن بیچ چٹا پٹی
آنچھ نین میں بس کہ نباہے ترسے لئے — یہ چشمہ سیاہ و سفید و پٹا پٹی
پڑوے کیوں نہ ہر اک بات میں کوئی وہ جھٹپٹی — صفا دانتوں کی روشن سب سی نہیں تبسی

جعفر زٹلی ۔ میر جعفر نام تھا۔ اسمیں اختلاف ہے کہ دہلی کے باشندے تھے یا نارنول کے۔ بہر صورت عہد عالمگیر کے دور آخری کے نامی گرامی ہزال تھے۔ اور ہزال بھی اس زور کے تھے کہ اُس زمانہ کے بڑے بڑے جید اور مشہور شعرا بھی آپ سے کانپتے۔ آپ کی حالت یہ تھی کہ جس کسی امیر یا رئیس کے ہاں ملنے جاتے تو پہلے ہی سے ایک کاغذ پر میزبان کی مدح اور ایک پر ہجو لکھکر پاس کا ہے رکھ لیتے۔ منزل مقصود پر پہونچکر حسب دلخواہ خاطر تواضع ہوتی کچھ اُن کی نذر بھی کیا جاتا تو فہو المراد۔ ورنہ غصہ کے تھرمامیٹر کا پارہ چڑھ جاتا تھا۔ وہ ہجو کا پرچہ نکالکر پہلے اس شامت زدہ کو خود سناتے اور پھر اسکی اس زمانہ کی رسم کے مطابق اشاعت کرکے اس غریب کی اتنی رسوائی کرتے کہ منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔

ایک مرتبہ ملا عبد القادر بیدل سے ملنے گئے۔ وہ ایک قدیم وضع کے درویش نیک سیرت ساکت خوشمزاج شاعر خوش فکر تھے۔ آپ نے پہلے ازراہ کرم نوازی پہلے تو کچھ بیدل کا کلام سنا۔ طبیعت محظوظ ہوئی تو خود بھی کچھ کہنا چاہا۔ بیدل نے اجازت دیدی۔ آپ نے کچھ مدح کرنے کا قصد ظاہر کیا۔ بھلا ان کو روک کون سکتا تھا کسکی شامت آئی تھی بیدل نے اشارۃً یہ بھی بادل ناخواستہ منظور کرلیا۔ آپ نے کچھ مدحیہ شعر پڑھے جن میں کا ایک مصرع یہ بھی ہے

ع۔ چہ عرفی چہ فیضی بہ پیش تو پشم۔

بیدل ایک متین بزرگ تھے سنتے ہی عرق شرم میں نہا گئے اور کچھ دے دلاکر

اِن کو ٹال دیا۔

میر جعفر نے ابو اسحاق اطعمہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ چونکہ وہ بھی ایک پرانے ہزال تھے لہٰذا آپ نے وہیں سے یہ رنگ بھی اخذ کرلیا۔ اور اس میں ایسے کامل الفن ہوئے اور اُن کی شاعری اور ہزالی کا ایک خاص معیار قرار پا گیا۔ جسکے لئے بہت سے نقادوں کا خیال ہے کہ انھیں کے ساتھ ختم ہو گئی۔ کیونکہ جہاں اُس میں فحش اور لایعنی باتوں کا ہجوم ہے اور کانٹے کی طرح پڑھنے والے کی آنکھ میں کھٹکتی ہیں اسی طرح اسمیں بعض نظمیں ایسی ہیں جو ظرافت کے ساتھ اخلاق و انسانیت کی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ ہیں مگر افسوس کہ ہزل گوئی کی شہرت نے اُن جواہرات کو ماند کر دیا۔ اور صرف ہزل میر جعفر کے نام سے مخصوص ہو گئی۔ جیسا کہ بیان کیا گیا کہ انھوں نے ابو اسحاق اطعمہ سے ابتدائی تعلیم کی کتب پڑھیں۔ مگر اتفاق کی بات ہے کہ ابو اسحاق پہلے استادوں کے موافق ایک جابر استاد تھے۔ ہر وقت لڑکوں پر تشدد کرتے تھے۔ لڑکے اس روز کی نادر شاہی سے عاجز آ گئے تھے ایک مرتبہ اپنے استاد بھائی میر جعفر زٹلی سے شکایت کی۔ یہ بھی استاد کے ستم دیدہ اور آفت کشیدہ تھے فوراً انتقامی کارروائیوں کے واسطے تیار ہو گئے۔ قلم کا جانستاں حربہ سنبھالا۔ اور استاد کے دل پر وہ کاری زخم لگائے جنھیں کوئی مرہم کبھی نہ بھر سکا۔ یعنی پہلے تو ایک نظم "بھوت بڑا ارنامہ" کے عنوان سے لکھی پھر اور کچھ لکھا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مولوی صاحب کو خبر ہوئی۔ اور اچھی طرح تحقیقات کرنے کے بعد میاں جعفر کو بیک بینی و دو گوش اپنے مکتب سے نکال دیا۔ میر جعفر نکل تو گئے۔ مگر سمند نازک کو اور تازیانہ ہوا۔ گویا بارود میں آگ لگا دی فوراً ایک ہجو نامہ لکھا۔ جسمیں مولوی صاحب کی جی کھول کر ہجو کی گئی تھی۔ اس کے ابتدائی بند یہ ہیں۔

کہتا ہوں ہجو سے نامے کو نادر سخن ستی
سُن مرحبا کہو گے مجھے اس بچپن ستی

مشہور ہے یہ بات کہو سے زمن ستی
ہجو سے کو شیخ جی نے دغا دی الخمن ستی

تس کا کروں بیان نوجیان دتن ستی

یہ ہجو اتنا مشہور ہوا کہ شہزادہ کام بخش کے کانوں تک پہونچا اور میر صاحب طلب ہوئے۔ چونکہ نظم میں ہجو کے ساتھ ہی ظرافت کی خوشگوار چاشنی بھی موجود تھی۔ اسی کے اثر سے خوش ہو کر شہزادہ نے مورچھل کی خدمت میر جعفر کو دیدی۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ جعفر زٹلی نہایت اچھے شاعر ہیں تو شہزادہ نے امتحاناً ان سے ایک غزل کی فرمایش کی انھوں نے تعمیل ارشاد کی اور غزل کہی جس میں کے ایک دو شعر یہ ہیں۔

از عاشق بیچارہ مکن نخرہ و گھونگھٹا　　تا کے بود ایں گرمی بازار جو ہے تو
تا چند کنی عشوہ بریں رنگ گلابی　　یہ رنگ پتنگے کا اڈن ہار جو ہے تو

شہزادہ نے غزل پسند کی اور اسکی بدولت میر صاحب کی شہرت ایک سے دو چند ہو گئی مگر خالی شہرت سے کام نہیں چلتا ضرورت تھی کہ نقد و جنس سے کچھ ان کی امداد کی جاتی مگر ایسا نہ ہوا۔ میر جعفر کا دل تنگ ہو گیا اور اب ان کو مورچھل کی خدمت بار ہو گئی انھوں نے فوراً اس خدمت کی ہجو لکھی جس کے چند شعر یہ ہیں۔

توبہ ازیں وسوسۂ مورچھل　　دمبدم از دمدمہ جاں در خلل
توبہ ازیں مسکن روزن فراخ　　روز و شب آوازۂ پھس پھوں پٹاخ
توبہ ازیں مسکن پر شور و شر　　مرحلہ پر خطر و خوف و ڈر
پر خس و خاشاک بہ سر نوکری　　نزد خرد بہتر ازیں نا نوکری
جعفر ازیں کوچہ و ریں مورچھل　　شرم حضوری بکن و لوٹ چل

شہزادہ کو جب اس ہجو کا حال معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوے۔ جب ان کو یہ خبر ہوئی تو انھوں نے شہزادہ کو سوئے ڈالا ہجو لکھی اور دل کھول کر لکھی ایک شعر یہ ہے۔

زہے شاہ والا گہر کام بخش　　کہ ہیچی بزد کرد و ہیچی و بخش

اس کے بعد نوکری سے بیزار ہوے اور دکن کی طرف چلدیے مگر بدقسمتی ہر جگہ ساتھ تھی یہاں بھی روزگار نہ ملا تو جھنجھلا کر یہ غزل کہی۔

تنہا شدی اندر سفر کہہ جعفر اب کیسے بنے
افتادی اندر بحر و بر کہہ جعفر اب کیسے بنے

در بیکسی تا بودہ با درد و غم آلودہ
مفلس شدی و در بدر کہہ جعفر اب کیسے بنے

از ہجو آں سلطان خود کردی پریشاں جان خود
درماندہ بے بال و پر کہہ جعفر اب کیسے بنے

اسباب غم پرداشتی تخم فلاکت کاشتی
اکنوں کجا آں سیم و زر کہہ جعفر اب کیسے بنے

اتفاق سے جس زمانہ میں یہ پریشان روزگار دکن کی خاک چھانکتے ہل ہانکنے کو دوں ہانکتے پھر رہے تھے اسی زمانہ میں نواب کو کلتاش خاں ستارہ کی مہم پر گئے۔ جعفر نے اس موقع کو غنیمت جانا اور نثر کا ایک رقعہ لکھا نواب پر بڑا اثر پڑا۔ اپنے یہاں ملازم رکھ لیا مگر صرف کھانا ملتا تھا۔ نہ کپڑا مقرر ہوا۔ اور نہ کپڑا بنانے کے لئے کوئی پیسہ ملا۔ مجبوراً ایک منظوم عرضداشت لکھی ہے

زخان جہاں شاہ گیتی پناہ
زبیداد جوآں زطل داد خواہ

جوآں پڑ گئیں در قبا و ازار
نپٹ آئی مشکل یہ دل کی دیار

رکت کی چوپیا میری پیاسی پھریں
کہ حیران و ہلکان مجھکو کریں

لہو میرا پی پی کے موٹی ہوئیں
بغل بیچ دشمن مری ہو رہیں

جواں مارتے مارتے شب گزشت
ولیکن جوآں از میاں کم نگشت

خیر اتنا ہوا کہ یہ عرضی منظور ہوئی اور کپڑے بنوا دیئے۔ مگر چند روز بعد اور اسباب پیش آئے اور یہ وہاں سے بھی جدا ہوگئے۔

میر صاحب کی زندگی نہایت مفلسی اور مفلوک الحالی پریشان روزگاری میں بسر ہوئی۔ مگر وہ زمانہ کی زبردستیوں سے عاجز آکر کبھی پر پیچ نہ اٹھتے تھے۔ بلکہ نہایت آزادی اور خوشدلی سے ان تمام سختیوں کو برداشت کرتے تھے۔ اسیطرح اُن کا مشغلہ شاعری خاص کسی کی مدح و ذم کا پابند نہ تھا۔ وہ ذاتی خصومت کی بنا پر کسی کی ہجو نہیں کرتے تھے بلکہ بلکہ ہمیشہ اس سے تفریح و انبساط مقصود ہوتا تھا۔

اُن کی ظرافت اگرچہ ہزل کے درجہ پر پہونچگئی ہے۔ اور خوش طبعی مسخراپن کا درجہ رکھتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ مسخراپن ہو ظرافت ہو ہزل ہو کچھ ہو اس درجہ کی ہے جس کا جواب بڑے بڑے اہل کمال نہیں دے سکتے۔ اُنکے ایک لفظ میں ظرافت اور خوش طبعی کا ایک جہان پوشیدہ ہوتا ہے۔ وہ جیسے مزاح وخندہ روئی کے خوگر ہیں اتنے ہی اخلاق کے دلدادہ ہیں اور اخلاق کے نکات بھی کبھی مولویوں کی طرح بیان نہیں کرتے بلکہ اس میں بھی اپنا انداز خاص قائم رہتا ہے۔ جو کچھ کہتے ہیں ایسا کہتے ہیں کہ دلپر مسرت اور فرحت کی بارش ہونے لگتی ہے۔ اسکی وجہ خاص یہ ہے کہ گو وہ ایک مسخرے ہیں۔ رنگین مزاج ہیں۔ مگر علم وفضل وفنون سے ویسے ہی آشنا ہیں جیسے اس زمانہ کے باکمال ہوتے تھے۔ عربی اچھی طرح جانتے ہیں۔ فارسی کے ایسے ماہر ہوتے ہیں کہ اس کے ماہر کامل معلوم ہوتے ہیں اور اس بے تکلفی سے اس کو استعمال کرتے ہیں کہ یہی اُن کی زبان معلوم ہوتی ہے۔

میر جعفر کے ایسے واقعات جنپر ان کی بہت سی مایۂ ناز نظموں کا دار ومدار ہے بے تعداد ہیں جن میں سے ہم چند لکھتے ہیں۔

لطیفہ جس زمانہ میں میر جعفر کوکلتاش کے یہاں رہتے تھے ایک روز یہ اتفاق پیش آیا کہ مرزا سلیمان کی اہلیہ مرزا سے ناراض ہوگئیں۔ میر جعفر کو خبر ہوئی۔ یہ جانتے تھے کہ مرزا کی بیوی اونچے گھرانے کی عورت ہے اور یہ دبیل ہیں انھوں نے چند قطعے لکھ ڈالے جو ہجو بھی ہیں سامان تفریح بھی۔ پند ونصائح بھی۔ عزت بھی۔

جعفرا در جہاں معاذ اللہ ... ہر کہ محتاج نان زن باشد
نتواند کہ ضبط بنشاند ... گرچہ عفریت واہرمن باشد

جعفرا مفلسے کہ زن بہ کند ... آہ آں زن زنست مرد کہ خر
آرزوے دلش بہ دل ماند ... خود پے نان خراب ورسوا تر

بزن کردن در افتادم بگرداب پریشانی — دل و دین رفت و نسیان شد رہ و رسم سخندانی

بلے خوش گفتہ مصرع جعفر این از رہ فطرت — چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

مرزا سلیمان کو جب یہ خبر ہوئی تو بہت بگڑے اور کوکلتاش خاں کے پاس پہونچے۔ میر جعفر کی سخت سے سخت شکایت کی مگر انھوں نے معاملہ کو ہنسی میں ڈالدیا اور ٹالدیا۔

ایک موقع پر کوکلتاش خاں نے غنیم کو سخت شکست دی۔ اور بہت کچھ مال غنیمت پایا۔ جب مال غنیمت تقسیم کیا تو آدھا مال خزانہ شاہی میں بھیجدیا اور آدھا سپاہیوں میں تقسیم کردیا۔ بیچارے سپاہی تو تھے نہیں کہ کچھ ان کو بھی ملتا۔ میر جعفر کو سخت رنج ہوا۔ نواب کے پاس پہونچ کر کہا کہ مجھکو بھی حصہ دیجئے۔ کہا تم سپاہی نہیں۔ مرد میدان نہیں پھر حصہ کیسا۔ خیر اسوقت تو جعفر خاموش ہو گئے مگر دوسرے دن اپنا تصنیف کیا ہوا رستم نامہ لیکر پہونچے اور نواب کو سنایا۔ جو یہ ہے۔

من آں رستم وقت رو‌ئیں تنم — کہ دہ پا پڑا از مشت خود بشکنم

کنم روزن اندر چپاتی بہ تیر — برآرم دمار از سر مور تیر

کشم گردن پشہ را در کمند — مگس چند را من درآرم بہ بند

بپوشم اگر جوشن جنگ را — ہزیمت دہم پوسے لنگ را

بہ صد حملہ بال مگس بر کنم — قطار دو صد مور برہم زنم

اگر برزنم پنجہ در وال ہا — فتد ہیبت و خوف من در جہات

بدوزم بہ رمح سناں دود را — شگافم بہ چنگال فالود را

دریں دور ثانی رستم منم — بتا سا بہ گرز گراں بشکنم

بہ ہنگام خشم و ترود تلاش — کنم غرق انگشت در دال ماش

من آں شہسوارم کہ روز نبرد — برآرم بہ یکدست از پنبہ گرد

چناں بشکنم رشتۂ خام را — کہ سازم خجل رستم و سام را

من آنم کہ گر اسپ جولاں کنم — چہل خانہ موش ویراں کنم

چو قصر سازم از خنجر آبدار — بحلوا و جغرات ہنگام کار

اگر بر کشم تیغ تدبیر را — بہ بُرّم سر شیر تصویر را

تہمتن منم گر کشم تیغ خشم — تراشم بہ ضرب یک موئے پشم

نہ آنم کہ بگریزم از گوز خر — بہ گوزش کنم سینۂ خود سپر

بہ نام و نشاں جعفر دردمند — چو گوز خر آوازۂ من بلند

نلرزہ از من در آرام شوم — کنم زیر پیوستہ در کام شوم

سر ہمسکاں بر سر دار بہ — نہ بر دار بہ بلکہ در غار بہ

بترسد دل شوم از شاعراں — چو از باز و شاہین دل طائراں

چو بیند مرا شوم تکرار کند — چو از گربہ مرغے کہ کرکر کند

اگر بنگرد صورتم بخیل — گریزد چو از گردگاں زاغ و فیل

بیا جعفر ایں قصہ کوتاہ کن — بسمت جناب سخی راہ کن

اتفاق کی بات ہے کہ میر صاحب جب یہ فخریہ رجز سنا رہے تھے اُسیوقت خبر آئی کہ مغلیہ فوج مغلوب ہوکر دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوگئی کوکلتاش خاں کو بڑا صدمہ ہوا۔ اور ایسے بگڑے کہ میر صاحب کو نکلوا دیا۔ اسطرح میر صاحب کو لینے کے دینے پڑگئے۔ دو نظمیں لکھیں جن میں سے ایک میں اپنی شان استغنا کا ذکر تھا۔ دوسری میں نوکری کی برائیاں تھیں چنانچہ دوسری نظم یہ ہے۔

بشنو بیان نوکری جب گانٹھ ہوئے نوکری — تب بھول جاوے چوکڑی یہ نوکری کا خبط ہے

ہر روز مجرا آٹھ کریں در کار یکسو گر پڑیں — بے شرم ایسے لڑ مریں یہ نوکری کا خبط ہے

دس بیس مجرے میں گئے دس بیس بخشی نے لیے — دس بیس میں جھگڑے گئے یہ نوکری کا خبط ہے

ایک مرتبہ میر صاحب کے یہاں چوری ہوگئی اور کچھ بھی باقی نہ رہا غصہ میں یہ نظم کہی۔

دلاور مفلسی سب سے اکڑرہ — یہ عالم بیکسی سب سے اکڑرہ

چکن اور زر کا چیرہ پشم کر لوچ — پھٹی پگ باندھکر سب سے اکڑرہ

اگر شلوار نباشد کسکو غم ہے — لنگوٹا باندھ کر سب سے اکڑرہ

ایک دفعہ لوگوں نے صلاح دی کہ کوکلتاش خاں سے عفو جرائم کی درخواست کرو انھوں نے ہرگز منظور نہ کیا اور یہ نظم لکھی۔

اے تونگر این تحمل آبشورہ تا بکے — شربت قند و گلاب کورہ کورہ تا بکے

کج کلاہ و قرب شاہی عز و جاہ و سال ماہ — پاندان نقرہ و زریں کٹورہ تا بکے

کل شیئ ہالک جعفر زباں را بند کن — ایں سخنہائے زٹل پھکڑ لپھکوڑہ تا بکے

بادشاہ ذیجاہ اورنگزیب کو جب دکن میں فتح حاصل ہوئی تو آپ نے ایک ظفرنامہ لکھکر قصد کیا کہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کریں مگر یہ تدبیر کچھ کارگر نہ ہوئی اور دربار تک رسائی نہ ہوسکی اسکے بعد یہ توکل کرکے بیٹھ رہے دوچار شعر ظفرنامہ کے یہ ہیں۔

زہے شاہ اورنگ دہا تک بلی — کہ در ملک دکھن پڑی کھلبلی

برآورد لشکر بعید صوم و صیام — کہ ہل چل پڑی بر سر روم و شام

دریں پیر سالی و ضعف بدن — مچائی دھما چوکڑی در دکن

زہے شاہ شاہاں کہ وقت وغا — نہ ہلہ نہ ٹلہ نہ جنبد زجا

کمربستہ ہشیار میدان پہ — شب و روز تیار گھمسان پہ

اورنگ زیب کی وفات پر میر صاحب نے دو مرثیے لکھے ایک نہایت سنجیدہ ہے دوسرا اُن کے رنگ کا ہے جسکے دو شعر یہ ہیں۔

اورنگ زیب مر گئے نیکی جتک کر گئے — تخت اور چھپرکھٹ دھر گئے آخر فنا آخر فنا

ہوا خدا کی یاد میں رکھا اورنگ کی یاد میں — خبر نہیں کیسی لگی اب آخر فنا آخر فنا

اعظم شاہ کی تخت نشینی پر بھی ایک نظم ایسی ہی لکھی۔ مگر بے نتیجہ رہی۔ آخر عمر میں یہ رنگ

ہلکا ہوگیا تھا۔ اور بجائے ذٹلیات اور شوخیوں کے متین مضامین اور پر اثر جذبات زیادہ ہوگئے اگرچہ طرز بیان وہی تھا مگر پھر بھی بہت فرق محسوس ہوتا ہے یہ دو قطعے اُسی رنگ کے ہیں۔

جعفرا بر سر عروس جہاں ۔۔۔ چند پاپوش و چند کملہ بزن
زانکہ ایں ناکسے نکرد وفا ۔۔۔ بر ہمہ نقد و جنس ٹلہ بزن

تذکرہ خمخانۂ جاوید میں لکھا ہے کہ جب اعظم شاہ تخت نشین ہوئے تو شعرا کے ساتھ میر صاحب نے بھی سکہ نظم کیا اور وہ نہ صرف بادشاہ کو پسند ہوا بلکہ خاص و عام کو پسند آیا۔ بادشاہ نے انعام میں خلعت فاخرہ۔ اور ہاتھی۔ اور ایک لاکھ روپیہ دیا۔ مگر ان کے استغنا کا یہ عالم تھا کہ گھر پہونچنے بھی نہ پائے اور تمام روپیہ راستہ ہی میں صرف کردیا۔

میر صاحب کے کلیات میں اگرچہ فحش بہت زیادہ ہے پھر بھی وہ انواع و اقسام ظرافت نظم و نثر سے مملو ہے چنانچہ

(۱) گفتگو نامہ نثر جسمیں اردو کے محاورات اور ضرب الامثال کا محل صرف نہایت خوبی سے بتایا گیا ہے۔

(۲) رقعات نثر جنہیں تلازمے۔ اور طرح طرح کی شوخیوں کا وہ عالم ہے کہ دیکھنے والا دنگ رہجاتا ہے۔

(۳) عدالتی تحریریں نثر اپنے خاص الخاص رنگ میں جنہیں تلازمے۔ ظرافت شوخیاں اپنے اپنے محل پر سبھی کچھ ہیں

(۴) شرارت نامہ جسکو شاہی یادداشتوں اور تزک کے طرز پر مرتب کیا ہے۔ اور اس میں ضرب الامثال کو اس صورت سے صرف کیا ہے کہ بے اختیار تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے۔

(۵) مصطلحات زمانہ۔ یہ لغت کے طریق پر ہے۔ زمانہ کی رسم و رواج اور ضرورت کے موافق اسمیں الفاظ کے معانی بیان کئے ہیں۔ اگرچہ اسکو دیکھکر میر صاحب کے کمال ظرافت پر ایمان لانا پڑتا ہے مگر اسکی ایجاد کا سہرا غالباً عبید زاکانی کے سر ہے۔ اُنکی لغت بھی اُن کے کلیات میں

شامل ہے۔ ان کے علاوہ اور اقسام کی نثریں بھی پائی جاتی ہیں۔

حصہ نظم۔ جس میں ظرافت۔ واقعات۔ ہجویات۔ رقعات۔ دستور العمل۔ پند بیلدار ریختہ۔ نسخہ جات۔ سٹھنے۔ غزلیات۔ مورچھل نامہ۔ کچھوے نامہ مسدس۔ ظفر نامہ مرائی۔ سپش نامہ۔ تضمین قطعات۔ اُردو فارسی سبھی کچھ ہیں۔ اور ہر ایک اپنے رنگ میں لاجواب ہے۔

اگرچہ اُنکا کلام اُن کے رنگ میں سراپا انتخاب ہے مگر ضرورتاً تھوڑا سا انتخاب پیش کرتا ہوں۔ ممکن ہے کہ قطع کرنے پر بعض ناظرین کو تاہ قلمی کی شکایت پیدا ہو۔

انتخاب دستور العمل نظم

ہر زن کہ باشد جنگجو ۔ در چال مٹکے مو بہ　　دارد بہ شوہر گفتگو اس نار سے انکار بہ
جورو لڑاکا گر بود بر خوش دڑا گھر بود　　وہ گھر سدا ابتر بود اس گھر سے گنگا پار بہ
جو نار پچکے چال میں سسکی بھرے جال میں　　کالا تو ہے کچھ دال میں از قرب او زنہار بہ
جو رانڈ ہو کاجل کرے جو نئے چھٹے پر من دھرے　　چوڑی پہن مہندی کرے بر گردنش تلوار بہ
گھوڑا جو اسواری نہ دے صاحب طلب ساری نہ دے　　بیٹا جو وہ یاری نہ دے این ہر سہ تن فی النار بہ
سسرا جو ہو دل تنگ جی ہمسائے خوش جنگ جی　　داماد سے بیرنگ جی اس سے سگ مردار بہ

جعفر بہ بوستان جہاں دم غنیمت است　　شادی نصیب گر نشود غم غنیمت است
دو پیازہ و کباب نہ باشد اگر ترا　　زاں ساگ خام بھجیہ شلغم غنیمت است
گر اسپ صبا نبود رو بہ کار تو　　یک خچر گدہری پالم غنیمت است
آواز شیو برہ نرسد گر بگوش تو　　آواز بول بیگم و خانم غنیمت است
تربوز و خربزہ نبود گر میسرت　　یک سبز پیاز ککڑی و بالم غنیمت است

ہجو مرزا خدا یار بیگ

زہے قدرت پاک پروردگار — کہ مرزا خدا یار مارا پچھاڑ
کروں اب خبر شہرو بازار کو — لگی آہ میری خدا یار کو
خدا یار پر صبر میرا پڑا — کہ تالاب پر یہ بکھیڑا پڑا
بدست حریفاں گرفتار شد — بہ پشت و سرش مشت و پیزار شد
چہ مرزا چہ رفتار و گفتار او — چہ آواز پیزار و دستار او
تڑاتڑ سڑا سر لگی لا گئے — مٹک چال مرزا لگے بھاگنے
پکڑ باندھ کر جب مرنڈا کیا — کشنداس کا تال گنڈا کیا
ور لیا چہ صورت چہ دستار او — چہ پا جامہ چوڑیاں دار او
چو این ماجرا جان بابا شنید — دوا دو دوا دو پیا پے رسید
زہے جان بابا شرافت مآب — کہ کوا چھڑایا لگڑ سے شتاب
جہاں میں کروں آج میں بو مڑی — کہ گیدڑ کے منھ سے چھٹی لومڑی
خدا یار مسکیں دہا دہم کٹا — بلیا کے پنجے سے چوہا چھٹا

ہجو مادھوداس چوکی نویس

سگ لینڈی از وے نکو تر بود — کہ از عفت عفن مردرا ڈر بود

مدح شاہزادہ محمد کام بخش

سزاوارے خداوند گیتی پناہ — توئی وارث و مالک تخت و جاہ
بدرگاہ تو ہر کہ کھٹ پٹ کند — خدایش بیک لحظہ چٹ پٹ کند

جو تجھکو برا من میں جیتا کرے — غپا غپ شپا شپ کے پالے پڑے

من از ضعف چوں چوپی دکھو سیم — نہ چوری سر اٹھیل منگلو سیم

مرا طاقت ٹکراو کجا است — تن و توش آنکس چو کالی گھٹا است

ایک مرتبہ قمر النسا بیگم نے میر صاحب کو اپنے دیوان کی معرفت تیس روپیہ انعام دلوائے
اُس نے صرف پانچ دیئے باقی خود خورد برُد کر دیئے انھوں نے ہجو کہی جس کا یہ اثر ہوا کہ
قمر النسا بیگم نے اپنے دیوان فتح علیخاں کو بہت ڈانٹا اور میر صاحب کو پورا روپیہ دلا دیا ہجو
کا ایک شعر یہ ہے ۔

دلائے تیس لیکن پانچ نکلے — فتح خاں کی الٰہی ۔۔۔۔ نکلے

مدح حسنِ معشوق

جعفر چہ بسی باشد وکس یا نگی ہو گا — بر حُسن تو جبریل گرفتار جو ہے سو

با تیرِ انا کافی دبرچھی تغافل — امروز مجھے مار نہ اے یار جو ہے سو

جوانی کے جانے کا غم

دریغا کہ جوبن چلا روس کر — اَلَلّے تَلَلّے کا گھر موس کر

ارے ہائے جوبن چلا جائے رے — چہ چارہ کنم ہائے رے ہائے رے

مرا عشق و اٹکھیل بن از تو بود — شب و روز البیل بن از تو بود

طفیل تو بود ایں کلیل و چھلانگ — بسیل تو بود ایں الول و ترنگ

جوانی نہ من چوں شنید ایں بیان — بکو گفت در گوش ہوشم عیاں

کہ اے گل ٹپڑو بیج ہر دکھ پال — توئی میزبان و منم میہمان

ندانی کہ مہماں نگیرد قرار — بجز ایک شب یا دو تا دو سہ چار

برو صبر کن با بڑہا پا پسانہ — ازیں پس مکن پایہ غفلت دراز
بڑہاپا بود مغفرت خواہ تو — رود تا لب گور ہمراہ تو
جوانی و جوبن پڑو بھاڑ میں — کہ آخر ٹھکانا اسی غار میں

تصوّف

در تمام و قعود از کشش نفس مخور غوطہ — در خدمت حق بازی کنکوہ نباشد
دارد خبر از لذت چپ چاپ عبادت — آنکس کہ شکم سیر بہت کہوہ نباشد
بر تہیہ تنا تہیہ تنا تہیہ ستہ دل — تارشے تو فردا چو سیہ توہ نباشد
بے سود بود توبہ بہ پیشی و بہ پیری — منظور چنیں توبہ پچسلوہ نباشد

مدح عالمگیر

زہے حکمت شاہ اورنگ زیب — کٹا دے لڑا دے بہ فن و فریب
نقارے دماموں سے دھول دھول کیا — بہ سرناہ کرنلے پھول پھول کیا
عجب اوٹ این کوٹ بیجاپور است — کہ ہر برج او مثل بہنہ مور است
چہ گویم ازیں قلعۂ بے لگاؤ — کہ انگشت را نیست در وے تکاؤ
لگا کوٹ کو مورچہ جاسے کر — نکالا سکندر کو انگلاسے کر
زہے بادشہ اوجٹ و د لپوکپوت — بلی و دلی نعمت چار پوت
ازیں چیں بیٹے نپٹ ناخلف — پسر خود خلف بہ و گرنہ تلف
وگرنہ چہ یارا حسن شاہ را — کہ گرداند امر شہنشاہ را
مگس را چہ طاقت کہ با شاہ باز — بہ ہیچا در آید بود کینہ ساز
چہ پشہ کہ با شیر پہلو زند — چہ پسو کہ با اژدہا پہو زند

چہ خشخش کہ باز ہرہ و مشتری — بہ نخوت زند دعوئ ہمسری
چہ گیدڑ چہ لڑی بہ پیش پلنگ — چہ جھینگر چہ پھی بہ پیش نہنگ
چہ جھل کہ دعوای رائی کند — چہ کھٹمل کہ پرچار پائی کند
چہ قطرہ کہ سر بار دریا شود — چہ ذرہ کہ اغیار بیضا شود
چہ جھینگر کہ برکوہ چکر زند — چہ مینڈک کہ بر فیل ٹکر زند
چہ جمشید شوزہ چہ عبد الرؤف — کہ دیکھئے مٹا تھوک سے چوں حروف
چہ مدناجی پنڈت چہ مرزا خلیل — بیک دھار پیشاب گردد ذلیل
در آفاق بسیار چکر زدم — بہ ہفتاد و دو فرقہ ٹکر زدم
باین حسن و سیرت چو تو دلنواز — ندیدم دریں سیر گاہ مجاز

سپش نامہ

حضور جہاں شاہ گیتی پناہ — زبیداد جوّاں زٹل دادخواہ
جوئیں پڑگئیں در قباؤ ازار — نئی آئی مشکل بہ دلّی دیار
آدھی رات تن بیچ اٹھی کلبلی — چو دیدم کہ فوجاں جوانکی چلی
لڑائی پڑی جوّاں سے وقت رات — جُواں کا چلا منھ چلا میرا ہات
جواں مارتے مارتے شب گذشت — ولے یک جُواں از میاں کم نگشت
کڑوروں جُوئیں اور اکیلا منم — دونوں ہاتھ سے تا کجا میزنم
کہ در رقبہ ایں قبا و ازار — پھرون کھیلتا ہیں جو دل کے شکار
بڑا پہلوان است افراسیاب — کہ از زور جوّاں خورد پیچ و تاب
جورا کا سس جوّاں کند ترک تاز — شود سرنگوں طرّہ طرہ باز
جواب افضل خان صدر الصدور — جواں مارنے میں نرکھیں شعور

محمد امین خاں بڑے سار دھول | جو ان سے گئے چوکڑی مار بھول
جوشہ داد خاں جی بڑے شرع دار | یہ پیش جواں کھول ڈاریں ازار

جوانی بگزرد در عسرت حال | بہ پیری پیش آید دولت و مال
بنزد جعفر مسکین سخندان | بداں ماند کہ پس از بعد انزال

جعفر زرکوب اصفہان کے رہنے والے تھے - بے انتہا ہزال اور مسخرے تھے مگر یہ دو شعر مل سکے -

از خرام آن صنم تنہا نیاید از من آب | میکشد زاندازیک غربالِ ازروئیں آفتاب
چوں برد حاصل کس از وصلش کہ ہچوں آسیا | سے جہاند از من او دجالت گرد یدن آب

جگت - جگت موہن نام ہے الہ آباد کے رہنے والے قوم کھتری سے ہیں قریب قریبا ۳۲ - ۳۳ سال کی عمر ہو گی پہلے ریلوے کے دفتر میں ملازم تھے اب بینک میں ملازم ہیں - شاعری کا ابتدائی عمر سے شوق ہے اور اب بہت اچھی ظرافت کہتے ہیں اگرچہ ظرافت میں پختہ مشقی اور مراعات النظیر ضلع جگت نہیں پھر بھی اشعار نہایت شگفتہ ہوتے ہیں - بعض بعض ظریفانہ گلدستوں میں آپ کا کلام چھپ چکا ہے - بعض رسالے بھی آپ نے ترتیب دیئے جو طبیعت کے لگاؤ کے موافق تمام ظریفانہ رنگ پر مبنی تھے انھیں سے آپ کے کلام کا انتخاب کیا جاتا ہے - کلام میں بسبب عدم پختہ مشقی بعض بعض جگہ خامیاں پائی جاتی ہیں - مگر عیوب کو فروگذاشت کرنے کے بعد نہایت عمدہ انتخاب باقی رہ جاتا ہے - دہوڑا -

بڑے بھنسار ہولی کے جو بھیّا ہم سے ترپائن | ملّوا کھچ کے لوّا کے ہاتھن ہمکا ملوائن
بڑی کھاتر سے ہمرا ہاتھ پکڑا لیگئے بھیتر | بچھونا پھر رسوئیاں ولے کرے پان وہ کھوائن

گلوری دان چاندی کا کہیں بھگواسے لے آؤ   دسا ور پان ماں بھوجی سے کہتہ لکھوب لگوائین
کچوری پوری بڑی دال موٹھا ور پھرفی بیکوانے   پڑ گیا اور پیریا گھر میں اپنے کھوب پکوائین
اگرچ ہم کہہ سکت ناہیں بڑی کھاتر بھی ہمری   ہمیں تو پیٹ بھر کے اچھا اچھا کھانا کھلوائین
بدل لہنگا دوپٹہ بھوجی گا تن یاری بلوائن   ہماری گود ماں بھٹلاسے کے گانا بھی سنوائین
عبیر اور بتاسب رکھارہا بھر بھر کے تھریا ہیں   ملن بھرے بھی گلوامال اور اپنو منھ میں ملوائن
منگائس دارو مہوا کی بہت اچھی ہی اک بوتل   بڑے ہی سوک سے بھر بھر کے گلہڑ ہمکا پلوائن

خدا غارت کرے اس کشتہ زن کو   نہ نکلا ٹاٹ کا ٹکڑا اکفن کو
ہمہ تن یاس کر دیا تو نے   ستیاناس کر دیا تو نے
دونوں رخسار عنایت کریں اک بوسہ   اب مرے واسطے سرکار سے چندہ ہو جائے
دیہکاکے بوسہ لوں گا رخ رشک مہ کا   چندہ وصول ہوتا ہے صاحب یاد رہے
جہاں بارش کمی کرتی ہو کہیو اپنے دہقاں سے   کہ اپنے کھیت پر لیجائے میری چشم گریاں کو
چشم نے میری اشکباری کی   کاشتکاروں نے کاشتکاری کی
ایک دن رو دیا بڑا سے امتحاں میں ناتواں   سو سمندر سا ٹھ نالے لاکھ دریا بہہ گئے
میٹھی نظروں سے جو دیکھا مجھکو   کیا میں حلوہ ہوں مجھے کھائیے گا
حسینوں سے نظر مجھسے لڑی ہے   لڑی ہے یا مری قسمت لڑی ہے
خبر دیتی ہے ہچکی ان بتوں کی   نئی فیشن کی یہ جیبی گھڑی ہے
پھنسے جاتے ہیں سب اسکی گرہ میں   تمھاری زلف ہے یا ہتکڑی ہے
رخ انور پہ ان کے ہے عیاں خال   یہ بیڈ ہے دودھ میں مکھی پڑی ہے

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی   بت بے پیر پر لعنت خدا کی

مٹک کر ناک پر انگلی کو رکھ کر — کہا ایجاد ہے میری ادا کی
غم ہجراں ہے یا پھاگن کی آتش — دل ویراں میں ہولی سی جلا کی
ہوا اس سیم تن سے جب سے سونا — اسیدن سے مری چاندی کٹا کی
چپت جھٹ مار دیتا ہے اچک کر — بری عادت ہے یہ اس بے وفا کی

نہ ہو کیوں کم سنوں کے شربت دیدار میں لذت — مزا دیتا ہے جب پانی تلک بھی کورے برتن کا
مثل لقاکے اڑانے لگا وہ ماہ لقا — اب جگت کا بھی اڑا ہوش کبوتر بنکر

کیا خلق میں آمادۂ بیداد ہیں مچھر — مزدوسے کچھ کم نہیں شداد ہیں مچھر
پیاسے ہیں یہ ظالم بنی آدم کے لہو کے — سفاک ہیں خونخوار ہیں جلاد ہیں مچھر
چاہیں جسے کاٹیں جسے چاہیں اُسے کھائیں — خالق کی خدائی میں سب آزاد ہیں مچھر
مارے کوئی لاکھ ان کو مگر فائدہ کیا ہے — مشکل ہے یہی صاحب اولاد ہیں مچھر
ہے گانے بجانے کا فن ایجاد انھیں کا — شاگرد جو دھاڑی ہیں تو استاد ہیں مچھر

ہے شب وصل بولو آہستہ — چارپائی بھی کان رکھتی ہے

مدت کے بعد پائی ہے ہمنے شب وصال — دو چار سو برس تو الٰہی سحر نہ ہو

روٹھا ہے مجھسے میرا صنم ہائے باپ رے — کرنے لگا ہے چرخ ستم ہائے باپ رے
بالائے طاق وصل کی امید ہو گئی — چھاتی سے لگا کے بولا صنم ہائے باپ رے
جسطرح مٹ گئے ہیں یہ شاہان پر ہنر — اوڑھیں گے کیا کفن یونہی ہم ہائے باپ رے

جمیل تخلص — جمیل الدین نام — شیخ حفیظ الدین چوتھا نیسر ضلع کرنال کے رئیس تھے ان کے فرزند ارجمند تھے — ابتدائی عمر سے شعر و شاعری کا شوق تھا اور ابتدائے سن ہی کے زمانے میں نہایت ذہین اور طباع تھے - چنانچہ صاحب تذکرہ گلستان سخن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں "کہ ہر چند عمر اس کی ہنوز زیادہ تیرہ برس سے متجاوز نہیں ہوئی لیکن ذہن کی تیزی برق سے اور طبیعت کی شوخی شعلہ ہوا سے زیادہ ہے ازبسکہ حداثت سن کا اقتضا غالب ہے اشعار میں مضامین خندہ انگیز تمسخر آمیز بیشتر باندھتا ہے یہ چند شعر اس کے کلام سے انتخاب ہو کر نذر ظرفائے خوشمزاج ہوتے ہیں -

روان جو سوے فلک آہ کا دھواں ہوتا تو اک جہاز دخانی یہ آسماں ہوتا
چڑھا ہی لیتا اڑنگے پہ اُس ستمگر کو جو آج کو میں زبردست پہلواں ہوتا

ترے کوچہ میں آنے نہیں دیتا ہوں غیروں کو بنا میں سیکڑی سے اپنی چوکیدار پھرتا ہوں
ترے غم نے مجھے بخشا ہے اسباب عشرت کا کہ شکل اپنی بنائے شل موسیقار پھرتا ہوں
کہا میں نے کہ اک دن تو ذرا چہرہ دکھا دیجئے اسی کیواسطے اتنا ذلیل و خوار پھرتا ہوں
تو ہنس ہنس کے لگا کہنے کہ یوسف تو نہیں ہے تجھ کہ ہر اک کو دکھاتا جلوہ دیدار پھرتا ہوں

اُسپہ عاشق ہوں پر نہیں یہ خبر شکل گوری ہے یا کہ کالی ہے
سیم کی طرح دل گداز میں ہے میرا سینہ ہے یا کٹھالی ہے
کھودتی ہے ہر ایک کا سینہ تیری مژگاں ہے یا کدالی ہے
آنکھ پوچھے تو دے جواب وہ لب اک جوابی ہے اک سوالی ہے
زلف سلجھی رہی تو ہے وہ گداس اور الجھی رہے تو جالی ہے
ہم غریبوں کا بستر اک پیا اک پرانی پھٹی نہالی ہے

ست پڑا ماتھو جمیل اُسکا　　اُس کی گگالی نہیں سہالی ہے

جوشش ۔ ان کا اصلی نام رحیم الدین تھا ۔ مگر لوگ رحمو رحمو پکارتے تھے ۔ اور اسی نام سے مشہور ہوگئے تھے ۔ تذکرہ خمخانہ میں ان کی نسبت لکھا ہے کہ پڑھے لکھے تھے مگر مصنف گلشن بے خار کہتے ہیں کہ یہ ایک بازاری اور عامی آدمی تھے ۔ ہولیوں میں کوچہ و بازار میں غزلیں گاتے پھرتے تھے ۔ اور ہلیاروں کے ساتھ خوب ہلڑ مچاتے تھے ۱۷۹۳ء میں زندہ و بخیریت تھے مصحفی نے ان کو اپنا شاگرد لکھا ہے ۔ ان کے شعر ظریفانہ تو کیا ہوتے مگر شوخی طبع کا پتہ ضرور دیتے ہیں ایک شعر اسی انداز کا ملا ہے ۔ جو اگرچہ وثوق کے ساتھ ان کا نہیں کہا جا سکتا مگر اہل تذکرہ نے متفق طریق پر انھیں سے منسوب کیا ہے ممکن ہے کہ اور بھی کلام اسی انداز کا ہو مگر مجھے مل نہیں سکا ۔

میں نے جو کہا تجھ بن کیا کیا نہ الم گزرا　　بولا کہ ابے تیرا رونے ہی جنم گزرا

جوکر ۔ حسن جعفر نام ہے لکھنؤ کے رہنے والے ہیں ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں نہایت رنگین مزاج شوخ زبان یار باش ملنسار خلیق زندہ دل آدمی ہیں اب چند روز سے شوخ تخلص کرتے ہیں ۔ گو ظریفانہ شاعری کی عمر زیادہ نہیں ہے مگر اپنے احباب کی شاعرانہ گرمی صحبت سے آپ کی سخنگوئی بھی درجہ کمال پر پہونچی ہوئی ہے مجھسے اچھی خاصی ملاقات ہے ۔ مشاعروں کی صحبتوں میں آپ برابر شریک ہوتے ہیں اور قریب ہر شاعر اور سخن فہم آپ کے نام سے واقف ہے ۔ آجکل معراج الادب میں جو لکھنؤ کے ایک مخصوص طبقۂ شعرا کی انجمن ہے ۔ آپ بھی شریک ہیں اور ہر مشاعرہ میں اپنی ظرافت سے سامعین کو محظوظ فرماتے ہیں ۔ اسوقت ۱۹۳۸ء میں آپ کی عمر چالیس بیالیس برس کی ہوگی ۔ مجموعہ تبسم گل کی ترتیب کے وقت میں آپ کا کلام حاصل کرنے کے لئے

آپ سے ملا تھا اور آپ نے نہایت اخلاق سے خود یہ کلام عنایت کیا تھا۔ آج مجموعۂ مذکور سے کلام کا انتخاب کرکے اس تذکرہ میں درج کرتا ہوں جی چاہا تھا کہ اس تذکرہ کے لئے جدید کلام حاصل کروں۔ مگر فرصت کی قلت ہے اور لکھنے کی عجلت اس لئے اسی پہلے کلام کو تبرک سمجھ کر لکھتا ہوں۔

سوکھے ہیں بال کہہ دو میرے سوگوار سے — تھوڑا سا تیل لے لے چراغ مزار سے

چمن میں اُنکی کوٹھی سے بلند اپنا مکاں ہوتا — کہ اُن کی جھونپڑی کے اوپر ہمارا آشیاں ہوتا

اگر وحشت کی لیتا قیس اور مجنوں فغاں ہوتا — تو بی لیلی کے اوپر اونٹ اسپر ساباں ہوتا

کسی کے کان پھٹ جاتے تو کوئی گونگا ہوتا — اگر بندہ نصیب دشمنان مجنوں فغاں ہوتا

قفس میں آب و دانہ مفت کا تھا پھٹ پڑی — کرایہ پر چلا دیتا جو میرا آشیاں ہوتا

میں دبلا اور وہ موٹے جھپکلی مٹکے پہ کیا پڑتی — جو اُچکاتے وہ اپنی توند تو پھر میں کہاں ہوتا

حسین جتنے سدیشی تھے بناتے جھنڈیاں اُنکی — جو سکھ میں میر اگر یاں وجیاں ہوتا

گزرتیں اونٹ کے کوہان پر سب وصل کی راتیں — اگر خود ناقۂ لیلیٰ کا مجنوں سارباں ہوتا

کسیکے دس گھر یکے کھینے میں کام آ جاتا — مراد دل ہوتا کاش اپلی کا میاں ہوتا

بسیرے کے لئے پھر کیوں کسی کی جھونپڑی میں گھستا — مرے صیاد۔ جو کرکا اگر آج آشیاں ہوتا

عاجز ہوئے ہیں گرمی روز شمار سے — مرتے نکل کے بھاگ گئے ہیں مزار سے

حاجت ہوئی جو چولھا بنانے کی یار کو — کچھ لے گئے کھود لیگیا میرے مزار سے

[illegible] — الفت میں پیچ پڑ گیا اب ماتگدار سے

وعدے میں تیرے جھوٹ کا [illegible] — جو لدے گر پڑے نظر اعتبار سے

اولاد ہے آدم کی مانا کہ ہے سودائی — اس رشتہ سے تو مجنوں لیلیٰ کا ہوا بھائی
کھاتے ہیں قلابازی ہیں جتنے تماشائی — کس قسم کی ہے ورزش ظالم تری انگڑائی
جب پردہ محمل سے لیلیٰ ہوئی تماشائی — مجنوں نے حماقت کی گرچیخ نہ دکھلائی
عشاق گراں جانسے ہاری شب تنہائی — یہ کہتی ہوئی بھاگی مردوں میں یہ کیوں آئی
کیوں ہر کس و ناکس کے مردے کو جلاتے ہو — ٹھینگے میں نہ ملجائے آکر وہ مسیحائی
وہم اُن کا دم رخصت کام آیا بہت میرے — وہ بیٹھ گئے اُٹھ کے جب چھینک مجھے آئی
کمبخت کو کنگھی سے فرصت ہی نہیں ہوتی — اللہ کرے اسیر عاشق ہو کوئی نائی
یوں لیلیٰ و مجنوں کو ہم عمر چڑھاتے ہیں — تسلیم بڑی بھابی آداب بڑے بھائی
جب سامنے آتا ہے تم دیکھ کے ہنستے ہو — آخر تمہیں جو کر کی کیا چیز پسند آئی

منہ شیخ نہ لگ شیفتۂ زلف دوتا کے — داڑھی کو تری نوچ نہ لے ہاتھ بڑھا کے
صیاد کا بندہ ہے سگ جھوجھو کا دشمن — اللہ کرے گر پڑے پھنگی پہ یہ جا کے
جو آہ مرے صبر میں حائل ہوئی اُسکو — بالائے ہوا پھینک دیا ٹانگ گھما کے
دیکھوں تو گرتا ہے فلک برق کہاں تک — رکھتا ہوں ترے باغ میں جھوجھو لگا کے
کوئی مجھے اس بھول بھلیاں سے نکالے — رہتا ہوں دریا پہ میں گھوم گھما کے
جب فجر کو کھل جاتی ہے مجنوں کی کبھی آنکھ — دیتا ہے اذاں اونٹ کے کوہان پہ جا کے
جو کر ترے انداز ظرافت کے تصدق — رنگ اپنا جمایا بھری محفل کو ہنسا کے

دل توڑ دیا میرا اُس بت نے نہ یہ جانا — بچ جائیگا یہاں تکیہ ٹوٹا جو صنم خانا
مقتل میں یہ کہتا ہوں ڈرسے کہ نہ گھبرانا — جب قتل کا وقت آئے چپکے سے کھسک جانا
مجنوں کی طرح ہوتا فرزند بھی دیوانا — اللہ جو لیلیٰ کو دکھلاتا زچہ خانا

ساقی سے مرے کس کی ہمت ہے جو مے مانگے — اک ہاتھ میں جوتا ہے اک ہاتھ میں پیمانا
آہ دلِ سوزاں ہے یا آنچ ہے جلوؤں کی — عشاق کی محفل ہے یا کوئی چرس خانا
دھڑکن سے مرا دل بھی کچھ کم نہیں مینڈک سے — ادنیٰ سا کرشمہ ہے دو ہاتھ اچھل جانا

ہے دھوبی روئی کپڑے کا یہ منظر حشر ساماں ہے — کہ سارا چاک ہے اور ایک چرکا گریباں ہے
ادھر دریائے خوں جاری ادھر انبار قبروں کے — یہ کوئی مرگھٹا ہے یا زمینِ کوئے جاناں ہے
انھیں جلاد سے سرگوشیاں کرتے جونہی دیکھا — تو میں یہ کہہ کے بھاگا یاں کچھ اور ساماں ہے
عجب کیا ہے جو وحشی حرکتوں سے اپنی باز آئے — اگر سب ملک کے چلائیں گریباں ہے گریباں ہے
دھرے میں جو پوچھی اُس نے خیر و عافیت دل کی — تو فرمایا کہ وہ ٹھیو تو زیب طاق نسیاں ہے
کیا ہے گردش ایام نے لیلیٰ کو بھی پاگل — لیے ہی چیتھڑے کہتی ہے مجنوں کا گریباں ہے
زمیں کے اس طرف آباد ہیں سب اہل امریکہ — تو کیا یہ ملک بھی منجملہ گور غریباں ہے
ہزاروں ہی سڑی سودائی اس نے کر دیے پیدا — میاں جو کہ یہ دنیا کیا ہے دیوانوں کی ماں ہے

وہ دن نزدیک ہے اس گھر میں اک شادی رچی ہوگی — ہمارا چھوکرا ہوگا تمھاری چھوکری ہوگی
جو حال آیا تو یہ حالت تمھاری ٹیچ ہی ہوگی — بندھے ہونگے پاؤں میں گھنگرو گلے میں ڈھولکی ہوگی
شریک بزم جاناں بند کر لو اپنی آنکھوں کو — وہ آتے ہیں نقاب اٹھے ہوئے بے پردگی ہوگی
نگاہوں سے تمھاری ڈرنے والے دبی ہی ہونگے — دکھائی آنکھ اگر مجھ کو تو انگلی بھی نادری ہوگی
اسے تو آپ ہی شاید کھینچ لیں گے اپنا دیوانہ — کہ جس کے جسم بھر میں اک لنگوٹی گیروی ہوگی
میں سنتا ہوں کہ معشوق کی حد دم ہی تک ہے — وہ کیا شے ہے جو اُس کے قتل پر بے کسی ہوگی
گزر جائے گا کوئی انتظار شوق جلدی میں — خدا کی مار پھر اپنا یہ گنگا بھی ختم کبھی ہوگی
ہلا دی حضرت گاندھی نے بنیاد ان ترکوں کی — خدا چاہے تو پھر تیغے میں دینِ مصطفیٰ ہوگی

طواف کعبہ کرکے بھی مقدس جو نہیں ٹھیرا — خر عیسیٰ نہ ہوگا میر جی کی وہ گدھی ہوگی

ویسے یہاں کے لئے ہے جیسے وہاں کیلئے — پچھان بان کیلئے ہو زبان پچھان کیلئے

کبھی یہاں کیلئے اور کبھی وہاں کیلئے ہے — میں صاف کیا کہوں تجسے کہاں کہاں کیلئے

لگائے یار نہ جوتہ تو دل درست نہ ہو — یہی تو ایک مرمت ہے اس مکاں کیلئے

میں چنکے لایا ہوں بہرام گھاٹ کے لیٹھے ہیں — بہت حقیر یہ تنکے ہیں آشیاں کیلئے

ہزار عاشقوں کا خون پیجئے لیکن — کہاں وہ بات جو تھی قیس مارخاں کیلئے

یہ کوئی کھیل نہیں ہے ذرا خیال رہے ہیں — دیا ہے دل تمہیں جو کرنے امتحاں کیلئے

جو بندہ یا بندہ یہ نہ کوئی نام ہے نہ تخلص۔ مگر ادھر پنچ میں کسی مفقود الاسم مجہول الحال شاعر نے اسی نام سے اپنی غزل دی تھی لہذا مجھکو بھی مجبوراً اسی صورت سے لکھنا پڑا۔ حال وغیرہ معلوم نہیں غزل ملاحظہ فرمائیے۔

دل سوے دلربا روانہ ہے — واہ کیا منقلب زمانہ ہے

جورو کہتی ہے دو میاں کو طلاق — مرد عورت میاں زنانہ ہے

جسکو کہتے ہیں غنچۂ سوسن — میری شیرنیا کا وہ دہانہ ہے

آجکل کے حکیم ہیں عطار — سب کے گھر میں دوائی خانہ ہے

مسی اسدرجہ گہری تھوپی ہے — اُن کا منھ کالا جیل خانہ ہے

غیر کی آنکھ میں سور کا ہے بال — دیکھتا سب کو دشمنانہ ہے

جمع اک جا ہیں عاشق و معشوق — صبح وصلت کا یہ دوگانہ ہے

تل نہیں اُن کے گورے گالوں پر

آیا صدقے کو کالا دانہ ہے

حرف جیم فارسی

چچا تخلص ہے اور نام سید اسحاق ہے۔ دلی کے ایک پیرزادے ہیں۔ مگر تخلص ایسا اختیار کیا ہے کہ تمام دنیا کے چچا بن گئے ہیں طبیعت میں انتہائی ظرافت ہے۔ آپ کا مشاعرہ ہونا دودھ میں چاے کا ہونا ہے۔ سردست حیدرآباد میں مقیم ہیں۔ دو مضمون آپکے مخصوصات میں سے ہیں اور شاید کہ دونوں خود آپ کے تلخ تجربہ پر مبنی ہیں یعنی ایک اطباے حیدرآباد کی نوشتی کے خطرناک نتائج۔ اور ایک چاندنی رات کی چوریاں۔ اور جگہ چاندنی رات چوروں کے آرام کا زمانہ ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت چچا کو اس کے خلاف سابقہ ہوا آپکی ایک غزل رسالہ اردو سے نقل کی جاتی ہے۔ وہو ہذا۔

بھلا کہیئے تو کیوں سننے لگا تھا پاسباں میری | مجھے بلوا کے خود ہی آپ سنئے داستاں میری
اندھیری ہی بھلا گئیں اسی کی قدر کرتا ہوں | شب مہتاب میں اکثر ہوئی ہیں چوریاں میری
جناب شیخ مجبوری ہے تو اب آن حاضر ہے | کہ سب کام آگئیں نعمت بجائے بت مرغیاں میری
ملٹھی کا سنی کب تک کہاں تک خطمی و خیری | دوائیں اب تو بھجوا دے حکیم مہرباں میری

چرکین شیخ باقر علی نام تھا۔ قصبہ ردولی کے رہنے والے تھے مگر مصنف تذکرہ گلستان سخن ان کو لکھنؤ کا رہنے والا کہتے ہیں اور علی العموم سب تذکرہ نویسوں کے یہ بھی لکھتے ہیں کہ چرکین نے اول اول مضامین غلیظہ محض ہزل اور تفریح طبع سمجھکر لکھنا شروع کئے تھے "لیکن رفتہ رفتہ اس قال کو حال بنا لیا اور اس گندہ ذہنی نے اسکو اگھوری بنا دیا۔ گویا یہی اس کے بدن میں رچ گئی تھی۔ مدام لباس چرک پہنتا اور ایسی میلی کچیلی وضع رکھتا کہ اجنبی اسکو سچ مچ حلال خور

سمجھتا۔ صحبت کا اثر مشہور ہے یہاں صرف تصور اور خیال نے یہ تاثیر کی کہ صحبت کو رہے بٹھادیا حق یہ ہے کہ جو بات الیں کہتا تھا انتہا ئیں کر دکھایا۔ آخر الامر لال بیگ کی صحبت اور گو گا پیر کی ہمنشینی کے شوقین شہر کے مقامات پاکیزہ سے بھاگ کر صدہا آرزو کا ٹوکرا سر پر رکھے ہوئے بطریق پاتراب کے جنگل کے کسی کوڑے پر اوّل منزل کی" غرض یہ کہ ہمارے نزدیک چرکین نے اگرچہ رنگ نہایت ہی مبتذل اور برا اختیار کیا تھا۔ مگر وہ اپنے طرز کے اُستاد بے بدل تھے۔ گو انھوں نے کو اپنے دیوان کی ایک مکمل اور لاجواب صنعت بنا دیا ہے۔ اور اس غلیظ کی چھینٹوں سے انکا دامن شاعری کمال کا ایک رنگین گلزار پر بہار معلوم ہوتا ہے۔

کہن سال بزرگوں سے سنا ہے کہ ان کے مختلف شاگرد تھے۔ جن میں سے دو نہایت مشہور اور اپنے اُستاد کے رنگ کے مشاق تھے۔ ایک کا تخلص گوڈر۔ اور دوسرے کا حیض تھا۔ جنکا نام اگرچہ معلوم نہیں ہو سکا مگر دو دو چار چار شعر مل گئے ہیں۔ جو اُن کے تذکرہ میں درج کروں گا میرا ارادہ ہے کہ اب دیوان چرکین کا ایک ایسا مکمل انتخاب پیش کروں کہ اسکے بعد اُن کے دیوان کے دیکھنے کی کسی احتیاج باقی نہ رہے۔ گو کہ اب دیوان چرکین ایک انتخابی صورت میں چھپ گیا ہے اور وہ عام طریقہ سے ملتا ہے۔ مگر میں قدیم اور مکمل دیوان سے انتخاب کرتا ہوں جس میں بہت سے وہ شعر ہیں جو مروجہ دواوین میں نہیں ہیں۔ انتخاب میں بعض وہ شعر بھی دوں گا جن میں چرکین نے اپنی وضع کے التزام کے ساتھ ساتھ محاورات بھی صرف کئے ہیں۔ اور اپنے کمال کا اتنا بڑا سکہ بٹھا دیا ہے جس کا ازالہ دشوار تر اور ناممکن ہے

گو یا چھپی ہوگی اک دن گو ہر گہر آبدست / مدعی کو گو میں نہلائے گا جاناں کا تپاک
گھیرے ہی رہتے ہیں اغیار تجھ اس ترک کو / لینڈیوں سے بند گیا ہے شیر پستاں کا تپاک
موتنے میں تم چلی پھسکی جو کوئی چھوڑ دو / برق باراں سے نہ چھوٹے ابر باراں کا تپاک

جب سے پڑا ہے شیخ کا موتر لیسر سے ربط / بدلا ہے گو یا کبھی چھچی سے اُن کی قبا کا رنگ
پاخانہ اُسکے لیف سے رشکِ چمن بنا / گندہ بہار میں کبھی نہ بدلا ہوا کا رنگ

موت کی دھار سے بدتر میں سمجھتا ہوں اُسے | کسکو دھمکاتا ہے چمکا کے وہ دھارا قاتل
بھنگیں ہو گئی ایسی بری صورت نزع | ہگدے وحشت سے جو دیکھے مرا لاشا قاتل
دست پر دست چلے آتے ہیں بے جلد خبر | ترے بیمار کا اب حال ہے پتلا قاتل
دست بردار ہو ان باتوں سے آجانے دے | قتل چرکیں کو نکر گو نہ اچھلوا قاتل
بتنگ آئے ہیں دنیا کی گو ہاچھی چھی سے | ہو قبض روح بخس چھوٹیں اس عذاب سے ہم
فلک ہو طشت ستارے ہوں پھٹکیاں گو کی | جو گو کے چھوٹ کو نسبت دیں آفتاب سے ہم
ہو اُسکی کھڈی میں صرف اپنے کالبد کا عصب | یہ چاہتے ہیں زمانہ کے انقلاب سے ہم
بنا ہے چرخ بریں طشت کہکشاں کھڈی | ہگے گا کونسا شوکت نشان نہیں معلوم
ہمارے پاس بنا آتا ہی گر جواب سے منعم | ہمارے ہگنے کی کیا داستان نہیں معلوم
ہمیشہ رہتے ہو بیت الخلا میں ہم چرکیں | جہاں میں کسکو تمہارا مکان نہیں معلوم
دماغ کو یہ خوش آتی ہے اُسکے موت کی بو | کبھی نہ سونگھیں اگر دے کوئی گلاب ہمیں
سڑے کیطرح سے گو بھاپتے پھرتی کیک | جمال اپنا دکھا او پری شتاب ہمیں
کپڑے چرکین جب بدلتے ہیں | عطر کے بدلے موت ملتے ہیں
نہیں کہتے ہیں غیب ہمکو ذرا | اپنے منہ سے وہ گو اگلتے ہیں
کس شجر کے ثمر ہیں سیب ذقن | نہ تو گلتے ہیں یہ نہ سڑتے ہیں
بزم جاناں میں پادتا ہے غیر | ہر طرف سے اشارے چلتے ہیں
تیرے بیمار کے ستلے غمخوار | پوتڑے وہ دم بدم بدلتے ہیں
طبع چرکیں بھی طرفہ سانچا ہے | گو کے مضمون جس میں ڈھلتے ہیں
سگ دنیا جو ہیں کب جود و سخا رکھتے ہیں | گو بھی بلی کیطرح سے وہ چھپا رکھتے ہیں
گو ہاچھی چھی کے سوا کچھ نہیں حاصل اس سے | گو وہ کھاتے ہیں جو امید وفا رکھتے ہیں
گوز کی بو سے معطر ہے چرکیں کا دماغ | تجھسے امید ہوا اے باد صبا رکھتے ہیں

سمجھتا ہے اسے گوز شتر بیذ محمل میں ۔ پئے جمازہ گر مثل جرس فریاد کرتے ہیں

رقیبوں سے تو تھا روکھ بلا ہی اسقدر اُن کا ۔ مصاحب جانکر بیت الخلا میں یاد کرتے ہیں

اٹھائے گو مرا کیونکر نہ مجنون دشت وحشت میں ۔ سعادتمند لڑکے خدمت استاد کرتے ہیں

طلب کرنے نے انکے کردیا مجبور یوں مجھکو ۔ چلا جاتا ہوں ہگتا پادتا جب یاد کرتے ہیں

دنیا کی نجاست سے بری گوشہ نشیں ہے ۔ رغبت نکرے گو پہ کبھی زاغ کماں کا

مستہ دل کو کیا یوں سے اگر دیجئے تشبیہ ۔ پاخانہ میں عالم ہو گیا پانی کی کاں کا

چرکین مرے کوچے میں کہیں رہنے نپائے ۔ مہتر کو یہی حکم ہے اس آفت جاں کا

پھر گفتگو سے پوچ لگی آنے بیچ میں ۔ پھر گوز بند یار کی گفتار نے کیا

گو میں نہائیں خوب سے جھاڑے گئے کمال ۔ بوسہ طلب جو یار سے اغیار نے کیا

تونے آنا جو وہاں غنچہ دہن چھوڑ دیا ۔ گل پہ پیشاب کیا ہمنے چمن چھوڑ دیا

عطر کی بو سے معطر ہوا بلبل کا دماغ ۔ گوز اک تونے جو اے غنچہ دہن چھوڑ دیا

ہے متوڑا طفل اشک غیر دامن میں لیے ۔ موت بھر جائیگا پاکیزہ تری پوشاک میں

پاد اونی سا ہے چرکین نار سے بولا وہ شوخ ۔ دب گیا ہوگا وہ گو ریگے خس و خاشاک میں

موت تے کے کہتا ہے مجھے اپنے کوچے میں وہ گل ۔ اس روش کی آبجو کوئی گلستاں ہی میں

چرکین غرض نہیں گل فرگزار سے ہمیں ۔ مطلب ہے پائخانہ دلدار سے ہمیں

کرتا ہوں عرض حال تو کہتا ہے گو نکھا ۔ ہگتا ہے درد سر تری گفتار سے ہمیں

کاش گھورے سے ہو قسمت کا ترے زر پیدا ۔ تو بھی چرکین چلن نیا ہاں کا کر پیدا

گردن شیخ پہ رندوں نے رکھا بار گناہ ۔ کھاد اٹھوانے کو اچھا کیا یہ خر پیدا

گو نہ کھا پوچ نہ رندوں کو سمجھ جھوٹ نہ بول ۔ دمو ہُما ہوش میں آ عقل و خرد کر پیدا

کوچۂ یار میں پھولا ہے جو گو کر تا ۔ بلبلو ہوگا نہ پھر ایسا گل تر پیدا

اُسکے رکھ خانے کی دیوار پہ کنگل کیجئے ۔ لیپہ گر تو ر فلک کی ہو نہیں پیدا

بیت الخلائے یار میں گیا غیر جا کے — دہشت سے گوز بند ہے اُس نابکار کا

پھولے پھلے ہر اک شجر خشک نا غباں — تھالوں میں گر پڑے جو مُوتے گلعذار کا

کیا کہیں تجھ سے کہ کیا کیا ہوئی چرکیں کی ہوا — پائخانہ میں بدن دیکھ کے عریاں تیرا

مجھ سے جو چرکیں وہ خفا ہو گیا — رُعب سے پیشاب خطا ہو گیا

طائرِ ذکر و مدحِ غیر کبھی — گوز کے مانند ہوا ہو گیا

وصل کا وعدہ کیا بیت الخلا میں یار نے — پنجۂ مژگاں سے جھاڑا چاہیئے پائخانہ آج

خواہش آرائش گیسو ہے چرکیں یار کو — چاہیئے پنجہ کی ہڈی سے بنانا شانہ آج

شیخ جی کو پھر طبیبوں نے بتایا ہے ٹل — ہو گیا پھر آجکل اُن کو خلل سرسام کا

سامنے آپکے ہگیے گُھنگو ہر ایک سے — گو اچھالے گا بہت چرکیں اپنے نام کا

سُنئے گر تم داستاں تو ہگ کا رہے خطرہ کے — غرض اظہار کے قابل نہیں احوال اپنا

قبض سے اب یہ حال ہے صاحب — پادنا بھی محال ہے صاحب

شیخ صاحب سر مبارک پر — ق — یہ سڑی سی جو شال ہے صاحب

رند کہتے ہیں بھبتیاں اسپر — لینڈی کتے کی کھال ہے صاحب

اب کے چرکیں جو در لگاؤں گا — پائخانہ میں سب لگاؤں گا

موتنے پر کبھی جو آؤں گا — سیر دریا انہیں دکھاؤں گا

تیرے گھر سے جو اب کے جاؤں گا — موتنے بھی کبھی نہ آؤں گا

فخر ہوگا میں تیرا عاشق ہوں — گو بھی تیرا اگر اٹھاؤں گا

نوجوان ضعف پیری سے ہگتے ہو گیا — آگے آئیگا یہ دریا کا ہگا پڑنا بیگا

روز و شب ہگنے سے تم اسکے خفا ہوتے تھے — مہتر و خوش رہو چرکیں نے وطن چھوڑ دیا

سامنے اعلیٰ کے اسفل ہمسری کرتا نہیں — سامنا پُھسکی سے ہو سکتا نہیں ہے پاد کا

ایکدن بھی دل نہ اُس بُت کا پسیجا تھو تھو — تھا مگر گوز شتر نالۂ دل ناشاد کا

پادنے میں شیخ کیا میرا کرے گا سامنا　　مجھ میں اسمیں فرق ہے شاگرد اور اُستاد کا
یہ دعا ہے روز و شب چرکیں کی گوگا پیر سے　　میں بھی اب مہتر بنوں جاکر الہ آباد کا

چرکین ۔ اس تخلص کا ایک مختصر دیوان میری نظر سے گزرا جسکے متعلق تحقیق کرنے پر بعض احباب سے معلوم ہوا کہ جناب آغا صاحب علیس کا یہ دیوان ہے موصوف لکھنؤ کے ایک باکمال شاعر تھے تفنن طبع کے لئے کبھی کبھی اس رنگ میں بھی طبع آزمائی فرماتے تھے ۔ غالباً طبیعت کے استغنار اور ذاتی وجاہت نے اجازت نہیں دی کہ اس قسم کے کلام کے ساتھ اپنے نام نامی کو ظاہر فرمائیں ۔ ممکن ہے کہ یہ خیال صحیح ہو ۔ مگر سعدی ۔ انوری ۔ عبید زاکانی وغیرہم حضرات جو بلا مبالغہ افراد کاملین زمانہ میں سے شمار کئے جاتے ہیں وہ بھی اس رنگ میں بہت کچھ کہہ گئے ہیں اور ظرافت کو بھی اپنے کمالات کا ایک جزو سمجھکر اپنے کلام کے ساتھ شامل کر گئے ہیں اس حالت میں اگر لکھنؤ کے ایک باکمال کا نام بھی زمرۂ ظرفا میں شامل ہو تو کچھ نقصان رساں نہیں ہوسکتا اسی لئے میں نے اس تذکرہ میں نام پر پردہ ڈالنا کچھ بہتر نہ سمجھا ۔ بہت ممکن ہے کہ میری یہ تحقیق صحیح نہ ہو ۔ مگر کلام کی پختگی اور متانت بار بار مجھکو یقین دلاتی ہے کہ کسی نومشق کا یہ کلام ہو ہی نہیں سکتا ۔ ظرافت کی برجستگی ۔ شوخی ۔ محاورات کا استعمال برمحل ہر ایک دیکھنے والے سے مصنف کے کمال کا اقرار لئے بغیر نہیں رہ سکتا چنانچہ انتخاب ذیل سے آپ خود اندازہ فرمائیں گے ۔

اٹھ گیا بار غم ہجر یار پُرفن کا　　دھرے پلنگ کا کھٹمل تلا کئی من کا
یہ نامہ بر ہے پتہ میرے یار پرفن کا　　کہ اُسکے در پہ لگا ہے درخت بیگن کا
گلے میں ڈالدے میرے بھی عشق کا پٹہ　　کہ میں نے دیکھ لیا طوق تیری گردن کا
دھواں نکلتا ہے ہر بار ساتھ نالے کے　　نہ کیوں گماں ہو دل سوختہ پہ انجن کا
کرو علاج اگر سر میں بال خورا ہے　　لگاؤ تیل ہمارے چراغ مدفن کا

بڑھی ہے صدمۂ فرقت سے اب یہ کمزوری — چبا رہا ہوں دہانہ تمہارے توسن کا
وہ آج قبر کو کھدوا کے لے گیا تختے — نشاں مٹا گیا بے رحم میرے مدفن کا
دعا چناں کی ہے یہ اسکا منہ جلے یارب — چراغ آکے جو پھونکے ہمارے مدفن کا

ٹپکتی ہے ثقالت بھی سخن سے سرگرانی بھی — کٹہل ہوں باغ جنت کا وہ تورا باغ رضواں کا

دیکھنا پھر تو بکے گی دھیلے دھیلے عندلیب — اور انڈے بچے جو ہیں وہ سو روپیے عندلیب
آتی ہے فصل خزاں پکنے کو ہیں برگد کے پھول — دیکھنا ہو جائینگے کودوں کے پیالے عندلیب
اے چناں ہرگز نہ اس کے آشیاں کو دیکھنا — آج بچوں میں لئے بیٹھی ہے ڈھیلے عندلیب

نہ تو اچھے ہیں نہ بیمار ہیں آپ — نہ ہیں اس پار نہ اس پار ہیں آپ
پہلے تھے آپ نہایت لاغر — اب تو بھینسے کہیں تیار ہیں آپ
دیجئے ہاتھ سے اپنے نہ شراب — نہ کہے کوئی کہ کلوار ہیں آپ

شاید کھلی نہ آنکھ ہماری تمام رات — در پر رہی کسی کی سواری تمام رات
گائی جو آکے ان کی کہاری تمام رات — ڈھولک بجا کے ہم نے گزاری تمام رات
پھر بھی نہ قطع نخل محبت ہوا چناں — اُسنے چلائی زور سے آری تمام رات

نہیں تھیں سرخ مرچیں گر تری تلوار کے پھل میں — تو کیوں منھ کو لپیٹے ہیں زخم دامن کا کیا باعث

روٹی نہ ملے گی جو ہوا مجھ کو خلل آج — اللہ کرے خیر کہ کھایا ہے کٹہل آج

کل یار کے گھر جاؤں گا کو ٹڈ دل کا ہو وعدہ　　کھانے کیلئے بھوک کے لیتا ہوں عمل آج

صحرائے عشق میں نہیں مجھ سا شکستہ پا　　منزل تمام کرتا ہوں تیمور کی طرح

بگلے کی طرح عشق میں چہرا سفید ہے　　چلنے لگا ہوں چال انیفور کی طرح

دیوار یار مینھ نے گرائی ہے دوستو　　اینٹیں اٹھا رہا ہوں میں مزدور کی طرح

باتیں کریں گے آکے بلندی پہ آپ سے　　کنڈوں کے ڈھیر کر رہے ہیں طور کی طرح

دیکھا نہ مائیاں چناں کو کبھی کڑک　　انڈے دیئے گئی وہ انیفور کی طرح

راضی ہوں سر کا درد ہو یا ہو جگر کا درد　　سب سے جھگکوں مجھے جو خدا دے کمر کا درد

میرا خیال ایک فقط آپ کو نہیں　　حیوان میں بھی ہوتا ہے ماوہ کو نر کا درد

چونے سے پڑ گئے ہیں لبوں اُن کے منھ میں چھالے　　کھولا ہوا ہی پورا اُگالدان منھ کے اندر

پانوں کے نام سے وہ پوچھا ہے ہیں چونہ　　تیار ہو رہی ہے دیوار منھ کے اندر

یار کے روئے مخطط کے قریں کچھ خال ہیں　　آج آبادی نظر آئی مجھے جنگل کے پاس

جو بناتے تھے مکانِ یار خاص　　مر گئے افسوس وہ معمار خاص

دوسرے خیاط کی کیا جان ہے　　سی نہیں سکتا تری شلوار خاص

گونگے کو کچھ بھی خوف نہیں ہے گناہ کا　　لاحول سے غرض ہے نہ شیطان سے غرض

کھد جائے گھر صنم کا چناں گر تو خوب ہے　　دہشتی ہیں یہ انھیں تو ہے میدان سے غرض

ممکن ہو بھلا یار کی فرقت میں کہاں ضبط　　کھینچ آئیں سب آنتیں میں کروں کچھ جو فغاں ضبط

گر جنس محبت کے خریدار نہ ہوں گے　　ہو جائیگی ساری دل مضطر کی دکاں ضبط

جس طرح سے چھینے گئے ہتیار سکھوں کے　　ہو جائے الٰہی دل مضطر کی دکاں ضبط

ہے مملکت دل پہ تو اس شوخ کا قبضہ　　ڈرتا ہوں نہ ہو جاؤں کبھی میں بھی جناں ضبط

آتی ہے فصل محرم جاؤ گھر گھر مانگنے　　پر جلاؤ میری تربت پر جو ملنے پاؤ شمع

کس جرم پہ جلتی ہوئی لکڑی مجھے ماری — دکھلا تو لگا ہی تری کچھڑی میں کہاں داغ
دل بیٹھنا کیسا مری جان لپٹ گیا ہے — اس درجہ ہوا ہے تری فرقت کا گراں داغ
مہروش وہ شاید مجھے مشہور کریں گے — مل دیتے ہیں چونے میں دکھاتا ہوں جہاں داغ
فرقت میں بھی جلتے ہیں ترے وصل میں بھی ہم — المختصر ای یار ہمیں داغ چناں داغ
عید کے دن یوں گلے لپٹا وہ مجھسے دوڑ کر — جسطرح سے باز آتا ہے کبوتر کی طرف
بے ستوں پر ایک پورا بھر کے بیٹھا ای کوہکن — ہی جو وہ شیریں تو خود آئیگی شکر کی طرف
گھیرے ہوئے ہیں گھر کو ترے بے خطر عاشق — بیٹھے ہوئے ہیں شام سے دیوار پہ عاشق
جتنے ہیں غرض سب کو ہے دھڑکن کی شکایت — کھجواتیں نہ کیونکر عرق نیلوفر عاشق
عاشق کا چناں عین غزل بھر میں ندارد — معشوق کو دیتے ہیں اسی طرح سر عاشق
یا ندیدہ جانتے ہیں مجھکو وہ یا بد نظر — شغل ہے نوشی میں کہتے ہیں کہ ساغر سے الگ
رات بھر رہتی ہی گھر پڑ لوٹتی ہیں رسیاں — اے چناں وہ کو بند ہوتے نہیں سم الگ
تیری آمد میں کچھ ایسی ہوئی ہلچل قاتل — گر گئی بھاگنے میں جیب سے مخمل قاتل
سنتے ہیں بال کو کم کاٹتی ہے تیغ اصیل — اس سے ہم پھرتے ہیں اوٹھے ہوئے مخمل قاتل
تھک گئے ہیں لیٹتے ہیں یار ہم — کب سے بیٹھے ہیں پس دیوار ہم
قتل کا جو خوف تھا جاتا رہا — کل چرا لائے تری تلوار ہم
رکھ کے کہتے ہیں ہتھیلی پر سر — بیچتے ہیں یہ دُرِ شہوار ہم
رات کاٹی چکوے چکوی کی طرح — وہ رہے اس پار اُس پار ہم
قصر دل کی کچھ مرمت کا ہے قصد — مول لینے جاتے ہیں تلوار ہم
پھر انکھیں نزلہ ہوا اس سال میں — ناک بھر بہنے لگی رومال میں
ہے اگر فرہاد کو شیریں کا عشق — ڈال لے شکر چنے کی دال میں
پوریاں پکیں اوڑے جام شراب — چلکے جھولا ڈالیئے کچنال میں

دانت جب ٹوٹے تو پھر پاپڑ کہاں ۔ کھائیے روٹی بھگو کر دال میں

چھپ کے آتا ہے رقیب رو سیاہ ۔ کچھ نہ کچھ ہے آج کالا دال میں

آج یوں وعدہ ہوا ہے وصل کا ۔ رات کو آنا مری سسرال میں

ہے یہ اے فرہاد شیریں کا پتہ ۔ چیونٹیاں لپٹی ہوئی ہیں گال میں

اب چنی بیگم جواں ہیں لے چناں ۔ اپنی شادی کیجئے اس سال میں

اس قدر بالو سے رگڑا تن بدن ۔ سر سے پا تک ہو گئے ہم آئینہ

شکل حوا سی نظر آنے لگی ۔ کیوں لگایا قد آدم آئینہ

یہ مجنوں پوچھتا تھا ساربان سے ۔ میاں یہ اونٹ تم لائے کہاں سے

یہ بلبل کہہ رہی ہے باغباں سے ۔ کہ اب گرتے ہیں انڈے آشیاں سے

ثنا کنگھی کی تیری گر کروں میں ۔ جوئیں جھڑنے لگیں لاکھوں بال سے

[illegible] یہ کہتا تھا یہ قیس ۔ مری لیلیٰ نے جھانکا آسماں سے

تہ و بالا ہوئے جب تو کھلا حال ۔ زمیں چت ہو گئی ہے آسماں سے

ہے اس کے در پہ سب بانکوں کا مجمع ۔ چلے گی آج لاٹھی پاسباں سے

شب فرقت سے کہیں روز وصال اچھا ہے ۔ سچ ہے یہ ماش کی روٹی سے سہال اچھا ہے

جسکے چھینٹے سے لہو بند ہوا سے صبا وہ ۔ تیرے نشتر سے مری مونچھ کا بال اچھا ہے

جان عشاق کی لیتی ہے تپ صفراوی ۔ نزع کے وقت تو آلو کا زلال اچھا ہے

اے چناں وہ ابھی سن لیں تو نکالیں آنکھیں ۔ گر کہوں آپ کی بکری سے غزال اچھا ہے

وہ ساتھ غیر کے مل مل کے گئے جاتے ہیں ۔ میاں چناں ہیں کہ ڈھولک بجائے جاتے ہیں

چھو پچ کوئی ظریف شوخ مزاج بدایوں کے رہنے والے ہیں جنکی ایک غزل رسالہ اقتباس میں ملی جس سے چند شعر انتخاب کرکے لکھتا ہوں۔ زیادہ حالات باوجود کاوش

مل نہ سکے مجبوری ہے ۔

ہوتا ہے ڈھول دھپّہ پنڈت میں مولوی میں ۔۔۔ اور بی جمال خانم اترا رہی ہیں جی میں

کیا کیا کیا نہ میں نے اے یار تیری خاطر ۔۔۔ چاول پکائے جاکر مرگھٹ پہ کھوپڑی میں

تم قتل عاشقاں سے پہلے یہ سوچ لینا ۔۔۔ الو نہ بول جائے دُنیائے عاشقی میں

خوش قسمتوں کو شاید کوئی جگہ ملی ہو ۔۔۔ میری تو عمر گذری بس تو وکینسی میں

سرکار عشق میں بھی ہونے کو ہے رڈکشن ۔۔۔ اب ہر ہوس کا بندہ آجائے گا کمی میں

صد انقلاب در پر آتی ہے مغربیت ۔۔۔ تہذیب نو کے حامی خوش ہو رہے ہیں جی میں

وہ دن بھی آگیا ہے نزدیک اب کہ جس دن ۔۔۔ دلہن فٹن پہ ہوں گی نوشاہ پالکی میں

اللہ کا کرم ہے اسے جو سچ تجھ پہ ورنہ ۔۔۔ یہ لاجواب باتیں اتنی سی کھوپڑی میں

چھچھوش سید اقبال حسین نام ہے نیوتنی ضلع اناؤ کے رہنے والے ہیں ۔ قریب قریب تیس برس کی عمر ہوگی ۔ مگر آپ کی شاعری کی عمر بہت کم ہے ۔ میرے ملاقاتی ہیں دو چار مرتبہ کے اصرار پر آپ نے تھوڑا سا کلام عنایت کیا ۔ کلام سے پتہ چلتا ہے کہ اگر مشق سخنگوئی جاری رہے تو آپ بہت جلد اچھا کہنے لگیں ۔ مگر افسوس کہ بہت کم فرماتے ہیں اکثر اب بھی جو کچھ فرماتے ہیں وہ مطبوع طبع ہوتا ہے ۔

وہ مزا کب رات بھر بستر پہ چلانے میں ہے ۔۔۔ شام ہی سے جو در دلبر پہ سو جانے میں ہے

چاند نکلا عید کا اک دھوم رندوں میں مچی ۔۔۔ کوئی میخانے کی چھت پر کوئی میخانے میں ہے

کی وصیت ایک آتشباز نے اولاد سے ۔۔۔ زندگی کا کچھ مزا جل جل کے مرجانے میں ہے

نیند اڑاتا ہے دل نالاں تو کر دو سینہ چاک ۔۔۔ یہ اذاں دیتا ہوا مرغا اسی خانے میں ہے

اسکی رسی کا ۔ درازی جسکی ہے ضرب المثل ۔۔۔ اک سرا دونوں رخ کے اندر اک سر لٹکانے میں ہے

مرد مادہ رو بنے عورت بنی ہے نر نما ۔۔۔ فرق اب باقی زنانے میں نہ مردانے میں ہے

مادر قیس نے لیلے سے کہا سن بیٹی — ساتھ اپنے مرے بچے کو نہ حیران کرنا
نائیو تمکو مبارک ہو یہ خدمت لیکن — ہر مسلمان کے بچہ کو مسلماں کرنا
لیلے خوش خوش تو چلی پھر آ بیٹھی — کام بندر کا نہ اے حضرت انساں کرنا
ہو مبارک تجھے اے عشق کے پکچر سیلیں — قیس کو عشق کے پردے پہ نمایاں کرنا
کی ہیں اس شوخ نے جیلر سے خفیہ باتیں — اس چہ خوش کو بھی ذرا داخل زنداں کرنا

اہر دل پن عشق کا جب لے اڑا مجھے — اک تل دیا رخ حسن دکھائی دیا مجھے
ہے صاحبان عشق کو لازم فسردگی — مٹی سی ایک مس سے ہوئی عشقیا مجھے
مجنوں کبھی ہوں اور کبھی کوہکن ہوں میں — اس عشق نے بنا دیا بہروپیا مجھے
کہتی ہے شمع جل مرے پروانے آپ ہی — اپنی خدا کی مار لگی ہتھیا مجھے
ظالم نے میرے رونے پہ یوں ہو کے بدحواس — کچھ ایسا منہ بنایا کہ ہنسنا پڑا مجھے
ہنستے ہیں کیوں مرے اشعار پر چہ خوش — سمجھے ہیں آپ لوگ کوئی مسخرا مجھے

یہ سوچ کے وحشت میں اچکنے لگا مجنوں — لیلے کا مکاں نجد سے کچھ دور نہیں ہے
جو فیض جسے حکمت قدرت سے پہنچ جائے — منصور کا پردادا بھی منصور نہیں ہے
بولی یہ مس ہندی مخلوط بصد ناز — ہم حور کا بچہ ہے مگر حور نہیں ہے
در آئینگے اک بار مری آہ کے گولے — کچھ قلعۂ دل تیرا بھرت پور نہیں ہے
ٹھوڑی سے چلی جاتی ہے بکسٹ تو بوٹ تاناف — دم نور کے گھوڑے کی ہے گو نور نہیں ہے
ایمان تجھے ذبح نہ کر دے مرے کرنا — کھانا مرے دروازے سے کچھ دور نہیں ہے
ہر عشق بھی فتنہ بھی جوانی بھی مرے پاس — پھر کیوں مرا وصل آپ کو منظور نہیں ہے

حرف حائے حطی

حالی ۔ خواجہ الطاف حسین نام ۔ حالی تخلص ۔ آپ کے والد خواجہ ایزد بخش صاحب
کا سلسلہ نسب حضرت عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے ۔ آپ پانی پت کے رہنے والے
تھے جب مولانا حالی کی عمر نو سال کی تھی اسیوقت ان کا انتقال ہو گیا تھا اور اس کے بعد
اُن کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہوا ۔ جس کے کامل ہونے پر مولانا حالی ملک کے اُن مشہور
اہل قلم میں شمار ہوے جن کو زمانہ کبھی بھلا نہیں سکتا ۔ آپ کے مفصل حالات جابجا ملتے
ہیں اس لئے ہم یہاں نہ آپ کی سوانح حیات سے بحث کریں گے اور نہ آپ کی حکیمانہ شاعری
سے بحث کرنا مقصود ہے ۔ بلکہ ہم اس تعجب کو دفع کرنا چاہتے ہیں جو ظرفا کے تذکرہ میں مولانا
حالی کا نام دیکھکر اہل نظر کو ہوگا اصل میں متعجب نگاہیں اس راز سے آگاہ نہیں ہیں کہ
مولانا حالی وہ ادیب یا وہ شاعر تھے جن کا مرتبہ تمام اصناف سخن میں یکساں ہے ۔
جس طرح وہ متین شاعری کے اُستاد کامل ہیں جس طرح انھوں نے ملک کو ایک شاہراہ
ادب پر لگا دیا ۔ جس طرح اِن کی خداداد قابلیت نے ایک اختراع کر کے شعر گوئی میں
جدید طرز پیدا کیا ۔ اسی طرح انھوں نے ظرافت میں کمال دکھایا ۔ مگر ظرافت کو ہنسوڑپن
یا ہزل گوئی ۔ یا فواحشات کی حد تک نہیں جانے دیا ۔ بلکہ بدیہہ گوئی اور بذلہ سنجی تک محدود
رکھا ۔ حکیمانہ ظرافت کی تصویر کھینچکر دکھا دی اور اس متانت کی وہ صورت بنا دی جس پر
سے ہزاروں شوخیاں قربان کیجا سکتی ہیں ۔ جہانتک غور کیا جاے مزاح اور خوشدلی
کے پیکر مجسم کی بے تعداد تصویریں نظر کے سامنے پھر جاتی ہیں ۔ اور ظرافت سے حقیقی
مقصود ظرافت حاصل ہوتا ہے ۔ بعض جگہ عبرت کو اس انداز سے ظرافت کا ہمدوش

کیا ہے کہ دیکھنے والا اتنا متاثر ہوتا ہے کہ اُس کے آنسو بھی ساتھ ہی نکل آتے ہیں بقول کیف

شادی جو ہوئی غم کے پہلو نکل آئے　　جب کوئی ہنسا ساتھ ہی آنسو نکل آئے

وہ لوگ کثرت سے ملینگے جن کے یہاں صرف الفاظ کے رنگ و روغن سے ظرافت کے مجسمہ کو چمکایا جاتا ہے اور اس کے ماحصل سے سخت غفلت کیجاتی ہے۔ مولانا حالی کے یہاں وہ قالب بیجان اور مجسمہ بے روح نہیں ہیں۔ اُن کی ظرافت کو گُدگُدیاں کہئے یا چٹکیاں۔ دل و دماغ اُس سے مسرور ہو جاتا ہے۔ اور روح کیف نشاط سے مخمور۔ مگر ظاہری متانت کبھی جانے نہیں پاتی۔ میں نمونہ کے لئے چند شعر لکھتا ہوں۔

ہوئی ریحان جوانی کی بہار آخر حیف　　طبع رنگیں تھی مے عشق کی جب متوالی

اپنی روداد تھی جو عشق کا کرتے تھے بیاں　　جو غزل لکھتے تھے ہوتی تھی سراسر حالی

اب کہ الفت ہے نہ چاہت نہ جوانی نہ امنگ　　سر ہے سودا سے تہی عشق سے دل ہے خالی

گر غزل لکھئے تو کیا لکھئے غزل میں آخر　　نہ ہی چیز وہ مضمون سجھانے والی

ہاں مگر کیجئے کچھ عشق کا غیروں کے بیاں　　لائیے باغ سے اوروں کے لگا کر ڈالی

کھینچئے وصل صنم کی کبھی فرضی تصویر　　کیجئے درد جدائی کی کبھی نقالی

پر یہ ڈر ہے کہیں اپنی بھی یہی ہو نہ مثل　　قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی

کہتے ہیں ایک امیرزادے کو　　تھا خدنگ افگنی کا شوق کہیں

خصلتیں جو امیرزادوں میں　　لازمی ہیں وہ اُس میں بھی سب تھیں

واہ وا سنتے سنتے یاروں کی　　ہو گیا تھا ہنر کا اپنے یقیں

الغرض ایک روز صحرا میں　　جبکہ تھے ساتھ سب جلیس و قریں

مشق تیر افگنی میں تھا مصروف　　کر رہے تھے خوشامدی تحسیں

آکے دیکھا جو اک ظریف نے حال　　وجہ تحسیں ہوئی نہ ذہن نشیں

جا کے بھولے سے بھی نہ پڑتا تھا | تیر آتا جگر کے کوئی قریں
کچھ جو شوخی ظریف کو سوجھی | رکھ کے بالائے طاق سب تمکیں
خاک تودہ پہ ہو کے جا بیٹھا | لوگ کرتے رہے چنان چنیں
ناوک انداز بولا چلا کر | کوئی تجھکو جنوں ہے اے مسکیں
عرض کی چارہ کیا ہے اسکے سوا | جبکہ جاتے گزر پڑ ہو نہ کہیں
زد سے ان بے پناہ تیروں کی | کہیں جاندار کو اماں نہیں
مجھکو ہر پھر کے شش جہت میں حضور | امن کی اک جگہ ملی ہے یہیں

اہل حل وعقد ہوا متفق اس رائے پر × سید احمد خاں کو کافر جاننا اسلام ہے

سید احمد خاں کہا اک منکر نے یہ پوچھا کہ آپ | کس لئے سید سے صاحب خوش ذرا اتنا نہیں
آپ بھی نام خدا ہیں تارک صوم و صلوٰۃ | اور سلوک اسلام سے خود آپکا اچھا نہیں
چشم بد دور آپ کا بھی جبکہ ہے مشرب یہی | پھر یہ سید پر تبرا آپ کو زیبا نہیں
سنکے فرمایا اگر ہو پوچھتے انصاف سے | بات یہ ہے سن لو صاحب تم سے کچھ پردا نہیں
رنج کچھ اسکا نہیں مجھکو کہ وہ ایسا ہی کیوں | بلکہ ساری کوفت اسکی ہے کہ میں ویسا نہیں

عادت تھی اک فقیر کی کرتا تھا جب سوال | انگریز کے سوا نہ کسی سے تھا مانگتا
مدت تک اسکی جب یہی دیکھی گئی روش | پوچھا کسی نے اس سے کہ اسکا سبب ہے کیا
بولا کہ عادت اس لئے کی ہے یہ اختیار | چھٹ جائے تاکہ مجھسے یہ لپکا سوال کا
پہلے جو تھا گو اوروں سے ملتی تھی روز بھیک | آتا تھا مانگنے میں بہت کچھ کسب کا مزا
پر جبکہ ہے سوال کا اس قوم پہ مدار | منت سے جنکی مجھ سے کبھی تھا نہیں گیا

ایک مسرف نے یہ ممسک سے کہا — کب تک اے ناداں یہ حب مال و زر
تو جو یوں رکھتا ہے دولت جوڑ جوڑ — ہے سدا دنیا ہی میں رہنا مگر
سنکے ممسک نے کہا اے سادہ لوح — زر لٹانا رائیگاں اور اس قدر
آج ہی گویا نصیب دشمناں — آپ کا دنیا سے ہے عزم سفر

فقیہ شہر نے ایماں کی جو کی تعریف — تو دی چراغ سے اسکو یہ آپ نے تمثال
کہا فتیلہ اقرار باللساں ہے ضرور — جہاں ہو آتش تصدیق و روغن اعمال
کہا کسی نے کہ نکلا ہے اندنوں اک تیل — نہیں ضرور فتیلہ کا جس میں استعمال

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ جنہیں ملاپ — دولت و بخت ہے ہر حال میں انکے ہمراہ
نہ انہیں حاجت اخوان نہ تلاش انصار — نہ انہیں خوف بداندیش نہ بیم بدخواہ
پر نہیں رابطہ جس قوم میں وہ یکجہتی — اسکی دنیا سے یہ سمجھو کہ گئی عزت و جاہ
نہ ملاذ ان کے لئے قلعہ نہ خندق نہ فصیل — نہ مدد ان کے لئے فوج نہ لشکر نہ سپاہ
ایک ملا نے سنا جب یہ سخن فرمایا — تکیہ اور اسقدر اسباب پہ کرنا ہے گناہ
اتفاق اور نفاق اصل میں کچھ چیز نہیں — دست قدرت کے ہے سب ہاتھ سفید و سیاہ
واں نہ ملت کی ضرورت ہے نہ کچھ قوم کا ڈر — پڑ گئی فضل کی مولا کے جہاں ایک نگاہ
کہا آزاد نے سچ ہے کہ وہ ہے ساتھ اگر — کردیں افراد پراگندہ جماعت کو تباہ
پر مجھے خوب ہے اللہ کی عادت معلوم — اسکو جب دیکھا ہے دیکھا ہے جتھوں کے ہمراہ

ہاروں نے کہا مصر لگا ہاتھ جب اسکے — فرعون کا تھا مصر ہی نے مغز چلایا
وہ خطہ ملعون تھا یہی جسکی بدولت — تھا دل میں خدائی کا خیال اسکے سمایا

میں بھی آ سے اک باغی طاغی کے علی الرغم | اک بندۂ بیقدر کو بخشوں گا خدایا
کہتے ہیں خصیب ایک غلام حبشی تھا | جسپر نہ پڑا تھا خرد و ہوش کا سایا
کی سلطنت مصر کی باگ اُسکے حوالے | نااہل کے پنجہ میں اہالی کو پھنسایا
باڑی[له] گئی یہ ایک برس نیل کی رو میں | یہ حادثہ آ اُسکو کسانوں نے سنایا
فرمایا کہ روئی کی جگہ بوتے اگر اُون | ہوتا نہ یہ نقصان کہ جو تم نے اٹھایا

اثنائے وعظ میں ہے تکیہ کلام واعظ | قدر قلیل ہے سب مال و منال دنیا
گویا کہ حرص اُسکی اس سے بھی نہیں ہے | ہو جسقدر فراہم پاس اُسکے مال دنیا

خوشامد کرتے ہیں آ آکے جو لوگ | تمھاری ہر دم اے ارباب دولت
خوشامد پر نہ اُن کی پھولنا تم | وہ گویا تمکو کرتے ہیں ملامت
کہ جو ہم نے بیاں کیں خصلتیں نیک | نہیں اُنمیں سے تم میں ایک خصلت

پوچھا کسی دانا سے سبب کیا ہے کہ اکثر | مردوں کی حکومت ہے جہاں ملکوں کی بگڑی گت
لیکن بخلاف اسکے ہے عورت کا جہاں راج | واں ملک ہے سرسبز اور آباد رعیت
فرمایا کہ ہوتے ہیں جہاں مرد جہاندار | قبضہ میں ہے واں عورتوں کے دولت و ثروت
اور سر پہ ہے عورت کے جہاں افسر شاہی | سمجھو کہ ہے اس ملک میں مردوں کی حکومت

بشر کے صدمے سے ہوتا ہے بشر کو ملال | کہ ایک جڑ کی ہیں سب ٹہنیاں صغار و کبار

له دلی کے نواح میں باڑی خصوصاً کپاس کے کھیت کو کہتے ہیں ۱۲

یہ صدمہ گر غلطی سے کسی کی پڑتا ہے — تو اور بھی اُسے دیتا ہے انفعال و فشار
یہی سبب ہے کہ ہوتے نہیں طبیب ملول — جو چل بسے کوئی ان کے علاج میں بیمار
وہ جانتے ہیں کہ چھپ جائیگی خطا میری — کیا ملال کا اپنے گر اس جگہ اظہار

رُباعی

زاہد کہتا تھا جاں ہے دیں پر قرباں — پر آیا جب امتحاں کی دو پر ایماں
کی عرض کسی نے کہئے اب کیا ہے صلاح — فرمایا کہ بھائی جان جی ہے تو جہان

ایضاً

ہے عشق طبیب دل کے بیماروں کا — یا گھر ہے وہ خود ہزار آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے پر اتنی ہے خبر — اک مشغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا

پوچھا جو کل انجام ترقی بشر — یاروں سے کہا پیر مغاں نے ہنس کر
باقی نہ رہے گا کوئی انساں میں عیب — ہو جائیں گے چھل چھال کے سب عیب ہنر

اک منعم مسرف نے یہ عابد سے کہا — کر میرے لئے حق سے فراغت کی دعا
عابد نے کہا یہ ہاتھ اٹھا کر سوئے چرخ — محتاج کر اسکو جلد اے بار خدا!

جب تک کہ نہ ہو دشمن اخواں پکا — ہوتا نہیں مومن کا ایماں پکا
ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے — سنتے ہیں کسی کو جب مسلماں پکا

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم ۔۔۔ سمجھو کہ وہاں ہی کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہے مشیر دولت ۔۔۔ یا ہے کوئی مولوی وزیر اعظم ۱۳

یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیب و گناہ ۔۔۔ کافر کہا واعظ نے انھیں اور گمراہ
جھوٹے کو نہیں ملتی شہادت جسوقت ۔۔۔ لاتا ہے خدا کو اپنے دعوے پہ گواہ ۱۴

کہنا فقہا کا مومنوں کو بے دیں ۔۔۔ سنتے سنتے یہ ہو گیا ہمکو یقیں
مومن سے ضرور ہوگا مرقد میں سوال ۔۔۔ تکفیر بھی کی تھی فقہا نے کہ نہیں

واعظ نے کہا کہ وقت سب جاتے ہیں ٹل ۔۔۔ اک وقت سے اپنے نہیں ٹلتی تو اجل
کی عرض یہ اک سیٹھ نے اٹھکر کہ حضور ۔۔۔ ہے ٹیکس کا وقت بھی اسیطرح اٹل

حجام ایک نائی عنایت اللہ نامی کا تخلص تھا جس کا اصلی وطن سہارنپور تھا ۔ مگر آب و دانہ کی کشش اور اپنے پیشہ کے چمکانے کی ضرورت سے دلی میں قیام رہتا تھا ۔ اور یہاں کی خاک پاک سے وہ انس تھا کہ عمر بھر یہیں رہے ۔ طبیعت میں شعر سے قدرتی لگاؤ تھا مرزا رفیع سودا سے اصلاح لیتے تھے اور اسوقت کے تمام مشاعروں میں شریک ہوتے تھے وہ زمانہ کچھ آجکل کا سا نہ تھا کہ لوگ اُس کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے سے عار کرتے ۔ بلکہ وہ لوگ فن کے قدر دان تھے ۔ چونکہ یہ ایک خوشگو خوش مذاق شخص تھا ۔ اسی لئے بڑے بڑے شرفا بھی اپنے مشاعروں میں بلاتے تھے ۔ بعض شعروں میں ظرافت کے طریق پر اپنے پیشہ کا ذکر کرتا لوگ آفریں کہتے اور جی کھول کر داد دیتے ۔ مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ کی داڑھی میں کنگھا اور منگل کو خطاب لگایا کرتا تھا ۔ اور مولانا ہی سے بیعت رکھتا تھا ۔ مولانا نے تبرکاً ایک پوشاک

اور دستار دیدی تھی یہ فخریہ اُسکو پہنتا تھا۔ اور ہمیشہ اپنے دامن حال اور وضع قطع کو روش درویشانہ سے مزین رکھتا تھا۔ اسی بنا پر اہل محلہ اسکو شاہ جی کہا کرتے تھے۔ تمام تذکرہ نویس اس کی خوشگوئی کے مقر ہیں۔ چنانچہ مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ اچھا شعر کہتا تو اس کے خیال بال سے زیادہ باریک ہوتے تھے۔ مسٹر ایلیٹ فیلن نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ سنہ ١٧٩٣ء میں اسکی عمر ٣٥ برس کی تھی۔ اشعار ظریفانہ کا انتخاب یہ ہے۔

روز رخسار کے لیتا ہوں مزے خوباں کے — بہتر اس شغل سے حجام ہنر کیا ہوگا
کیوں مجھکو ستاتی ہے تو اے گردش گردوں — میں نائی کا بیٹا ہوں کہیں سر نہ رگڑ دوں
آجکل کے خوبرو دیکھے تو ہیں یہ سکھ بچے — ان تلک حجام ہی پہنچے نہ یہ حجام تک
خط آئینے کی بھی اپنی رسائی نہیں وہاں — حجام کس طرح سے ملیں کیا ہنر کریں
قینچیوں پر میاں پڑتا ہے تب سے گھڑے پانی — بلا حجام کو جس روز تم حمام کرتے ہو
اس شوخ کے کوچہ میں سجایا کرو حجام — چھن جاینگے اک روز یہ اوزار تمھارے
کل میاں حجام سب کا مونڈتے پھرتے تھے سر — آج اس کوچہ میں ان کی بھی حجامت ہوگئی
لگ چلیے جو اس شوخ سے رستہ میں تو وا ہے — جھنجھلا کے یہ کہتا ہے کہ چل دور ہٹا لے

حجام کسی دلی کے رہنے والے حجام کا تخلص تھا جو غازی الدین خاں کے مدرسہ کے متصل رہتا تھا۔ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں اسکا ذکر کیا ہے لیکن نام نہیں لکھا۔ اور خیال ظاہر کیا ہے کہ غالبًا کسی سے اصلاح نہیں لیتا ایک شعر نمونتاً لکھا ہے۔

کام آیا نہ دست حجام سے — شیخ کی داڑھی کو قصر کر گیا

حرق - میر حسن مرزا نام میر اشرف علی مرحوم رئیس ڈھاکہ کے (اسے ادمیر علی آشنا

اور غلام حیدر مجیب کے شاگرد تھے [illegible]ء میں نساخ کے تذکرہ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت زندہ و بخیریت تھے شعروں میں ظریفانہ رنگ بھی شامل رہتا تھا۔ نمونہ کلام

چھٹی محرم دکھا کر اپنی وہ محرم سے یہ بولے — کسی عیار نامحرم کی یہ چالاک دستی ہے
نکھیں صورت کا غرہ ہے تو یاں دل کی محبت ہے — تمہارا حسن مہنگا ہے تو کس کی جان سستی ہے
ایک بندہ کی بھی جان بخشی نہ کی — اے بتو تم سے خدائی ہو چکی

حریف لالہ شیام لال سائیکل میکر ساکن لکھنؤ کا تخلص۔ جو دور موجودہ کے ایک ظریف شاعر ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔ زیادہ حالات معلوم نہیں۔

تیرے عاشق جتنے تھے اُن کا جدا انداز تھا — کوئی دھوتی باندھتا تھا کوئی ستھنے باز تھا
دیتا جا ہے دیتا جا لیلیٰ کے کتے کا کفن — چھیڑتے تھے لونڈے مجنوں قوم کا بزاز تھا
سیکڑوں دیتا تھا تاوے قیس کے پر بند کو — تا کہ لیلیٰ بھی اک کھوسٹ کبوتر باز تھا

یار ہے وصل کی شب آپ کا تن توش مجھے — ہٹیے ہٹیے کہیں اب کیجیے سبکدوش مجھے
آیا نخاس تو بولا مرا کمسن دلبر — اچھا اچھا کوئی لے دیجیے خرگوش مجھے
گالیاں سن کے جو میں ٹال دیا کرتا ہوں — اپنے دل میں وہ سمجھتے ہیں گراں گوش مجھے
ڈر گیا دیکھ کے میں اس کی بھیانک صورت — جب سے بیہوش ہوں آتا ہی نہیں ہوش مجھے
ان کے ہتھیار بھی کرتا کا نرالا ہے چلن — کاٹ کھاتے ہیں وہ پاتے ہیں جو بیہوش مجھے
رو کے کہتے ہیں کہ عید آ گئی اب سر پہ حریف — آپ لا دیجیے زربفت کی پاپوش مجھے

خریں — ایک ریختی گو کا تخلص ہے جن کے انداز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اب سے تیس چالیس برس اودھر کے شاعر ہیں۔ ریختی میں وہ لطف نہیں ہے جو ان کے معاصرین

رنگین یا جان صاحب کے یہاں ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

پہنا گلے میں تم نے جو پھولوں کا ہار ہے ۔۔۔ سمدھن تمھارے حسن پہ کیا ہی بہار ہے
ہوتی ہے پیٹرھی گر گردن سیدھی طرح سے آ ۔۔۔ گھوڑے پہ آج بادکے سمدھن سوار ہے
سمدھی بتاؤ تم کو یہ کیسی ہے بے کلی ۔۔۔ آرام تم کو اور نہ اک دم قرار ہے
سوکھا ہی اس نے پار اُتارا رقیب کو ۔۔۔ سمدھن ہماری خوب سلیقہ شعار ہے
سمدھن حزیں سے تم نہ لگاوٹ کرو ذرا ۔۔۔ لائق تمھارے منہ کے کرٹ پڑا کہار ہے

حکیم مولوی محمد سمیع ارادت اللہ تخلص نام ہے آپ انصاری ہیں اور لکھنؤ کے مشہور خاندان علمار فرنگی محل سے ہیں۔ قابلیت عربی و فارسی نہایت اچھی ہے۔ نیک طینت ملنسار خوش خلق ہیں۔ دونوں رنگوں میں شعر کہتے ہیں۔ مگر رنگ ظریفانہ طبیعت پر زیادہ غالب ہے اور اس میں اپنی جودت طبع ہمیشہ دکھاتے رہتے ہیں۔ اگرچہ راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ مستقلاً کس سے اصلاح سخن میں استفادہ کرتے ہیں۔ ایک دو مرتبہ میں نے خود دیکھا کہ حضرت ظریف کو غزل دوا روی میں سر مشاعرہ دکھائی۔ آپ کے کلام میں شوخی بھی ہے اور شوخی کے ساتھ ایک خاص قسم کی متانت بھی پائی جاتی ہے۔ اس وقت آپ کی عمر تخمیناً ستائیس اٹھائیس برس کی ہوگی۔ اگر یونہی مشق سخن جاری رہی تو مستقبل نہایت کامیاب ہوگا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

انوکھا آپ کا انداز اے اللہ میاں نکلا ✲ نشاں بھی بے نشاں نکلا مکاں بھی لامکاں نکلا

دفعۃً چونتیس میں چالان ہوا خوب پٹے ۔۔۔ پی سکے ہم تم جو چلے جھومتے میخانے سے
لا اُبالی کہیں چلاؤں گا میں تجھ پر ساقی ۔۔۔ مئے پلائی مجھے لوٹے ہوئے پیمانے سے
رہ گئے دست جفا رقص کئے ورنہ اکڑن ۔۔۔ ٹھرڑوں ٹوں پٹیے گا عشاق کے مر جانے سے

قبل از سوال میں نے نکیرین سے کہا　　بے پوچھے آپ کیوں چلے آئے مزار میں
مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن　　کچھ اور ہو گئیں تری آنکھیں خمار میں

مارڈنڈوں چھوڑ دیتا عشق کے اظہار پر　　شکر کر مجنوں کہ لیلیٰ کا کوئی بھائی نہ تھا
ماشاءاللہ سیکڑوں کھٹمل بھی تھے مچھر بھی تھے　　کیوں کہوں کوئی شریک شام تنہائی نہ تھا

قید میں صیاد و گلچیں نے ستانے کیلئے　　باغ میں ٹولٹ لگایا آشیانے کیلئے
TOLET

وسوسہ کیوں نہ پیدا دل شیدائی میں　　ختم ہے تیل چراغ شب تنہائی میں
دیکھ لیتا ہے جو ہاتھوں میں لئے دل مجھکو　　پھاڑ کھاتا ہے سگ کوچۂ قاتل مجھکو
قیس کہتا تھا نہیں ورنہ لنگوٹی باندھو یا　　ہاتھ آجائے اگر پردۂ محمل مجھکو
آکر چڑھی ہے سر پہ جو بھنگ شباب کی　　وہ جھومتا ہے زلف پریشاں کئے ہوئے
واللہ اسقدر بھی اب احمق نہیں ہیں ہم　　بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے
یہ عذر کیا اسنے اور جانے کی ٹھہرائی　　دو آدمی اور انہیں اک ٹوٹی سی چارپائی
پہلے سر زاہد پر اک زور سے چپکائی　　دیکھا جو ادھر اُس نے بندہ ہوا ہرجائی
جو ملجاتی ہمیں کچھ روز کو واجد علیشاہی　　تو ہم بھی اک مہینہ میں کئی سو بیبیاں کرتے
ہوتی ہے دشت نجد میں ہر روز دھینگ　　مجنوں کی خاک اور ہمارے غبار سے
چراغ میرے لحد کے بجھائے جاتے ہیں　　عدو کی بزم میں ہانڈے جلائے جاتے ہیں
پاؤں کی ٹوٹی ہوئی انگلی دکھاتی ہے عبث　　اور بھا گو صورت بیمار ہجراں دیکھکر
وندنا کر گھس گیا میں محفل دلدار میں　　منہ جو نہی پھیر لے مجھے دربان بخریاں دیکھکر
ٹھینگا دکھلانا کسی کا سجنے میں اے حکیم　　یاد آتا ہے مجھے خار مغیلاں دیکھکر

حرفِ خا

خضر سبزواری ایک تنومند قوی ہیکل اور پہلوان تھا۔ جو فسق و فجور میں اپنی زندگی گزارتا تھا۔ شعر بھی کہتا تھا مگر دہی اوباشانہ رنگ مدنظر رہتا تھا۔ شراب نوشی کی وجہ سے ہر وقت مخمور و مسرور و مدہوش رہتا تھا۔ غرضکہ ان کے تخلص کو دیکھتے ہوئے یہ مثل پورے طریق سے اس پر صادق آتی ہے ع برعکس نہند نام زنگی کافور
عورتوں کی صحبت اور صورت سے نہایت متنفر اور امارد کی طرف راغب تھا۔ یہ دو شعر نمونتاً پیش ہیں۔

زنہار بزن اگر زرے ہست مدہ   زر جز بجوان رند سرمست مدہ
موے سر زلف امرد از کف مگذار   سر رشتۂ دولت است از دست مدہ

خلیفہ۔ رحیمی حجام کا تخلص تھا جو دلی کا رہنے والا تھا۔ راگ وغیرہ کا بڑا شوقین رنگین مزاج بذلہ سنج خوش طبع ظریف تھا۔ بھنکر اور ضلع جگت میں طاق تھا۔ تذکرہ گلستان سخن کی ترتیب سے پہلے مر چکا تھا۔ ایک مرتبہ کسی پہلوان کی ہجو میں چند شعر کہے تھے انھیں میں کا ایک یہ شعر ہے۔

اودھا پٹھے ہی نیچے سدا ہر جوان کے   تا لوگ یہ کہیں کہ کبھی چت نہیں ہوا

خلیق۔ دلی کے رہنے والے ہیں۔ استعداد علمی معمولی ہے۔ مگر شعر و شاعری کا شوق معمول سے کچھ زیادہ ہے منشی چندر بھان کیفی۔ اور سائل دہلوی کے شاگرد ہیں

کبھی کبھی مضامین ظریفانہ بھی نظم کرتے ہیں۔ راقم نے ایک مرتبہ دلی کے ایک مشاعرہ میں دیکھا تھا۔ اب تخمیناً چالیس برس کی عمر ہوگی۔ ایک نظم (ہمارا فیشن) سے کچھ بند نقل کئے جاتے ہیں۔

۱- زمانے کے عجب بدلی ہے رنگت — کہ کالے بن گئے گوروں کی صورت
بڑھی نکٹائی اور کالر کی زینت — نہ وہ پہلی سی خصلت ہے نہ عادت
اڑے پھرتے ہیں انگریزی ہوا میں
گئے رو کیں کے فیشن سے تھا میں

۲- مگر ہر شخص اپنی جون میں ہے — ہوا میں بھر رہا ہے دولتیں ہے
نئی تانتی کی گرمی خون میں ہے — اکڑ فوں کوٹ میں پتلون میں ہے
پرانوں کی وہی چالیں پرانی
سروں پر ٹوپیاں ہیں کامدانی

۳- یہ فیشن کی ایسی چڑھ بنی ہے — سٹک ہاتھوں میں پاکٹ ڈائری ہے
سخی کا لال قسمت کا دھنی ہے — وہی کرتا ہے جو دل میں ٹھنی ہے
کوئی کتنا ہی پیٹے غل مچائے
خلل ہے ایک جب پڑ کو ہرائے

۴- زمیں پر پاؤں بھی دھرتے نہیں ہیں — کسی کے باپ سے ڈرتے نہیں ہیں
بزرگوں کا ادب کرتے نہیں ہیں — پرانی چال پر مرتے نہیں ہیں
تکلف میں ہیں تکلیفیں سراسر
ڈٹے ہیں باپ دادا کے برابر

۵- کسی لیڈی سے گرمات ہوئے ہیں — پری کے [illegible] آسے ہوئے ہیں
اڑے پھرتے ہیں اترائے ہوئے ہیں — محبت کی قسم کھائے ہوئے ہیں
نہیں منظور دم بھر کی جدائی

پکڑی لال بی بی کی کلائی

بدل کر روپ اس روزی بنایا — بڑے دن کو کلب گھر میں نچایا
بغل میں ہاتھ دے دے کر اٹھایا — سمند ناز پر کوڑا لگایا

چہیر غٹو ہوئے ہیں سادگی پر
نہ بالے ہیں نہ پتے ہیں نہ جھومر

نہ غمزہ ہے نہ شوخی ہے نہ چھل بل — نہ مسی ہے نہ سرمہ ہے نہ کاجل
دوپٹہ کا جھمیلا ہے نہ آنچل — نہ چوڑی پاتوں میں پہنی نہ چھاگل

نہ پتے کان کے اندر نہ بالی
نہ پانوں کی لب رنگیں پہ لالی

بھبھو کا حسن گدرایا ہوا ہو — جو نینی تال سے آیا ہوا ہو
بدن چربی سے چکنایا ہوا ہو — برانڈی کا نشا چھایا ہوا ہو

کمر میں ناز سے پیٹی کسی ہو
نئی پوشاک پھولوں میں بسی ہو

کسی کی نوجوانی کا ہو جوبن — کمر پتلی صراحی دار گردن
کرے اٹکھیلیوں سے سیر گلشن — گلے میں ہاتھ ہو ہاتھوں میں دامن

دکھائے کھیل ٹینس کے نرالے
کھلے میدان میں گیندیں اچھالے

برابر بیٹھ کر جائے فٹن میں — کسی لیڈی سے ملنے کو مشن میں
تکلف سے نہ شرمائے ٹفن میں — کہ ہپ ہپ کر کے رکھ جائے دہن میں

جگر میں چٹکیاں لے گدگدا کر
رجھائے دل پیانو کو بجا کر

خندہ - میر شجاعت علی صاحب نام ہے - بریلی کے رہنے والے تھے ظرافت کے رنگ میں بہت خوب کہتے تھے ۱۸۷۵ء میں زندہ اور بخیریت موجود تھے چند شعر کلام سے انتخاب کیے جاتے ہیں -

ایک سے ایک شب ہجر میں بڑھ کر آیا
کبھی پسو کبھی کھٹمل کبھی مچھر آیا

پھونس سے یار کو جاڑوں میں تھا پانا وصل
کام آخر مرا ٹوٹا ہوا چھپر آیا

اپنی گھوڑی کو جدا کر تو کڑے سے اے شیخ
ہنہناتا ہوا خندہ کا وہ خچر آیا

ہوں کوئی دس سیر چاول دو من بھر شیر ہو
ڈال دو کھاری نمک تو خوب من بھر شیر ہو

مے پسند شیخ صاحب کی یہ اب توقیر ہو
پاؤں میں گھنگرو بندھیں اور ناک میں اک تیر ہو

کیا کوئی چھیڑے انھیں اور کیا لگائے کوئی ہاتھ
ناک کے پکڑے سے جھٹکے پھوٹتی نکسیر ہو

ہو دہن کا انکے بوسہ سے سودا کا علاج
جس طرح اے خندہ علی کی دوا اکسیر ہو

مرا رقیب الٰہی ذلیل و خوار رہے
گلے میں ٹوٹی ہوئی جوتیوں کا ہار رہے

لحاف اوڑھ کے چھپر پہ یا یوں بیٹھے
کہ جب نکاح کے دن آن کے تین چار رہے

لگا کے آگ بجھانے کو جاؤں دیکھوں اسے
مرے محلہ میں آکر اگر وہ یار رہے

ہضم ہوتے نہیں اب پانچ روپے رشوت کے
لوگ کھاتے تھے پچاسے کے پچاسے پہلے

سینہ پر مار کے ہاتھوں کو وہ سر کوٹتے ہیں
ڈھول پیچھے سے بجاتے ہیں تاشے پہلے

خندان - عبدالحمید نام تھا۔ لکھنؤ کے رہنے والے تھے - ان کے والد دہلی سے لکھنؤ میں آکر رہے - مگر پھر یہیں رہ پڑے اور پیوند خاک ہو گئے۔ خنداں مرحوم اول

ظرافت کے رنگ میں شعر کہتے تھے۔ بعد کو فنا تخلص کیا۔ اور سنجیدہ شعر کہنا شروع کئے۔ اس رنگ میں نہایت عمدہ شعر کہنے لگے تھے۔ مگر قضا نے مہلت نہ دی ۲۴-۲۵ برس کی عمر میں ۱۹۲۶ء میں انتقال کیا۔ اول اول میر باقر صاحب آشفتہ برادر خورد پیارے صاحب رشید مرحوم سے اصلاح لیتے تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد احمد خاں صاحب ناظم کو اپنا کلام دکھایا۔ آخر میں محمد جعفر صاحب بہار سے مشورہ سخن کرتے رہے راقم تذکرہ کے بے تکلف دوست تھے گھنٹوں شعر سنتے اور سناتے تھے۔ خود بینی اور خود پسندی مزاج میں زیادہ تھی مگر نہایت سخن سنج واقع ہوئے تھے۔ دوسروں کے کہے ہوئے چند الفاظ تبدیل کر کے اپنے نام سے سنا دیا کرتے تھے۔ کم رو۔ میانہ قد۔ سانولا رنگ تھا۔ سامنے کا ایک دانت ٹوٹ گیا۔ جو ہنستے وقت نہایت بدنما معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے جب ہنستے تھے منھ پر رومال یا ہاتھ رکھ لیا کرتے تھے۔ کلام ضایع ہوگیا اور اب ظرافت کا صرف ایک شعر یاد رہ گیا ہے۔ جو لکھا جاتا ہے۔

میں ایک ساز ہوں مگر اُلٹے ٹھاٹ کا	وہ چھیڑنے لگا تو میں خاموش ہوگیا

حرف دال مہملہ

داؤد مولوی محمد داؤد ابن مولوی علی محمد صاحب وکیل عباسی متوطن امروہہ ۲۷- رمضان المبارک سنہ ۱۲۸۵ھ کو بمقام امروہہ پیدا ہوئے اور سترہ جون سنہ ۱۹۱۰ء کو بمقام فتح آباد انتقال کیا نہایت قابل ذکی اور ذہین تھے- ۲۲- برس کی عمر میں علیگڈھ سے بی-اے کی ڈگری حاصل کرکے کالج میں کسی عہدہ پر مقرر ہوئے اور بعدہٗ نائب تحصیلدار مقرر ہوکر مختلف جگہوں میں نہایت قابلیت سے اپنے فرائض کو انجام دیا- شاعری کا شوق دوران تعلیم ہی میں پیدا ہوگیا تھا- جو ترقی کرتے کرتے مرتبہ اعلی پر پہونچ گیا- قدیم اور جدید دونوں رنگوں میں شعر کہتے تھے- طبیعت میں چونکہ شوخی کا مادہ زیادہ تھا اس لئے کہیں کہیں دو ایک ہلکی سی ظرافت کا رنگ اختیار کرلیتا تھا- انتخاب کرکے تھوڑا سا کلام درج کیا جاتا ہے-

ناصح کی گفتگو سے مرا ناک میں ہے دم
آئے ہیں دیکھئے شتر بے مہار سے

یہ چھوٹا اور ہے بڑا باہنے دیجئے
ہم بھی تو رات بھاگ کے آئے تھے دار سے

سن کر پیام پر سے مرا نام یوں کہا
وہ بھی تو دبلے پتلے تھے صورت نزار سے

معلوم ہے مجھے بڑے استاد ہیں جناب
یوں دیکھنے میں سیدھے سے پرہیزگار سے

خود مجھکو تجربہ ہے برا ہے کیا کہوں
خالق بچائے ایسے شریر دل کے وار سے

کیا بڑی شے ہے پھر اسے کھائی جس نے آدمی
آپ کچھ کہتا ہے منہ سے کچھ نکلتا ہے مگر

ایک منشی سے ختم خانہ پہ پوچھا مرتا
پوچھا اک انگریز نے ذکر ہو تم کس کلام پر

بات تو کچھ بھی نہ تھی لیکن نہیں معلوم کیوں ہو گئے اُس وقت وہ سنکر پریشاں اسقدر
میں شتر خانہ کا منشی ہوں یہ کہتے تھے ولے کہہ گئے گھبرا کے یوں ہوں منشی خانہ کا شتر

---

۴ ایک دن کچھ آدمی بیٹھے ہوئے کر رہے تھے گفتگو باہمدگر
اُن میں تھا اک شخص ایسا بھی کہ جو کر چکا تھا غیر ملکوں کا سفر
ہوتے ہیں چالاک ایسے لوگ سب وہ مگر اوروں سے تھا چالاک تر
جھوٹ کہتا تھا مگر سچ کی طرح اُس کی باتیں تھیں نہایت پر اثر
ہو رہا تھا تذکرہ ہر قسم کا کر رہے تھے بحث ہر مضمون پہ
باتوں باتوں میں کہا سیّاح نے میں عرب میں بھی رہا ہوں سال بھر
سُن کے یہ بات اور تو سب چپ رہے سب نے اس کا قول سچ سمجھا مگر
ایک کے دل میں یہ شک پیدا ہوا کیا تعجب جھوٹ کہتا ہو اگر
اس سے کچھ حالات واں کے پوچھئے سوچکر یہ اُس نے قصّہ مختصر
اُسنے پوچھا آپ کا ہوتا تھا واں خدمت زمزم میں بھی کا ہے گزر
سُن کے اُسکے مونھ سے یہ سیّاح نے سمجھا زمزم نام ہے کوئی بشر
بولے جی ہاں اُنکی خدمت میں تو میں روز حاضر ہوتا تھا وقت سحر
آج دنیا میں نہیں اُن کا جواب ہے تقدس ختم اُن کی ذات پر
اب تو بوڑھے ہوتے جاتے ہیں بہت کیوں نہ ہوں ہیں بھی تو ستر سے اُدھر
سُن کے یہ سب نے لگایا قہقہہ اور کہا تمکو نہیں یہ بھی خبر
اک کنوئیں کا نام ہے زمزم وہاں آپ یہ سمجھے کہ ہے کوئی بشر
جب نہ بن آئی کوئی معقول بات تب کہا سیّاح نے یوں جھینپ کر
اُس زمانے میں تو تھے وہ آدمی ہو گئے ہوں گے کنواں اب کیا خبر

وینگ — حافظ سراج احمد نام تھا۔ مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ اگرچہ نہایت بیباک
پھکڑ تھے۔ تمام شاعری اوباشانہ اور بیباکانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی ایک شعر قابل
اندراج مل سکا۔

شیخ جی کا بھی انتقال ہوا — کوئی دنیا میں سدا نہ رہا

ڈگانا تخلص تھا ریختی میں۔ مگر ریختہ اور عاشقانہ کلام میں منجو تخلص کرتے تھے
منشی اسد اللہ نام تھا۔ علی جان کے عرف سے معروف تھے۔ مقام چھپرہ ضلع ہگلی کے باشندہ
تھے۔ ان کے آبا و اجداد کا وطن قدیم دلی تھا۔ مگر ولندیزوں کے عہد میں کچھ اسباب ایسے
ہوئے کہ ترک وطن کر کے یہاں کی سکونت اختیار کرنی پڑی۔ اور یہی قدیمی وطن ہو گیا۔ چنانچہ
ڈگانا یہیں پیدا ہوئے مگر چونکہ والدین کو تعلیم و تربیت کا ہر وقت خیال تھا اس لئے
چھپرہ میں اسکا انتظام کافی نہ دیکھکر ان کو کلکتہ تعلیم کے لئے بھیجدیا۔ اور وہیں تعلیم پائی۔ ڈگانا
کو ابتدائے عمر میں شعر و شاعری کا شوق پیدا ہوا اور اثنائے تعلیم و تربیت ہی میں شعر و شاعری
کی طرف جھک گئے۔ کلکتہ میں اسوقت مولوی عبد الغفور نساخ ایک کامل الفن استاد تھے
جو بعہدہ ڈپٹی کلکٹری بہار مامور تھے۔ چنانچہ انہیں کو انھوں نے کلام دکھانا شروع کیا
اور منجو تخلص اختیار کیا۔ مگر رنگین طبیعت نے صرف ایک رنگ پر قناعت نہ کی اس لئے
دوسرا رنگ ریختی بھی کہنا شروع کیا۔ اس میں بھی نساخ کو اپنا رہنما اور استاد بنایا۔ نہایت
پختہ مشق اور صاحب دیوان تھے مگر کلام اب ناپید ہو گیا۔ جو شعر مل سکے وہ درج
کرتا ہوں۔

رات کو اک اگرت نشہ کھٹا نے — صحن میں پا کے بے حجاب مجھے
چھاتیاں اپنی گلے سے لپٹا کے — پھر لیا زانو پہ نیں داب مجھے
منتیں کیں ہزاروں قسمیں دیں — کر کے چھوڑا مگر خراب مجھے

دل جناب چودھری عبدالرحمن صاحب صدیقی سندیلوی کا تخلص ہے کبھی کبھی رنگ ظرافت میں شعر کہتے ہیں۔ زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

ہوا ہے شوق داغ دل کی کنکیا اڑانے کا — بٹا کرتا ہوں ڈور اُن کے لئے چاک گریباں کی
مرا اس ناز کے صدقے کہ تیغ ناز اُس بت نے — ہمارے قتل کرنے کو کبھی کھولی کبھی ڈھانکی
سوالِ وصل پر جو یہ دم انکار ہلتی ہے — مری جاں کیا کبھی دن ہے یا گردن ہے ٹٹیاں کی
بگڑتے کیوں ہو سیدھا کہنے پر آؤ بیٹھو تو — تمہاری ہر نگہ ترچھی تمہاری ہر ادا بانکی
میاں مجنوں نے ڈھیلا کھینچ مارا جوش وحشت میں — اٹھا کر پردۂ محمل اگر لیلیٰ کبھی جھانکی
نہیں راضی کسی صورت سے جھولا جھولنے پر دل — مگر ڈوری ہو شاخ سرو قد میں زلف جاناں کی

دلسوز نام خیراتی خاں تخلص دلسوز تھا۔ علیگڑھ کے رہنے والے قوم کے افغان تھے شاہ نصیر مرحوم کے شاگرد تھے اور نواب ظفریاب خاں خلف بیگم شمرو کی رفاقت میں زندگی گزارتے تھے۔ شراب بہت پیتے تھے۔ جو بات تھی وہ درجۂ اعتدال سے بڑھی ہوئی تھی۔ ظرافت اور شوخی کلام میں بہت تھی۔ مگر اب کلام نایاب ہو گیا۔ اور کسی طرح باوجود تلاش بھی نہیں ملتا۔ دو تین شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں۔ دلسوز نے ۱۸۵۵ء میں بمقام جے پور انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔

وہ تو کہتے ہیں راز دل اپنا — مت کسی اپنے یار سے کہنا
اور یہاں دل کی بیقراری سے — روز دو تین چار سے کہنا

سہہ لیں گے ہم اگر لاکھ برائی ہوگی — پر کہیں آنکھ لڑائی تو لڑائی ہوگی

دلیر منور خاں نام تھا۔ میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ ابتدائے عمر سے شعر و شاعری

کے دلدادہ تھے۔ مگر ہمیشہ نئی اُپج کی لیتے تھے۔ اور اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی ایسی بات کہوں جو کسی نے نہ کہی ہو۔ چنانچہ اسی افتادِ مزاج کی بدولت یہ رنگ اختیار کیا کہ شرفا اور طبقۂ خواص کی زبان کو چھوڑکر اس طرف کی چھوٹی قوموں مثلاً گدی۔ گوجر۔ جاٹوں کے روزمرہ میں شاعری شروع کر دی۔ اور اگرچہ یہ رنگ نہایت ہی مشکل اور دشوار تھا۔ مگر دلیر نے اسقدر مشق بہم پہونچائی کہ ۱۸۵۵ء میں ظفر بہادر شاہ آخری تاجدار دہلی کے دربار میں کچھ مدحیہ اشعار اسی زبان میں پیش کئے۔ اور بادشاہ نے ان کو بہت پسند کیا۔ دلیر کو انعام اور خلعت دیا گیا۔ بادشاہ نے غالب اور ذوق وغیرہ سے بھی اسی زبان میں کچھ کہنے کا حکم دیا مگر چونکہ یہ ایک مشکل بات تھی اس لیئے اُن لوگوں نے انکار کر دیا اور یہ سہرا دلیر کے سر رہا ۱۸۵۷ء تک اسی رنگ میں شاعری کرتے رہے۔ مگر انقلاب سلطنت کے بعد سے اس رنگ کو ترک کر دیا۔ پھر بھی چونکہ وہ اس رنگ میں نظمیں۔ غزلیں۔ قطعے۔ مثنوی۔ سبھی کچھ کہہ چکے تھے اسی وجہ سے ایک اچھا خاصہ دیوان مرتب ہو گیا۔ اور اپنی زندگی ہی میں طبع کرا لیا۔ آخرکار ۷۶ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ انتخاب کلام کے ساتھ ترجمہ بھی دیدیا گیا ہے کہ ناظرین کے لطف میں اضافہ ہو اگرچہ اس کلام سے اصل میں زیادہ تر وہی لوگ لطف اٹھا سکتے ہیں جو مراد آباد سہارنپور کے درمیان آباد ہیں۔ کیونکہ دلیر نے صرف ان ہی قوموں کی زبان ہی نہیں لکھی۔ بلکہ اُن کے طرز تکلم۔ اُن کے طریق معاشرت اُن کی وضع قطع۔ اُن کی صورت آبادی اور بود و باش۔ اُن کے جذبات۔ اُن کے اطوار اُن کے خیالات وغیرہ کو بھی زبان کے ساتھ ہی ساتھ رکھا ہے۔ یہ ایک انتہا سے کمال ہے اور اسوجہ سے صرف زبان جاننے والا اُس سے پورا لطف نہیں اٹھا سکتا تاوقتیکہ اُن کی معاشرت اور تمدن سے اچھی طرح باخبر نہ ہو۔ اور یہ نہ جانتا ہو کہ وہ لوگ جن کی یہ زبان ہے کس موقع پر کیا کرتے اور کیا کہتے ہیں۔ مگر پھر بھی غور کرنے پر ہر شخص بقدر ذوق لذت اندوز ہو سکے گا۔ اول میں حمد اور نعت و منقبت دیکھیئے کہ کسقدر ندرت کے ساتھ

اونھیں جذبات عوام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کی گئی ہیں۔

ہے مرکھا اک ہے موے مالک   تو باپو ہم تیرے بالک

اے میرے خالق رب میرے مالک   تو باپ ہے اور ہم تیرے بچے ہیں

راتوں مارے دونوں جرا دینے   تیرا انت کوئی نا پاوے

تو اون کو بھکو مار ڈالتا ہے اور ان کو زندہ کرتا ہے   تیرا بھید کوئی نہیں پا سکتا

تجھسا ٹھاڈا کون ہے دوجا   جاکی جگت کیے سگ پوجا

تجھسا بزرگ دوسرا کون ہے   جس کی تمام دنیا پرستش کرتی ہے

تو ہی الٹے میگھ ملارا   تو ہی اوادے بونڈا مہارا

تو ہی گھٹا سے پانی برساتا ہے   تو ہی ہماری کھیتی اور بونڈے بوا اور کاشت کراتا ہے

ہے میرے صاحب بھکشن ہارے   ہمارے کھوٹے کا کر موارے

اے میرے بخشنے والے اللہ   ہمارے اعمال سے بدی کے چاک کرنے والے

دلیرا ہے تیرا داسی   تو ہی دیگا تاتی باسی

دلیر تیرا غلام ہے   تو ہی اسکو تازی باسی روٹی دیتا ہے

نعت

نبی محمد رب کے پیارے   جگ پر جاکے راج دلارے

خدا کے پیارے رسول محمد   تمام دنیا کے سردار

رب کے بھیجے جگ میں آئے   ساری کھاطر دیوا لائے

خدا کے بھیجے ہوئے دنیا میں آئے   اور ہماری خاطر شمع لائے

جن دیوے نے کھویا انھیرا   کرا اجالا جگت گھنیرا

اس شمع سے دنیا کی تاریکی جاتی رہی   تمام دنیا میں اجالا کافی ہوگیا

گران سریپہ کہدا کی بانی — ہمیں سنائی پڑھ کے جبانی
قرآن شریف خدا کی باتیں — اپنی زبان سے پڑھ پڑھ کر ہم کو سنائیں
پاپ گئے اور پن سنوارے — ہوگئے ہمارے کل نستارے
جن سے ہمارے گناہ جاتے رہے نیکیاں بڑھ گئیں — اور ہمارے تمام فائدے ہوگئے

منقبت

بی بی پھاطمہ ہماری ماتا — نیم دھرم میں ہیں کیلی داتا
بی بی فاطمہ ہماری ماں — دین و دنیا میں ہمیشہ بخشش کرنیوالی
ہمارے نبی کی پیاری جائی — جا کی سینک حوراں کہائی
ہمارے نبی کی پیاری بیٹی — جن کی حوروں نے سینک کہائی
باپو کی امت جن بکہائی — مالک سامنے دے دے دہائی
جنہوں نے باپ کی امت کی بخشش کرائی — خدا سے فریاد کر کر کے

مدح حسنین

حسن حسین بی بی کے جائے — امت کہاطر سر کٹوائے
حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین بی بی فاطمہ کے بیٹے — جنھوں نے امت کیلئے سر کٹوا دیا

مدح چار یار

نبی صاحب کے چار سپاہی — جنہاں ملکوں دہوم مچائی
رسول اللہ کے چار یار ہیں چار سپاہی ہیں — جنھوں نے تمام دنیا میں اسلام کی دھوم ڈالی
کر دیئے لاکھوں نیم کے بندے — ٹرلمہ ہوگئے ناٹس گندے
لاکھوں دین کے بندے بنا دیئے — ناپاکوں کو پاک کر دیا

انتخاب غزلیات

آج رات مہارے گھر بس جا — جاڑا لگے سوڑ ماں دھس جا
آج رات کو ہمارے گھر رہ جا — بڑی سردی معلوم ہوتی ہے لحاف میں چلا آ
چار پہر کا کاٹن سکے سہے — بڑی پھجر کے تڑکے نس جا
چار پہر رات کا گزارنا کیا — صبح صادق ہوتے ہی اُٹھ جانا
میں کرلوں تو نے چمّا چاٹی — تو سا نتھڑ سوں سا نتھر کس جا
میں ذرا ترا منہ چوم لوں گا — تو ران سے ران ملاکے پڑا رہنا
حتو مونے بھولا پنچھی جانے — تو ہی کہیں نہ جال میں پھنس جا
تو مجھے بھولا جانور جانتا ہے — کہیں ایسا نہ ہو الٹا تو ہی جال میں پھنس جائے

کے مہاڑی نار میں پھانسی دیگا — کاہے کاڑن ناڑا کاڈھیا
کیا ہماری گردن میں پھانسی لگاے گا — کیوں یہ ازار بند نکال رہا ہے
اک میٹھی دے پران لکاڑے — موسوں ڈوڈھا بھاڑا کاڈھیا
ایک بوسہ دیکر جان نکال لی — مجھے ڈیوڑھا کرایہ وصول کرلیا
کے مجنوں مہاڑی ہوڑ کریگا — جنگلاں جنگلاں تاڑا کاڈھیا
کیا مجنوں ہماری برابری کرے گا — جنگلوں جنگلوں کا نکالا ہوا
سو بریاں دلبر عشک ماں — ٹانگ تلے اوہ ساڑا کاڈھیا
سو بار دلبر عشق میں — مجنوں کو ہم نے ٹانگ کے تلے نکال دیا ہے

تجھ بنا پیارے پران تجوں گا — مار کے اپنی ناڑ گنڈاسا
تیری جدائی میں پیارے جان دیدوں گا — اپنی گردن پہ گنڈاسا مارلوں گا
کاٹ کے اپنی ناڑ لہو میں — میں لوٹوں تو دیکھ تماسا
اپنی گردن کاٹ کے — میں لہو میں لوٹوں گا اور تو تماشا دیکھے گا
مہاڑی اوڑیاں سینٹر چلاوے — یو مہارا سارڑا اوت بلاسا
ہماری طرف اشارہ کرتا ہے — یہ ہمارا سالا اوت بڑا سا

آجا مہارے پاوںا آجا — دودھ دہی من مانا کھا جا
آجا ہمارے یہاں مہمان آجا — جتنا جی چاہے دودھ دہی کھانا
پیت نہ کریئے پیت کسی کی — پیت پچھوڑے کوٹھی ناجا
اے دوست کسی کی محبت نہ کرنا — محبت کوٹھی میں غلہ بھی نہیں چھوڑتی ہے
ہے من اوت گیو کے تیرو — مہارے ہی اوپر وچھوڑا یا جا
اے دل اوت تیرا کیا گیا — ہمارے ہی اوپر مصیبت پڑ گئی
ناہیں رہو من بیری بس کا — پر گیو چسکا جوبن رس کا
یہ دشمن میرے بس کا نہیں رہا — اس کو خوبصورتوں کی محبت کا مزا پڑ گیا
جد تیری پایل سیج بجے گی — میں تو گوڈوں گا اڑا ٹھاؤں گا
جب تیری پایل سیج پر آواز دے گی — میں خوب اچھلوں کودوں گا
جو مجنوں مو سے ہوڑ پڑے گا — تو نے لیلیٰ ڈھک بٹھاؤں گا
مجنوں اگر مجھ سے بحث کرے گا — تو تجھے لیلیٰ کے پاس بٹھاؤں گا
جو تیرے نینوں کا جبڑ ہوگا — میں تو سینوں مر مر جاؤں گا
جو تیری آنکھوں میں کاجل ہوگا — تو میں اشارے کے مارے مر جاؤں گا

پوڑھا نوسو یانی نوسی کٹھاے رسے بڑھے ہاتھوں ہاتھ
بڑھا نوشہ نئی نوشی اٹھالے رہے بڑھے ہاتھوں ہاتھ

سرلے رہی چمرو کی راج اوہی چھلنی اوہی چھاج
او چماری کی لڑکی خوب راج کرلے چند دن میں وہی چھلنی ہو وہی چھاج ہے
موج مارلے سبھے اُڈا لے جب لگ رہوسے کوٹھی ناج
عیش کرلے مزا اڑا لے جب تک کوٹھی میں ناج رہے
یہ دلیرا جنم کا بھوکا کدہیں نہ دیکھا سکے ناج
یہ دلیر ہمیشہ مفلس ہی رہا کبھی اس کے مٹکے میں غلہ نہ دیکھا
چھورا رہو نہ چھوری ایک رہے مکدم اوت کے اوت
کوئی لڑکا ہوا نہ لڑکی ہوئی مقدم یعنی چودھری صاحب اوت کے اوت ہے
کہہ رے پانڈے ساچی ساچ ہمارے کرم کی ریکھاں پانچ
او برہمن سچ سچ بتا ہمارے کرم میں کیا لکھا ہے
اب کے سیر دکرم میں کھول بھر لو ناج سولہ کوٹھے پانچ
پانچ کوٹھی اناج سے بھر لو
یا بد اچھلو کھا کھا ناج جا بد ہرنا بھرپا کلانچ
ایسی روٹیاں کھا کھا کر اچھلو جیسے ہرن قلانچ بھرتے ہیں
کہے دلیر جو پانڈا جھوٹھا سر پہ مارو جوتی پانچ
اگر نجومی اسے دلیر جھوٹھا بتائے سر پہ پانچ جوتے مارو
دھولے بلد کی دھاڑی پونچھ لاگے بڑی سہانڑی پونچھ
سفید بیل دہانی دم بڑی سہانی معلوم ہوتی ہے

کاگ اڑاوے بیٹھے ٹانڈ   پھیرے گوپھیا کھیدے سانڈ
مچان پہ بیٹھ کر کوے اڑائے   گوپھیا پھیری اور سانڈوں کو بھگایا
سب سوں بھلے یہ موسل چند   کریں نہ کھیتی بھریں نہ ڈانڈ
سب سے اچھے موسل چند   نہ کھیتی کریں نہ ڈانڈ بھریں
نیناں تیرے بڑے ملوک   ایک سین ماں من دو ٹوک
تیری آنکھیں بڑی ظالم ہیں   ایک اشارے میں دل کے دو ٹکڑے کر دیتی ہیں
گورے گال مکا کے پھلکا   جنھاں دیکھے بھاگے بھوک
گورے گورے رخسار سے مکی کی روٹی معلوم ہوتا ہے   ایسے کہ ان کو دیکھکر بھوک بھاگتی ہے
پانوں جوتی سر ناپاگ   ایسے ڈوبے ہمارے بھاگ
پانوں میں جوتہ نہیں سر پہ پگڑی نہیں   ہمارے نصیبے ایسے ڈوبے ہوئے ہیں
کے لاگو پھاگن میں سواد   مکا کی روٹی چنے کا ساگ
پھاگن کے مہینہ میں کیا مزے کا معلوم ہوتا ہے   چنے کا ساگ اور جڑی جوار کی روٹی

دوپیازہ - یہ وہی مشہور و معروف ہندوستان کا ظریف ہے۔ جس کے چٹکلے ہوئے لطیفے آجتک زبان زد خواص و عوام ہیں جو دربار اکبری کی زینت اور بادشاہ وقت کی ہر طرح کی دلچسپی اور تفریح و انبساط کا گلدستہ تھا۔ اصل نام ملا عبدالمومن تھا۔ خاک پاک دلی کے رہنے والے تھے باپ کا ولی محمد نام تھا۔ ہر طرح کے علم و فضل سے بہرہ ور تھے۔ ترکی فارسی عربی زبان نہایت اچھی جانتے تھے۔ مگر مسخرا پن طبیعت پر اسقدر غالب تھی کہ اس لئے تمام علوم اور تمام فضائل اسکی زد میں آگئے تھے۔ کوئی بات ہوتی۔ کیسی ہی متین اور سنجیدہ گفتگو ہوتی مگر اپنے رنگ خاص میں ڈھال کر اس کو دلچسپ بنا دیتے۔ ایک بات کہتے لوگوں کو سو سو مرتبہ ہنساتے۔ اکبر کے جلیس خاص تھے۔ ندیم خاص راجہ بیربل سے ہمیشہ چشمک رہتی تھی وہ بڑا مجلی اور

چھپی ہوتی ہوئی پھبتیاں ۔کہتے کہ راجہ صاحب اور تمام سُننے والے ہونٹ چاٹتے رہجاتے تھے عرصۂ دراز تک متھرا میں مقیم رہے - اور اصلی وطن آبا و اجداد کا یہی تھا - وہاں کے پوجاریوں اور پنڈتوں سے ہمیشہ مباحثے اور گفتگو جاری رہتی - اسی وجہ سے زبان ہندی میں بھی شاعری کرتے تھے - مگر بیشتر فکر سخن کا فارسی میں اتفاق ہوتا تھا - ابوالفضل سے مشورۂ سخن کرتے تھے - آخر عمر میں ہنڈیا جو نواح قصبہ چھپیا نیر ضلع بھوپال میں ہے وارد ہوئے - کسی سے پوچھا کہ اس جگہ کا نام کیا ہے جواب ملا کہ ہنڈیا - کہنے لگے کہ بس اب دوپیازہ ہنڈیا سے نکلکر کہاں جائے گا - اور آخر کار یہیں پیوند خاک ہوئے ملا صاحب تصنیف تھے اور کئی کتابیں انسے یادگار رہیں - چنانچہ ادراک عالمگیری لغت ترکی فارسی کے لطائف - النامہ - ملانامہ - یہ سب ملاہی کی تصانیف ہیں - اگرچہ اردو زبان میں ان کا کلام ہونا ایک امر بعید از قیاس ہے مگر معتبر تذکروں میں یہ شعر ملا کے نام سے ملتے ہیں اس صورت میں سوائے تسلیم کے اور ہمارے پاس کیا چارہ ہے - اس لحاظ سے کہ عہد اکبری میں شاہان دکن کے یہاں اچھی خاصی اردو رائج تھی نقل کرنے میں باک بھی نہیں ہے

وہ گورا گورا لڑکا بامن کا شوخ کھونا	ایسا لگے ہے مجھکو جوں کھانڈ کا کھلونا
شوخی نپٹ کرت ہے نک چٹکی ہاتھ مل کر	تیں تاک تیغ کینی ایسی طرح ملونا
تالی بجی ہے کیا کیا کل شیخ جی کے پیچھے	رم ور بغل میں بھاگا لے اور ڈھا بچھونا
دو پیازہ از دل و جان قرباں جپے اپنا ستم	جہ بن لے مدھو کا ماتا وہ سانولا سلونا

پیالہ پیم رس کا چاکھ بیٹھے	ملت ہیں تن بدن پر راکھ بیٹھے
نہ دوپیازہ کی دلداری کرت ہے	مگر صد گونہ با خواری کرت ہے
دوپیازہ اس نکس ہنڈیا میں آکے	کبھی کے ہاتھ پھنس گئے جا ہنڈیا کے

دوزخی - لالہ ہر چند نام ہے - لاہور کے رہنے والے ہیں - انگریزی میں ایم اے

تک تعلیم پائی ہے۔ سردست کسی اخبار میں ایڈیٹر ہیں۔ مجھے مرزا واجد حسین یاس و یگانہ سے آپ کا نام و پتہ وغیرہ معلوم ہوا۔ چنانچہ نہایت اشتیاق کے ساتھ طلب کلام مراجعہ کے لئے ایک نیازمندانہ عریضہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا گیا۔ مگر نہ معلوم کیوں جناب نے نہ کوئی جواب دیا نہ کلام روانہ کیا۔ اتفاقاً چند روز کے بعد اڈیٹر صاحب نیرنگ خیال سے ملاقات ہوئی۔ موصوف کے تعلقات چونکہ دوزخی صاحب سے نہایت وسیع ہیں اور سنا ہے کہ قریب قریب روزانہ ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ لہذا ایڈیٹر صاحب سے بھی ان کے کلام کے بھیجنے کی استدعا کی۔ انھوں نے بھی بربنائے اخلاق وعدہ فرما لیا مگر اس کے بعد ہاں نہیں کا کوئی جواب نہ دیا۔ مجبور ہو گیا۔ لہذا سردست دو شعر جو میرے پاس ہیں انھیں پر اکتفا کرتا ہوں۔

ایک وقت تھا کہ ہندوستان میں نہیں بلکہ دنیا میں علامہ کوئی بڑی ہی مشکل سے ہوتا تھا۔ مگر اس وقت صرف ہندوستان ہی میں سیکڑوں علامہ موجود ہیں اور اس لفظ کی وہ ارزانی ہے کہ اب جب علامہ کی آواز سنائی دیتی ہے تو ساتھ ہی ابتذال کے معنوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اسی بارہ میں دوزخی کہتے ہیں۔

کہنے لگے بس آج سے علامہ ہوا میں اسبابِ تکاثر نہ بایں جبہ و پہنا میں

دوسرا شعر کسی معاصر پر چوٹ ہے۔

حضرت ہدہد بھی شاعر بن گئے جا نور کے سر پر تاج اچھا ہے

مرزا [illegible] اودھ پنچ سابق کے ایک ظریف نامہ نگار تھے جن کی ایک تاریخ داغ کی وفات پر میری نظر سے گزری۔ اگرچہ مرزا داغ کی جناب میں گستاخی ہوتی ہے۔ مگر بامر مجبوری نقل کرتا ہوں۔ ظرافت اور شوخی اس سے ٹپکی پڑتی ہے۔

مانا کہ داغ چھوٹے میں ایک ہی داغ تھے اٹھنے میں دیکھئے نہ کہ کیڑا سا جاتا تھے

باغ سخن میں آئے ہر چند عندلیب
روغن میں رنگ میں تو تشبیہ غراب تھے

قند سیاہ گرچہ مقابل تھا تلخ کام
شیریں بیانیوں میں مگر پھر بھی رب تھے

تھا جامہ زیبیوں میں تو کچھ سرج کچھ لونڈ
یہ سچ ہے دھوپ چھاؤں کے وہ آفتاب تھے

تھا تذکرہ تو پورٹ کا وہسکی کا بزم میں
گو مست حسن صورت کیفیتہ شراب تھے

چسکی تھی لیڈیوں کی کمر پر بھی خوب ران
کبھی فیشن پروں جو تھے لاجواب تھے

کرتے تھے حسن کی تو ولایت میں گو دشت پا
بے پردگی کے باب میں لیکن حجاب تھے

ڈوبے ہوئے تھے رنگ قدیم و جدید میں
خوبو میں ہر طرح سے لونڈ گلاب تھے

ولایت طالب علی نام تھا۔ بنارس میں قیام تھا۔ اور یہ نمونہ کلام تھا۔ سنہ ۱۸۶۲ع تک زندہ تھے۔

بندہ بے داموں بکا ہے آپ کی سرکار میں
شوق سے تجھ کو کھڑا کر کے بچے بازار میں

مجھکو حیرت ہے لڑائی کیلئے چھوڑا ہی کیا
گالیاں دیتے ہیں دشمن کی ہم ہر بار میں

ہو گیا نازاں کو اپنے حسن پر حد سے سوا
جو نہ کہنا تھا کہا سب نے انہیں بازار میں

اپنے مرنے کا کیا دعویٰ بولے ہنس کے وہ
بولتے ہو مر کے تم دنیا میں زندہ میر ہو
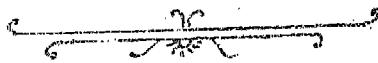
حرف ڈال ہندی

ڈاکٹر۔ نام و نشان معلوم نہیں صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ کوئی صاحب رامپور کے رہنے والے ہیں اور دور موجودہ کے شاعر ہیں۔ ایک صاحب نے یہ دو شعر ظریفانہ سنائے

ادھر پھانسی گلے میں کاکلِ پیچاں نے ڈالی ہے	ادھر ٹٹی لگائے آڑ میں کرتی کی جالی ہے
حیا کا ہائے یہ کہنا کہ خوابِ ناز سے اٹھئے	نہیں تو اب یہاں تم سونے کی چوری ہونیوالی ہے

ڈھینڈس۔ کوئی صاحب بھوپال کے نہایت مشہور و معروف ظرافت گو ہیں۔ میں نے انکی خدمت میں متواتر تین چار خط بھیجے مگر یا تو خط نہیں پہونچے یا انھوں نے استغنائے شاعرانہ سے کام لیا اور تذکرہ کو اپنے کلام سے محروم رکھنا پسند کیا۔ پھر بھی۔ شوق در ہر دلے کہ باشد رہبرش در کار نیست کسی نہ کسی طرح کچھ شعر اُن کے حاصل ہو ہی گئے۔

چڑی عشق کی ناپارے ناپارے	ارے باپ رے باپ رے باپ رے

سنا ہے کہ بسم اللہ کوئی ان کی محبوبہ مطلوبہ تھیں ایک روز ڈھینڈس صاحب نے اُن کی دعوت کی مگر اُس طرف سے وعدہ وفا نہ ہو سکا۔ ان کو نہایت افسوس ہوا اور یہ شعر کہا۔

یاد ہیں سات سو چھیاسی کی	ہیئے تازہ شراب باسی کی

ایک مرتبہ کسی کے یہاں تحفۃً پلاؤ بھیجا۔ مگر وہ صاحب کچھ اِن سے خفا تھے غصہ سے پلاؤ کا پتیلا زمین پر پھینک دیا اور بعد کو جب خیال آیا کہ رزق کی بے حرمتی ہوتی ہے تو فوراً اسکو دفن کرا دیا۔ ڈھینڈس صاحب کو معلوم ہوا تو بہت زیادہ رنجیدہ ہوئے اور یہ شعر کہا

آج زردہ بگھار کے بانٹیں گے	فاتحہ ہے پلاؤ مدفون کا

حرف ذال معجمہ

ذاکر۔ شیخ ذکریا نام تھا۔ غازی آباد یا نواح غازی آباد ضلع میرٹھ کے باشندے نہایت نیک نفس وجیہ خوش وضع ظریف الطبع تھے۔ راقم الحروف کے بڑے دوست تھے دہلی میں قریب قریب روزانہ ملاقات ہوا کرتی تھی۔ گھنٹوں شعر خوانی کی صحبت رہتی۔ ذاکر مرحوم دونوں رنگوں میں شعر کہتے تھے۔ ظرافت بھی متانت سے دور نہ ہوتی تھی۔ اور متانت بیوست اور پھیکے پن سے ہمیشہ پاک رہتی تھی۔ اس میں بھی ایک خاص قسم کی لطافت اور شیرینی کی جھلک پائی جاتی تھی۔ مجموعہ کلام ایک دیوان میں جمع کر لیا تھا۔ مگر افسوس کہ عین عالم شباب میں بعمر ۲۵ سال ستمبر ۱۹۱۸ء میں انتقال کیا۔ اب وہ غیر مطبوعہ کلام مفقود اور اور نایاب ہو گیا۔ صرف چند روز کی باہمی صحبت میں حافظے نے چند شعر محفوظ کر لئے تھے وہی لکھتا ہوں۔

مرا دین و مذہب اٹھا لے گیا ‏ ‏ ‏ وہ بت کل مصلا اڑا لے گیا
فقط خالی پاکٹ کے مالک ہیں ہم ‏ ‏ ‏ بقیہ وہ اک اک ٹکا لے گیا

بھوں کے عاشق کے واسطے ذاکر ‏ ‏ ‏ گال سے شہپر بال اچھا ہے
نہیں تخصیص زلف کی کوئی ‏ ‏ ‏ آپ کا بال بال اچھا ہے

قتل بھی کرتا ہے اور پھر وہ جلاتا بھی ہے ‏ ‏ ‏ خوبیٔ قسمت سے ملا مجھکو [illegible]

جب مرے خاص اشاروں کو سمجھتا ہی نہیں | پھر یہ کس کام کا کمبخت اناڑی معشوق
بادۂ تند سے ہے مجھکو زیادہ ذاکر | کورے پٹکنے میں دیتا ہے جو تاڑی معشوق

کام آتا ہے نکیرین کا پہرہ ذاکر | نہیں رہتا کسی مردہ کو کفن چور کا خوف
قابل رشک ہے آزادی مارگیسو | نہ سپیروں کا کوئی ڈر نہ کسی مور کا خوف

سگان کوچۂ جاناں اب کھٹکنے ہو گئے ذاکر | جو دربانوں سے بچ جاتے ہیں تو یہ ٹانگ لیتے ہیں

ذبیح۔ حکیم منشی محمد اسمٰعیل خاں نام ہے۔ دہلی وطن ہے۔ ایک زمانہ میں محلہ پہاڑ گنج دہلی میں مطب کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد نواب سعید الدین احمد خاں طالب مرحوم کے یہاں ملازم ہو گئے تھے اب خدا معلوم کہاں ہیں۔ پہلے افضل الاخبار میں ان کے مضامین بطریق ضمیمہ کے نکلا کرتے تھے۔ اسمیں بھی ظرافت کا چٹخارہ رہتا تھا۔ غزل میں بھی ظرافت شامل کر لیتے ہیں۔ اور دونوں رنگ ملا کر سامعین کو محظوظ کرتے ہیں سنہ ۱۹۱۱ء میں دلی کے بعض مشاعروں میں میں نے ان کو دیکھا تھا اس وقت پچاس پچپن برس کی عمر تھی۔ انتخاب کلام ظرافت یہ ہے۔

نگہ میں کھٹنا رند محتسب چھپ چھپ کے آتا ہے | اچکا ہے اڑا لیجائیگا کفگیر میخانہ
شراب پاک پینے کو وہاں حوریں پلائینگی | کہیں جنت نہو واعظ تری ہمشیر میخانہ

خدا جانے جو خواہش اور کچھ ہوتی تو کیا ہوتا | ذرا سے ایک بوسے پر تمہارا دم نکلتا ہے
جوش جنوں میں بھی نہ پھرے ہم برہنہ پا | یہ آبلے ہی پانوں کے پاپوش ہو گئے
میں نے نکالے گھر سے جو اس سحر فن کے پانو | چھلنی سے پاؤں ہو گئے ایک ایک من کے پانو

چکّی کا پاٹ بن کے پھرا سر پہ رات دن — ہیں پیٹ میں چھپے ہوئے چرخِ کہن کے پاؤں

مرنے سے مفلسی کا مری پردہ کھل گیا — اندر کفن کے سر ہے تو باہر کفن کے پاؤں

سونے کی جستجو میں جو چھانی بہت سی خاک — آخر کو ہاتھ آ گئے اس سیم تن کے پاؤں

صد شکر پایا مرتبۂ عزت قتل سے — سر ہے کہیں کہیں ہیں ترے خستہ تن کے پاؤں

چاندی کی نہریں لاکھ دکن میں بہیں وزیچ — مفلس نہیں کہ میں کہوں باہر وطن کے پاؤں

ذکی۔ لکھنؤ کے رہنے والے ہیں۔ غالباً مولانا انوار مرحوم کے شاگرد ہیں۔ ظرافت میں گرچہ ہزل کا رنگ شامل ہو جاتا ہے۔ مگر پھر بھی نہایت بہتر کہنے والوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ خصوصیت سے پڑھنے کا انداز نہایت خوب ہے ہر لفظ کی ایک زندہ تصویر کھینچکر دکھا دیتے ہیں۔ شوخی مضامین۔ صفائی زبان وغیرہ آپ کے کلام کا جوہر اعلیٰ ہیں۔ راقم الحروف کے دوست ہیں۔ عرصہ سے بسبب پریشان روزگاری دلّی میں مقیم ہیں۔ انتخاب کلام یہ ہے۔

دھر پٹک ہوگی نہیں تو آ سے سمجھا دیجئے — گالیاں دیتا ہے۔ روز آ کے دربان مجھکو

زلف پر پیچ کی الفت میں یہ پھیر جاؤں — دیکھئے کہ جو طے بھول بھلیاں مجھکو

دی ہے سو مرتبہ جب یار کو چٹّی میں نے — تب کھلائی ہیں کہیں دھیلے کی کھٹیاں مجھکو

جب کہا قیس نے بچپن میں لپٹ جا پیاری — کہا لیلیٰ نے کہ بھی مارینگی امّاں مجھکو

وصل ہو جائے جبھی اس لئے کرتا ہوں فقط — ورنہ ٹھینگا بھی نہیں الفتِ جاناں مجھکو

اے ذکی گر گئیں نزلے سے جو اُن کی پلکیں — نظر آنے لگا بے خار گلستاں مجھکو

تھا حکم نجد میں لیلیٰ کا ساربان کے لئے — کہ بھیا جلد نکل چل شتر کو ہانکے لئے

اُڑا چلے کس لئے صیاد پاس چھوڑا ہے — یہ کوششیں ہیں فقط میرے آشیاں کے لئے

تھپنا دئے نہ چنے بھی ہیں یہ کہتا تھا قیس — دو وقت تو رہے جاتے ہیں پاسباں کیلئے

کھلا کے قیس کو لیلیٰ نے اور الٹی دی | کہ ہو گئی فاقے سے لیجا یہ اپنی ماں کیلئے
یہ حال ہے ترے کشتہ کا ابتو لے جاناں | کہ کتے لاش پہ لڑتے ہیں استخواں کے لئے
تو اس پری کی محبت میں گھوم جا ای غیر | کہ تیرا باپ بھی لوٹو تھا تیری ماں کے لئے
کسے لگاؤ گے تم تیر مر گیا عاشق | وہ فاختہ نہ رہی اب غلیل خاں کے لئے
اے جان جاں بتائیے گیسو کدھر گئے | وہ کون سے گدھے ہیں جو کھیت چر گئے
ظالم پس فنا بھی ہے بوسوں کی آرزو | منھ کھل کے رہ گئے ترے عاشق جو مر گئے
سوتے میں سے گیا کوئی زلفیں تراش کے | وہ مجھ سے بدگماں ہوئے مونچھیں کتر گئے
طفلی میں کھو نہ دینا کہیں عاشقوں کے دل | پھر روؤ گے کہ میرے کھلونے کدھر گئے

ذلیل ۔ نوبہار نام تھا ۔ میرزا سلیمان شکوہ بہادر کی کنیز تھی ۔ نہایت شوخ تیز طبع شعر گوئی کا شوق تھا ۔ مگر تخلص کی رعایت کو ہمیشہ مدنظر رکھتی تھی یعنی ریختی سے فحش شعر کہتی تھی ۔ دو شعر جو صاف ہیں نقل کرتا ہوں ۔

میں فرشتے کی بھی سنتی نہیں ناصح کیا ہو | اپنے کرتوت پہ جس دم کہ اتراتی ہوں

تمہیں اللہ رکھے اپنی اماں میں مرزا | ہمیں پریوں کو بھی دیوانہ بنا لیتے ہو

ذوقا ۔ شاہ ذوقا ذوقا کر کے مشہور تھے سنا ہے کہ بنارس کے رہنے والے تھے مجذوب الحال تھے غدر سے پہلے شرف الدین احمد کے پاس میرٹھ میں آکر رہتے تھے ۔ ایک شعر ملا ہے ۔ اسے مجذوب کی بڑ سمجھئے یا ظرافت جانئے ۔

نے پاس کچھ ہے ریت نہ زینت کسی در کے
ہم ہاٹ کے روڑے ہیں ادھر کے نہ اُدھر کے

ذوقی - میر عبدالواحد نام تھا ذوقی تخلص سید محمد اشرف ورگاہی کے صاحبزادہ تھے بلگرام وطن تھا - نہایت شیریں کلام - اور لطیف الطبع تھے - اُن کے والد سید محمد اشرف ضلع راہون کے جو نواحی لاہور میں تھا حاکم تھے - اتفاق سے وہاں کے کچھ سرکش لوگوں سے جنگ ہوئی ذوقی بھی وہیں تھے اسی باعث سے اس معرکے میں شریک ہوئے - اور اسی موضع میں بتاریخ ۲ محرم الحرام ۱۱۳۴ھ روز جمعہ بعد نماز عصر لڑتے ہوئے مارے گئے - مولف خمخانہ جاوید نے غلطی سے انھیں کو راہون کا حاکم لکھا ہے - مگر دراصل یہ حاکم نہ تھے جیسا کہ تذکرہ سرو آزاد کی عبارت سے ظاہر ہے ذوقی مرحوم اردو و فارسی میں بھی شعر کہتے تھے اور متین اشعار میں اپنا تخلص واحد رکھتے تھے چونکہ شیرینی کلام سے ان کو نہایت ذوق تھا اسواسطے اُسکی تعریف میں پورا ایک دیوان کہہ ڈالا جو شکرستان خیال کے نام سے آج بھی ملتا ہے - اس میں غزل - رباعی قطعہ - مثنوی مخمس - ترجیع بند وغیرہ سب کچھ موجود ہیں - اور ایک شعر سے ابو اسحاق اطعمہ کے کلام کا مزا آتا ہے - جسکا انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے -

آنانکہ پردہ از رخ لوزینہ وا کنند | آیا بود تواضع صحنے بما کنند
نان از تنور بہر تو با جدا شدہ است | لازم بود کہ حق غریبی ادا کنند
در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست | اہمال در تناول فرنی چرا کنند

انجیر را ز شاخ درخت ار جدا کنید | پنہاں ز چشم بد بہ لبش آشنا کنید
یکبار پوست را ز تنش بر کشیدہ اید | بار دگر بہ کیلہ ندانم چہا کنید
ہنگام آں شدہ کہ اسیران انبہ را | بر کام دل ز محنت زنداں رہا کنید
آوردہ ام برائے شما شربت انار | نوشش کنید و مخلص خود را دعا کنید

شیریں لقمہ ز الفت شکر نشد سیر | چشم لقمہ سیر مزعفر نشد سیر

چنداں بہ ادب دست ہمی داشتمش من   باشیر و شکر جب ہمیں نشدے گر
حلوا نفزودے بدماغ این ہمہ قوت   ذوقی ہمہ اجزامش برابر نشدے گر

نقل بگیر بزباں یکدو سہ چار پنج و شش   پینہ قند در دہاں یکدو سہ چار پنج و شش
در قدح بلور کن شربت قند با گلاب   چمچہ بزن زراں میاں یکدو سہ چار پنج و شش
پیدہ دلفریب را گرچہ نقل گفتہ اند   لیک بذائقہ زباں یکدو سہ چار پنج و شش
شاہدانہ بادام بکف گرفتہ از کمال شوق   بوسہ دہم ہمیشہ ای یکدو سہ چار پنج و شش
صحن پر از مزعفر و کاسہ پر از برنج و شیر   خوب نمایدم بخواں یکدو سہ چار پنج و شش
مصرع نغز اطعمہ دہ چہ خوش است ذوقیا   خربزہ ہائے خوش بناں یکدو سہ چار پنج و شش

نہ تنہا دل ز ذوق برقیم بیتاب می گردد   کہ از یاد زلالی موج پیچ و تاب می گردد

بہ بیں بسوے چپاتی بہ دیدہ بالفت   کہ بے وصال شکر حالت نزاراں چیست
غرض ز موسم برسات دلبو بوندی است   دگر نہ ایں ہمہ تمہید برق و باراں چیست

چرا نہ شکر از خرمی بخود بالد   کہ آں ادا ہمہ مقبول آمد و منظور

در تمنائے ملاقات شکرلئے ذوقی   آب گردید دل شیر بہ الفت سوگند

حرف رائے مہملہ

راحت - دہلی کے کسی نامعلوم ریختی گو کا تخلص ہے - باوجود تلاش حال نہ مل سکا کلام مل گیا - جو حاضر ہے -

جب سے وہ بانکا چھبیلا دل کو ہے بھایا ہوا — انگ لگتا ہی نہیں گوئیاں مرا کھایا ہوا
میں اپنی ایڑی چوٹی پہ صدقے کروں اُسے — یہ مردوا انگوڑا تو لٹھ ہے گنوار کا
روؤگی تم تو وہ آجائیگا بیٹا پھر ابھی — تم جو چپکی ہورہی ہو آکے جوا پھر گیا

دودھ لینے کا ارادہ تھا جو دوڑایا ہاتھ — نوچ لی انگیا مری دیکھو تو سے ہنڈ کی بات
جو رو بیٹی ماں بہن کا کچھ نہیں کرتے خیال — گھر میں آکر صاف کہدیتے ہو تم باہر کی بات
گونگی بہری کب تلک او گوئیں بیٹھی رہوں — نند کی باتیں سنوں یہ ہے کہ میں لوں کی بات

پوتی پوتوں والی ہو کر لال جوڑا پہنوں میں — مجھکو تو بچی یہ بڑھاچو چلا آتا نہیں

کھلا تو پوتا ہوئی پوری آرزو تیری — دُگانا لال سا بیٹا جنی بہو تیری
لحاظ آیا کسی کا نہ تجھکو عصمت جان — غلام سے گئی پکڑی جنم میں تھو تیری

رحیم - ایک قدیم ریختی گو تھے جو ولی اور رحمان کے معاصر تھے - خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم میں انھیں ریختی کے طرز کا مخترع اور موجد بتایا گیا ہے -

اری ناداں تیں اپنے بحن کو کیوں لٹھایا ہی　　　مٹھا کر بیو کو جگ میں کسی نے ذوق پایا ہی
بہت پچھتائیگی میری نصیحت ماں گہتی ہو سا　　　سکھی کو راحت ہوی ہے پیاسے کو جو بھایا ہے

رسوا ـ خیرات علی نام تھا ـ پنجاب کے رہنے والے تھے ـ مگر عمر بھر دلی میں قیام اور مقام رہا ـ نہایت شوخ زندہ دل ظریف الطبع تھے بات بات میں لطیفے اور چٹکلے کہتے تھے خود بھی ہنستے اور سننے والوں کو بھی پہروں ہنساتے ـ غزل گوئی کا شوق تھا ـ میر ممنون سے اصلاح لیتے تھے ـ مگر ظریفانہ رنگ میں اچھی خاصی دستگاہ رکھتے تھے ـ مگر اکثر شعر ہزالی اور فحش کے درجہ تک پہونچ جاتے تھے ـ چند شعر مع حالات کے ایک قدیمی قلمی بیاض میں نکل آئے جنہیں سے متین ـ اور غیر مہذب دونوں رنگوں کو چھوڑ کر یہ شعر جو ظریفانہ کیے جاسکتے ہیں انتخاب کرلئے

نالہ کرے نہ ہجر میں اختر شمار ہو　　　شام فراق در کا ترے چوکیدار ہو
رسوا یہ لین دین ہے تو کیا ضرور ہے　　　دل اپنا انکو نقد دیں بوسہ اُدھار ہو

مجنوں کی یہی دست درازی ہی تو اک روز　　　سر مونڈ کے لیلی کو چڑھاے گا شتر پر
میں خود تری زلفوں میں گرفتار ہوا تھا　　　تو نے تو نہ بھیجے تھے سپاہی مرے گھر پر
کچھ اونٹ سے کم حضرت زاہد بھی نہیں تھا　　　اتنی سی کسر ہے نہیں کوہان کمر پر

رستم ـ لکھنؤ کے ایک قابل ظرافت نگار کا فرضی تخلص ہے ـ جن کی قابلیت اور استعداد علمی نہایت معقول ہے ـ ظرافت صرف ظرافت تک محدود نہیں بلکہ اس سے گزر کر وہ فواحش کی حدود میں پہونچ جاتی ہے میرے بیحد اصرار اور التجا پر چند شعر عنایت فرمائے ـ لیکن اس کے ساتھ ہی منع فرما دیا کہ نام یا صحیح پتہ ہرگز نہ لکھا جائے ـ کلام بھی بہت کم دستیاب ہو سکا ـ کیونکہ ایسے اشعار جو صاف ستھرے ظرافت یا زیادہ سے زیادہ ہزل

تک ہوں ان کے یہاں بہت کم ہیں بلکہ بجائے اس کے فواحش کی گرم بازاری اور زیادتی ہے - بہرصورت جو شعر ان اسقام سے پاک ہیں اور مجھکو مل سکے ہیں وہ درج کرتا ہوں -

ہر اک زباں پہ غلغلہ ہے گدرا دو بیٹی کا | پھنسی ہیں اور وطن جناب نور باف کے
نہ اُن کی والدہ ہوتیں نہ وہ نہ عشق مرا | خدا دراز کرے عمر اُن کی نانی کی
پھلائے پھرتے ہیں وہ پیٹ جو مہینے سے | ذرا سی گوشت کی بوٹی نے یہ گرانی کی
گزر رہی ہیں شب انتظار کی گھڑیاں | اُدھڑ رہی ہے سلائی مری میانی کی
شدت ضعف کا کیا ذکر کہ آکر شب غم | چارہ ساز آگے سہارے سے کھڑے کرتے ہیں
ہمنے سر ڈھانکا انھوں نے فیل ہو کر دیا | اب وہ ہمسر اور ہم اپنے خون کا دعویٰ کریں

رشک - ان کا میر علی اوسط نام تھا لکھنؤ کے نہایت مشہور و معروف شاعر تھے شیخ امام بخش ناسخ مرحوم کے نہایت رشید شاگرد تھے زبان کے زبردست محقق تھے - ایک لغت زبان کی ترتیب دی تھی مگر افسوس کہ وہ شائع نہ ہو سکی - دو دیوان نظم گرامی نظم مبارک غدر سے پیشتر طبع ہوئے تھے اب کمیاب ہیں - نیر شکوہ آبادی اُن کے ارشد تلامذہ میں تھے - رشک نے سنہ ۱۲۸۴ھ میں بعمر ۷۰ سال انتقال کیا - اگرچہ یہ نہایت متین اور مہذب تھے - مگر ان کے بعض شعر ظرافت کے بھی پائے جاتے ہیں - اسکی وجہ صرف یہی معلوم ہوتی ہے کہ اسوقت کے لوگ متانت کے ساتھ ظرافت نگاری کو بھی شامل رکھتے تھے - جو شعر لکھے جاتے ہیں اُن سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نادانستہ ظرافت نہیں ہے بلکہ قصداً اس طرف قدم بڑھایا گیا ہے - اگر ایسا نہ ہوتا تو ہرگز نہ لکھے جاتے

چاول الماس گوشت لخت جگر | فرقت یار میں پلاؤ نہیں
میرے کھانے سے کیوں فلک ہے کباب | پاؤ روٹی ہے نان پاؤ نہیں
اور کیا ہے ترا لعاب دہن | یہ اگر قند کا چواؤ نہیں

اب کے جاڑے ہیں دنالۂ و آہ — اس طرح کا کوئی الاؤ نہیں
یہ زمینِ غزل وہ ہے اے رشک — جس میں ذرہ کہیں بھراؤ نہیں

اے مایۂ حیات کبھی مجھ کو بھیج دے — جھوٹا تری رکابی کا تو زردے سے کم نہیں
یارب یہ گورے ہیں کہ فرشتے عذاب کے — نکلے بھی کان پور کے گوروں سے کم نہیں

مندرجۂ بالا غزل سنکر کسی ظریف الطبع نے سر مشاعرہ یا سر محفل رشک کو مخاطب کیا اور یہ شعر پڑھا۔

چھیچھڑے دور سے دکھاؤ نہیں — رشک بیٹھا ہے بن بلاؤ نہیں

سننے والوں نے وہ قہقہہ اڑایا کہ محفل عشرت گونج گئی۔

رفیع الدولہ۔ دکن کے ایک خود پسند بیوقوف رئیس زادہ کا تخلص تھا۔ اگرچہ اس کا تذکرہ کرنا اچھا نہ معلوم ہوتا تھا۔ مگر چونکہ تذکرہ روز روشن اور تذکرۂ آفتاب عالمتاب میں ناظرین کی دلچسپی کے لئے ان کا ذکر لکھا ہے۔ اس لئے اتباعاً میں نے بھی نہ لکھنے پر لکھنے کو ترجیح دی۔ جس زمانہ میں انگریزوں نے دکن میں ریاست پر قبضہ کر لیا۔ تو رفیع الدولہ کلکتے پہونچے۔ نواب گورنر جنرل اور دوسرے معزز انگریزوں نے اُس کی بیحد دلدہی اور تعظیم کی اور معقول مشاہرہ ان کے اخراجات کے لئے مقرر کرا دیا۔ چونکہ رفیع الدولہ کا دماغ جلا ہوا تھا۔ ان کی وہی بیہودہ اور لایعنی باتیں جاری تھیں مثلاً آپ جہاں کہیں کسی جلسہ وغیرہ میں شریک ہوتے تو بغیر تجویز صدر کی کرسی پر خود ہی رونق افروز ہو جاتے تھے۔ کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی سلام کرتا تو آپ آنکھ کے اشارے سے سلام لیتے تھے۔ چھیڑنے اور بنانے کے لئے بڑے بڑے آدمی بھی آپ سے جی حضور سے بات کرتے اور جو کچھ کہنا ہوتا تھا دست بستہ کہتے تھے۔

دوسرا خبط یہ تھا کہ ہر سال بہت سا حلوا - اور روٹیاں سگِ اصحابِ کہف کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے تقسیم کرایا کرتے تھے - تیسرا خبط یہ تھا - کہ اپنے دیوان یعنی اپنے منشی کو جس سے اکثر اپنی باتیں لکھوایا کرتے تھے کاتب الوحی کہا کرتے تھے - یعنی اپنے کلام نثر و نظم کو وحی آسمانی جانتے تھے - چوتھا خبط یہ تھا کہ آپ شعر فرماتے تھے اور کبھی بھول کر بھی موزوں نہ فرماتے تھے - بلکہ آپ کے کلام کو رنگ ظریفانہ میں شامل کرنے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ جو کچھ لچر و پوچ اُن سے صادر ہوا ہے وہ موزوں تک نہیں - پڑھنے والوں کے لئے زعفران زار کشمیر ہے انھوں نے جب اپنا دیوان اپنے ہذیانات سے ترتیب دے لیا تو نواب گورنر جنرل بہادر کو ہدیتاً بھیجا - اُن کے لئے ایک سامان تفریح ہاتھ آیا اور مولوی سراج الدین صاحب کے پاس جو اس وقت قاضی القضاۃ تھے بھیجا کہ اس کا دیباچہ لکھو - چنانچہ تعمیل حکم کے لئے انھوں نے نہایت لطیف اور ظریفانہ رنگ میں دیباچہ لکھا - چنانچہ قاضی محمد صادق خاں اختر نے اس مضمون کو نقل بھی کیا ہے - اب چند شعر نمونۃً درج کئے جاتے ہیں ..

الٰہی دانشمندی مرا خدا	الٰہی تو امید دانی مرا
ابر و برق و تجلی و براق نور افشاں آمد	آب باراں کہ حکم خدا شاید عید کہ باراں آمد
خم غدیر را کہ پیغمبر داد و ملک داد	خریدار کتاب را صلح سر تاج داد
منصور حلاج بدار ز دار انا الحق گوید	شریعت پیغمبر خدا کہ حق حق گوید
صاحبقران جنگ سمرقند نونہال شد	بنیاد جنگ کردہ کہ ایلدرم خوشحال باشد
سلاح جنگ کہ سپر و شمشیر آمد	گولہ توپ و تفنگ کہ بد بلا آمد
صورت نوکر آدمی در کلکتہ بسیار	خواب راحت کجا کہ پشہ بسیار
زنان کلکتہ را آب بسیار	گردن صراحی دارد و شراب بسیار

مقرر کردہ عالم سبق کرد شناس	خدا را شناس و خدا را شناس

رنگ - حریف خاں نام عرف مرزا رنگیلے - تذکرہ خمخانہ میں ان کا ذکر مختصراً لکھا ہے مگر یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ کہاں کے رہنے والے ہیں - صاحب تذکرہ مذکور لکھتے ہیں "استعداد علمی رسمی ہے تفنن طبع کے طور پر شعر کہہ لیتے ہیں جس میں بیشتر تمسخر کا پہلو مدنظر رہتا ہے - انتخاب کلام یہ ہے -

سکون اختلاج دل ہوا جس نے اسے پھانکا
سفوف عاشقی ہے نام خاک کوئے جاناں کا

چالان ترا کیوں ستم ایجاد نہ ہوگا
کیا خون کا دعوی ستم ایجاد نہ ہوگا

وارنٹ میں ہو جائے گا آخر کو گرفتار
حاضر جو عدالت میں تو جلاد نہ ہوگا

بند آنکھیں ہیں تمھاری اونگھتے ہو رات دن
یہ تو بتلاؤ کہ افیون اسقدر کھاتے ہو کیوں

گھر بیٹھے دید رخ کی ترے سب کو ہو نصیب
قد بڑھ کے گھنٹہ گھر کے برابر جو یار ہو

ہمارا یار ہمکو آج تلنگری چٹائیگا
سنا ہے یہ کہ تل رخسار کا لب کی شکر ہوگی

نہ پوچھو مفلسی کے عقد کا سامان قاضی جی
کنویں کا آنکھ کے پانی ہوگا اور میری شکر ہوگی

رنگیلے - محمد اسمعیل خاں نام تھا - جونپور کے رہنے والے تھے - کچھ عرصہ سے اپنے چچا محمد جعفر خاں کے پاس جو مین پوری میں مختار تھے آرہے تھے - اور ان کی محرری میں کام کرتے تھے - رنگیلے مرحوم ابتدا میں متین اور عاشقانہ شاعری کرتے تھے - اثر تخلص تھا اور حضرت داغ دہلوی کو اپنا کلام دکھاتے تھے - سنہ ۱۸۹۰ء سے ان کو ظرافت گوئی کا شوق ہوا - اور رنگیلے تخلص اختیار کیا - اس طرح کے کلام میں بھی فکر نہایت صائب تھی - نہایت اچھے شعر نکالتے تھے - گو ظرافت ہی میں رنگ قدیم بھی شامل رہتا تھا سنہ ۱۹۰۲ء میں معقول عمر پا کر انتقال کیا - ان کے احباب نے ان کی یادگار میں ایک بہت بڑا مشاعرہ کیا - اور اس کے اختتام پر ایک قصیدہ جو رنگیلے مرحوم کے قصیدوں میں یادگار قصیدہ تھا - چوکھٹا وغیرہ لگوا کر شعرا کو تقسیم کیا گیا - رنگیلے کا کلام

اگرچہ بہت عالی پایہ نہیں ہے ۔ پھر بھی کافی دلچسپ ہے نمونہ کلام یہ ہے ۔

ہتھیلی میں نہ اُن کی چھید ہو جائے یہ کہتا ہے ۔۔۔ لئے پھرتا ہے قاضی ہاتھ میں کفگیر میخانہ

ہمارے شیخ جی ہلنے کی اکثر مشق کرتے ہیں ۔۔۔ کہیں یکھو آئے ہیں ہلتی ہوئی زنجیر میخانہ

کمربند انکا مستی میں کھلا لنگ سرک آیا ۔۔۔ کہاں آکر کھلی ہے دیکھئے تقدیر میخانہ

کبھی ٹھرا اڑاتے تھے کبھی گودڑ چھٹاتے تھے ۔۔۔ جنھیں ہم رند سمجھے تھے وہ نکلے پیر میخانہ

بڑھاپے میں جوانی کا مزا ملنا غنیمت ہے ۔۔۔ رنگیلے اب نہ چوکو اب کرو توقیر میخانہ

نسیم صبح کے یا ہو بھی کیا فرفر نکلتے ہیں ۔۔۔ چمن سے جب ترے گیسو لئے ہنٹر نکلتے ہیں

دہیں پہ ہر قدم پر تالیاں فتنے بجاتے ہیں ۔۔۔ پہن کر وہ نیا جوتا جہاں چرمر نکلتے ہیں

ترا کوچہ بھی اک ٹھنڈی سڑک ہے سیر اُنکی ۔۔۔ ریڑھا نکلتے ہیں کبھی موٹر نکلتے ہیں

چٹائی اُن کی میرا بوریا دشمن نے سب بیچے ۔۔۔ ہمارے دو گھروں سے آج فرنیچر نکلتے ہیں

مبارک ہوں عدو کو ہلکی ہلکی ٹسکیاں آنکی ۔۔۔ سنا ہے وہ نچانے کے لئے بندر نکلتے ہیں

رنگیلے دوڑتے پھرتے ہیں اُنکے گول کمرہ میں ۔۔۔ انھیں تو وصل میں بھی سیکڑوں چکر نکلتے ہیں

اے شب غم تری صورت پہ خدا کی پھٹکار ۔۔۔ دیکھتا ہوں اُسے میں بھی تو ڈر جاتا ہوں

رنگین ۔ مرزا سعادت یار خاں نام تھا اور رنگین تخلص کرتے تھے ۔ ان کے والد مرزا طہماسپ بیگ ساٹھ برس کی عمر میں روم سے ہندوستان آئے ۔ اور ہندوستان کے نواب امرا اور روسا کی سرکاروں میں ملازم رہے ۔ رنگین کی پیدائش قصبہ سرہند میں ہوئی لیکن انھوں نے نشو و نما دہلی میں پائی ۔ اور عمر بھر یہیں رہے ۔ سیر و سیاحت کا شوق ابتدا ہی سے تھا چنانچہ اسی سلسلہ میں اکثر مشہور مقامات کی سیر کی ۔ اسفان کچھ خاص نہ تھے

کبھی تجارت کر کے بسر اوقات کرتے اور کبھی نوکری اور ملازمت اختیار کرتے ۔ چنانچہ عرصہ تک مرزا سلیمان شکوہ برادر اکبر شاہ ثانی کی سرکار میں مصاحبین کے زمرہ میں منسلک رہے ۔

فن شعر کا شوق ابتدائے عمر سے تھا ۔ شاہ حاتم سے مشورہ سخن کرتے تھے طبیعت ہمہ گیر واقع ہوئی تھی ۔ متین ۔ عاشقانہ ۔ ناصحانہ ۔ ظریفانہ ۔ سبھی قسم کا کلام موجود ہے ۔ ریختی کا موجد بعض بعض لوگ انہیں کو کہتے ہیں مگر یہ بات تحقیق سے دور ہے ۔ ان کی ریختی میں حقیقتاً عورتوں کی زبان اور روزمرہ جذبات وغیرہ موجود ہیں ۔ جان صاحب کی طرح نہ سراپا آورد ہیں ۔ اور نہ فواحش سے بھرے ہوئے ہیں ۔ کلیات رنگین کا نام نورتن ہے جس میں چار دیوان موسوم بہ ریختہ ۔ بیختہ ۔ آمیختہ ۔ انگیختہ اور دوسری کتابیں ایجاد رنگین ۔ فرسنامہ رنگین نامہ ۔ مجالس رنگین وغیرہ موجود ہیں اور انہیں کے ساتھ ایک مثنوی موسوم بہ دلپذیر بھی ہے ۔ جو اسوقت کی بہترین زبان ہے ۔ نہ صرف زبان بلکہ اس مثنوی کا طرز بیان ۔ قصہ کی روانی ۔ وغیرہ سب باتیں قابل داد ہیں ۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسوقت کے تمام باکمال شعراء نے متفق ہو کر اس کی تعریف کی ہے ۔ بلکہ جرأت نے مصرع تاریخ یہ کہہ دیا ہے ۔ کہ ۔ ہے یہ بہ نثر سے بہتر ۔ ایک دیوان انگیختہ سراپا ظرافت اور ریختی ہے ۔ اسکی نسبت کوئی رائے دینا فضول ہے سب جانتے ہیں کہ رنگین کا درجہ اس بارہ میں اتنا ہے کہ لوگ ان کو موجد تک تسلیم کرتے ہیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ باوجود سب کچھ کہنے کے کبھی درجۂ اعتدال سے باہر قدم نہیں رکھتے ۔ اور اس صنف خاص میں اپنے تمام معاصرین سے ممتاز ہیں ۔ سید انشاء نے بھی اگرچہ طبیعت ہمہ گیر پائی تھی مگر سچ یہ ہے کہ وہ ظریفانہ یا ریختی کے رنگ میں رنگین سے بڑھ نہیں سکے ۔

داری تری جا کہیں خالی ہو شعلہ کا ۔ کب مجھ سے بیاں ہو سکے فرقت ترے گھر کا

اب آنکھ پھر تیرے انگن چھل وہ عالم سا ۔ بندی کو بچے ہو کا رنگیں کی نہ چاہ کا

مجھ پہ طوفان نہ رکھو چاہ کا چل دور ددا | جھوٹ سے منہ کا تری جائیگا اڑ نور ددا
ایک تو شکل ڈرانی سی تری بیچا سی | تسپہ یوں گھور کے دیکھے مجھے مت گھور ددا
اس لگانے سے ترے اور بجھانے سے ترے | تیرے تالو میں الٰہی پڑے ناسور ددا
بڑبڑاتی ہے تو کیا صبح کو کل رہ تو سہی | ہڈی ہڈی تری کرتی ہے مجھے چور ددا
دوستوں کو مرے دشمن تو کیا ہے تو نے | اور کیا چاہئے کیا ہے تجھے منظور ددا

رات باتوں میں یہاں تم نے گزاری انا | صدقے تیرے کسی ڈھب سے لے لا ری انا
سوچ اس کا نہ ہو گر تجھ کو تو پھر کس کو ہو | جانتی تو نہیں کیا پاؤں ہے بھاری انا
آٹھ آٹھ آنسو رلاتی ہے مجھے اس کی چاہ | روز و شب بہتے ہیں اشک آنکھوں سے جاری انا
ہونی جو ہوئے سو ہو بندی ملے گی شرطی | وصل کی اس سے زبان ہے جو ہماری انا
اٹھتے ہی صبح کو اڑ جاتی ہے نکلے جی پاس | کہیو صاحب سے مرا میں تیرے واری انا

چلو چل کر قطب صاحب میں جھولا ڈال کر جھولیں | دوگانا مینہ برستا ہے مہینہ ہے یہ ساون کا
کروں قربان میں شبو انا کی جالی کی کرتی پر | دوگانا مجھ سے اٹھ سکتا نہیں ہے بوجھ دامن کا
ہلا کر سر کہا کر بات تو مجھ سے نہ ہنس ہنس کر | زناخی مارتا ہے مجھ کو ڈورا تیری گردن کا
جوانی سے وہ پھل پٹ آئی حسن نظر میری | دوگانا کون انساں ہے جسے نشہ نہیں جوبن کا

کل جو مغلانی نے سی دیکھ مروڑی آ گیا | ہو گئی تاب پچھاڑ ان سے گوڑی آ گیا
لے گئی کول کے تو شپ دوگانا ساری | ایک بھی سوت پہننے کو نہ چھوڑی آ گیا
ٹھیک کچھ گات پہ ہے ہی نہیں مغلانی | تنگ اس سے بھی ذرا سی تو تھوڑی آ گیا

نیند آتی نہیں کمبخت دوانی آ جا — اپنی بیتی کوئی کہہ اپنی کہانی آ جا
ہاتھ پر تیرے سوئے کسکے ہیں چھلے کا داغ — دی ہے یہ کسنے تجھے اپنی نشانی آ جا
بال ماتھے کے جو گوندھ سے لئے ہیں تو نے — شکل لگتی ہے بری آج ڈرانی آ جا
غم ہے رنگیں کو نہ میرا یونہی اسکے پیچھے — مفت برباد ہوئی میری جوانی آ جا

دگانا کو اور تجھکو دیکھا جو لیٹے — تو پھر کیا گرج کر ہوا بھبوت خو جا
غضب ہے کہ رنگیں کا دل پھاڑنے کو — نیا روز کرتا ہے کرتوت خو جا

دائی تھی چوٹی گھر اسکے میں کل چور پڑا — ہوئی باجی وہ مثل چور کے گھر مور پڑا
دل دھڑکے ہے جو چلی آئی تو میرے گھر میں — کل دگانا تیرے آنے سے بڑا شور پڑا
کوڑھ دہن سے جو دوا تو نے لگائی مہندی — تو ہتھیلی میں مری دیکھ لے یہ چور پڑا
تیری خاطر کروں کیونکر میں دگانا پیاری — قہر اس بات کا لپکا تجھے در گور پڑا

ہونٹھ کو اپنے دوا تو نے بنایا ہے جونک — کیا مری چڑ ہے دھڑے کا یہ جمانا تیرا

شب کو اس حبشی بچہ نے یہ غضب ڈھالا کیا — چھپ کے مجھسے منہ دگانا کا مری کالا کیا
حسن نظر کو کا جو میری تھی جواں جو بھی کے بعد — پیٹ اُسے جب رہ گیا تب یہ دوپہرا پالا کیا
کون ایسا ہے دوا جس پہ کہ اتراتی ہے تو — کوئی پیدا کیا بنا پھر چلنے والا کیا
اے دوا کس سے کہوں رنگیں کی چھل بل زیاں — بیر دوڑانے میں اس نے مات بنگالا کیا

میرے گھر میں دناخی آئی کب — میں نگوڑی بھلا نہائی کب

صبر میرا اسینٹھتی ہے وہ — شب کو بولی تھی چار پائی کب
کل زناخی تھی میرے پاس کدھر — اوڑھے بیٹھی تھی میں رزائی کب
وہ نبختی تو گھر میں اپنے نہ تھی — پاس اُس کے گئی تھی دائی کب
دوڑی لینے کو میں اُسے کس دم — پاؤں میں میرے موچ آئی کب
کھانا کھایا تھا میں نے اُس نے کہاں — اور منگوائی تھی ملائی کب
کی تھی شب میں نے کس جگہ کنگھی — آرسی اُسنے تھی دکھائی کب
ہرگز آتی نہیں ہے سانچ کو آنچ — پیش جاوے گی یہ بُرائی کب
گوندھ کر ہاتھ پاؤں میں رنگیں — اُسنے مہندی مرے لگائی کب

تجھسے ملنے کا رونا مجھے ارمان ہو نوج — تو ہے بے دید ترے گھر کوئی مہمان ہو نوج
ناک میں دم تھا چھڑایا ہے خدا نے اَنّا — عشق کے بند میں پھر بند مری جان ہو نوج
انگلا میں نے اُسے سخت کڑا ہے رنگین — اے دوا جان کوئی ایسے کے قربان ہو نوج

بھاتا نہیں ہے مجھکو گنواری ازار بند — جا کر دوا وہ لچھے کا لاری ازار بند
ہمسائی پر یہ وقت پڑا ہے کہ تیس دن — بُن ٹھن کے بیچتی ہے بچاری ازار بند
ڈھیلی گرہ لگاؤں تو آنا یہ کہتی ہے — آیا نہ باندھنا بھی تجھے واری ازار بند
باندھوں جو کھینچ کر تو یہ کہتی ہے وہ مجھے — کیا کس کے باندھتی ہے تو پیاری ازار بند

زہر کر دیتی ہے وہ کھانے کو لڑکر مجھسے وز — آج سے میں ساتھ اُسکے کھانا کھاؤں دو پیا
کیا گئی گذری ہوں میں ایسی کہ جاؤں ڈر کر — اور منا کر ساتھ اپنے اسکو لاؤں دو پیا
ہو وہ دن ناپید جس دن بھیجکر دائی وہاں — واسطے اپنے کچھ اس سے میں منگاؤں دو پیا

کنگھی میں کیتکی تیل کی انا انڈیل ڈال — سوکھے ہیں بال سر میں مرے اگلے تیل ڈال
یارب شب جدائی تو ہرگز نہ ہو نصیب — بندی کو یوں نہ جلا پہ تو کولہو میں پیل ڈال

شوق تجھ کھوج مٹی کو جو ہے اس بات سے کم — بولتی مجھ سے دوگانا ہے بہت رات سے کم
مان کرتی ہے عبث اپنے وہ جوبن پہ دوا — گات میری بھی زناخی کی ہے گات سے کم
بھیجتا روز ہے رنگیں مجھے پیغام سلام — اور میں آگاہ ہوں اس حرف و حکایات سے کم

کوئی پیس کر خوب سی لال مرچیں — تنے دونوں دیدوں میں بھر جائے آتوں

گر کہے گی مجھ سے کچھ منہ پھوڑ کر باجی تو پھر — ٹھنڈی کر ڈالوں گی میں ہاتھوں کی ہاتھ چھلیا
اب ہوس باقی نہیں رنگیں کہ میں نے بارہا — پہنیاں رنگ رنگ کی ہیں بھاری بھاری چوڑیاں

شفتلین یوں چڑھیں نظروں میں تمہاری گیاں — اور میں کوٹھے سے اسطرح اتاری جاؤں

یوں بولتی ہوں لیل بڑا خاک چاٹ کر — گوئیاں کسطرح جھاڑو کی تیلی نہیں ہوں میں
ہیں حرفتیں بھری مری رگ رگ میں کوٹ کر — رنگیں تری طرح سے رنگیلی نہیں ہوں میں

اب تجھ سے خدا سمجھے تو ہے زہر کی اک گانٹھ — تجھ پر کہیں بجلی پڑے درگاہ کی گوئیاں
ہے دل میں ہوس اپنے تو رنگیں کی ہوس ہے — خواہش ہے نہ دولت کی نہ کچھ جاہ کی گوئیاں

طبیعت چاہتی ہے اس کو میسری — کھنچی اس سے بھلا کب تک رہوں میں

چمٹتا ہے وہ سو سو بار آکر — بچی اس سے بھلا کب تک ہوں میں

جو ہونی تھی سو بات ہولی کہارو — چلو لے چلو میری ڈولی کہارو
بچھڑ جاؤ نگری سے مر جاؤ سارے — لگے تمکو ایسی ہی گولی کہارو
چلو ہولے ہولے دہمک سے نہ نچتی — گئی سب مسک میری چولی کہارو
مرے مغز کے بس اڑا دو نہ کیڑے — سناؤ نہ اپنی یہ بولی کہارو
الٰہی کرے نکلے تالو میں گلٹی — یہ جیسی زباں تم نے کھولی کہارو
جو ہیں اُتری ڈولی سے میں دیں تمنے — پٹاری مری سب ٹٹولی کہارو
ذرا گھر کو رنگیں کے تحقیق کرو — یہاں سے ہٹے کے پیسے ڈولی کہارو

تو تو محرم نہیں مت ہاتھ لگا چھاتی کو — سخت بیرحم ہے تو اوہی مریچان گئی
بولے وہ آوگے کب میں نے تب اُن سے کہا — بندی ہرگز نہیں اب تک کہیں مہمان گئی
ٹیس پڑ رہی اُٹھی اوہی مریچان گئی — مت ستا مجھکو دوگانا ترے قربان گئی
تجھسے جب تک نہ ملی تھی مجھے کچھ کھٹکا تھا — ہاتھ ملتی ہوں بُری بات کو کیوں ٹال گئی
زہر لگتی ہے مجھے تیری یہ چنچل بازی — ہاں ترے آنے سے باجی تجھے پہچان گئی
ترے رنگیں سے کہیں آنکھ لڑی پر ہے کہے — کچھ تو گھبرائی ہوئی پھرتی ہے اوسان گئی

شکل باجی کی جو یاد آتی ہے — تو ابھی روح نکل جاتی ہے
کھو چڑا جاے مری آنکھوں کا — نیند کیوں ان کو نہیں آتی ہے

آج دروازے پہ نوبت جو دھری جاتی ہے — میری گڑیا کی ابھی گود بھری جاتی ہے

میری چھوچھو کی اجی کوئی بڑہا دے پشواز — بوجھ سے اسکے ننھی وہ مری جاتی ہے
سامنے سے مری کوکا کے پرے ہٹ دائی — تیری صورت سے وہ ڈر پوک ڈری جاتی ہے
میری پروا نہیں رنگیں کو ادی انا جان — اُسکے پاس ایک نئی روز پری جاتی ہے

کل وہ لشکر کو سدہارے گا سنا ہے میں نے — جاکے لادے تو مجھے اسکی نشانی باندی
اور تو کیا کسی لوٹے سے تجھے دوں گی بلاہ — لائے گر اُس کا تو پیغام زبانی باندی

اتنا بڑا ہی مسا ہے اک اُسکی ناک پر — جتنی بڑی ددا مری انگلی کی پور ہے
شاید کہ ہوگیا ترا میٹھا برس شروع — کوکا کچھ ان دنوں تری چاہت کا شور ہے

میں تو وہ اوڑھنے کی نہیں کل کی اوڑھنی — باجی مجھے اوڑھا دو جھا جھل کی اوڑھنی
بھیجا ہے گوٹ کا یہ دوپٹہ مجھے چہ خوش — اور آپ اوڑھ بیٹھیں مسلسل کی اوڑھنی
گرمی کے مارے ناک میں آیا ہے دم مرا — انّا اوڑھا دے لاکے کوئی ہلکی اوڑھنی
برسات اسکو کہتے ہیں جی جس بہار میں — سر پہ ہوا کے ہوتی ہے بادل کی اوڑھنی
پہونچی لچک کمر کو ارے لوگو دوڑ لو — کوسے تلک جو سر سے مری ہلکی اوڑھنی
بھاری بہت منگا دے کہ سر پر لگا ؤ میں — سر پر مرے ٹھہرتی نہیں ہلکی اوڑھنی

پھنسا دیا ہے مجھے رنگیں کے دام میں ناحق — کٹے اُلٹی کرے ناک میری دائی کی

تھوکتا بھی تو نہیں ہے مردوا اسکو کوئی — اتنا اتراتی ہے جوبن پر وہ کس واسطے
ریختی کہنی اجی رنگیں کی یہ ایجاد ہے — منہ چڑھاتا ہے موا نشا جیا کس واسطے

نکلا عید کا چاند جو گھر سے شکر ڈالا نکلا آج — کیوں نہ پھروں میں اہلی گہلی اوپر الا نکلا آج

مجھکو روتا دیکھکر بولی دد ازاری نکر — تیرے صدقے ہوکے مر جاؤں میں ہی بچاری نکر

ہر مہینے میں کڑھاتے تھے مجھے بھول کے دن — ہائے اب کے تو مجھے ٹل گئے معمول کے دن

اب کے یہ عہد ہے کہ جو بارہ وفات ہو — تو میرے اور تیرے دوگانا وہ بات ہو

دل ہو خون اور حنا کو بھاگ لگے — اس تری منصفی کو آگ لگے

رونق سید محمد محسن نام ہے تکیہ ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں بچپن ہی سے شاعری کا شوق ہے۔ چھ سات برس ہوئے جب بغرض امتحان کے لکھنؤ آئے تھے تو مجھ سے ملے تھے پانچ غزلیں بغرض اصلاح دکھائی تھیں۔ اب عرصہ سے معلوم نہیں کہاں ہیں۔ عاشقانہ اور ظریفانہ دونوں رنگ کے شعر کہتے ہیں۔ طبیعت میں شوخی ہے۔ اگر اسی طرح کہتے رہے تو کسی وقت بہت اچھا کہنے لگیں گے۔ چند شعر ظریفانہ رنگ کے نمونتًا درج کرتا ہوں۔

سمند عمر بھاگا ہے اگاڑی نے پچھاڑی ہے — زمیں سونگھے گا آگے چلکے اک گنجان جھاڑی ہے
حرم سے شیخ نکلے ہیں خطر غولوں کی صدا اٹھے — کہ نظارے حسینوں پر ہیں اور ہاتھوں میں داڑھی ہے
نگوڑے عاشقوں کا آج سر کاٹینگے وہ شاید — ابن آباد میں بیٹھے ہیں ہاتھوں میں کلہاڑی ہے
وہ ڈھیچوں ڈھیچوں کرتے ہیں گدھے ناز میں آکر — محلہ والے کہتے ہیں گدھا کوئی پہاڑی ہے

لو وہ آتی ہیں بوا ان کی بھڑکائی ہوئی — ہائے دیا کیا کروں میری تو رسوائی ہوئی

لے بوا میں کیا کروں سنڈی رحیا کے لیے　　میری جوتی سے جو وہ پھرتی ہو گدرائی ہوئی
لے ذرا نچلے تو بیٹھو کوئی دیکھے گا اگر　　رکھی رہجائیگی یہ اٹرہی جو رسوائی ہوئی
دولھا بھائی آرہے ہیں لکھنؤ سے شام کو　　باجی آج آیا ہیں کچھ جنگی سی شرمائی ہوئی
شیریں سے کہنے لگے فرہاد بھیا ایک دن　　یہ تو بتلا دو کہ کیوں پھرتی ہو اٹھلائی ہوئی

کہیں کنجڑے کہیں بنئے کہیں نہاے بیٹھے ہیں　　جدھر دیکھو اُدھر ہی عاشق دلدار بیٹھے ہیں

ریاض - منشی ریاض احمد نام ہے خیرآباد ضلع سیتاپور کے رہنے والے ہیں منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کے شاگرد ہیں اسوقت ستر پچھتر برس کی عمر ہے - راقم الحروف کے حال پر نہایت عنایت فرماتے ہیں اور میں بھی اُن کو بمنزلہ بزرگ مانتا ہوں - ریاض ایک زندہ دل نیک طینت خوش وضع انسان ہیں - آپ کی شاعری رنگ قدیم میں نہایت بہتر ہے بلکہ میرے نزدیک داغ کے رنگ کو ریاض سے اچھا کہنے والے منشی امیر احمد کے شاگردوں میں بجز حضرت ریاض کے کوئی صاحب نہیں ہیں - ممکن ہے کہ یہ بات اُن کے لئے قابل افتخار نہ ہو مگر پھر بھی زمانہ اسکی قدر کرے گا - اور کرتا رہا ہے -

زمانہ حال میں شاعری کی دنیا بدل گئی ہے - اور اب طبیعتوں کا رجحان الفاظ کی تراش خراش - ترکیبوں اور بندشوں - سوز و گداز غیر فطری کی طرف زیادہ ہے - گر ریاض کے یہاں قدامت کے ساتھ وہ انبساط وہ شوخی وہ شگفتگی وہ دل کشی اور رندانہ مضامین ہے ذہنی کی افراط ہے کہ زمانے اُن کی شاعری کو خمریات ریاض مطائبات ریاض کے نام سے شائع کرنا شروع کیا ہے - اور آج بھی اُن کے اشعار کی شوخی ظرافت آمیز دیکھکر اپنے تذکرہ میں ان کا خمریاتی رندانہ - معاملہ بندی کا رنگ لکھنے اور اس تذکرہ کے لئے انتخاب کرنے پر مجبور ہوں - ہر چند بعض حضرات کے لئے یہ ایک جرأت غیر معمولی سمجھی جائے گی مگر مطائبات ریاض

محرومی میری تذکرہ کی ناکامی کا باعث ہوگی۔ بعض تذکرہ نویسوں نے ریاض کی شاعری پر یہ رائے قائم کی ہے اور یہ ضرور ہے کہ سچے عشق کی تصویریں اُن کے ہاں کم ملتی ہیں۔ بلکہ اُس کے برخلاف بعض بعض شعر غزل میں ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو بداخلاقی کا محرک کہنا نازیبا ہے اور یہ بات اصول شاعری کے خلاف ہے۔ یہ ایک معاصر تذکرہ نویس کی رائے ہے مگر مجھپر فرض نہیں کہ میں اُس کا اتباع کروں۔ میں ریاض پر یہ کوئی الزام نہیں رکھتا۔ البتہ البتہ جن شعروں میں ان کی فطرتی شوخی نے اعتدال سے باہر قدم رکھا ہے اُن کے مہذب اور شستہ ظرافت کے دائرہ میں لاتا ہوں۔ وہو ہذا۔

نہ آیا ہمیں عشق کرنا نہ آیا — مرے عمر بھر اور مرنا نہ آیا

مے چرانے میں ہمیں ہی ید طولیٰ کیسا — ہم اڑا لائے سبو آج اچھوتا کیسا

جائیے جائیے ہم حشر میں سننے کے نہیں — آئیے آئیے اب وعدۂ فردا کیسا

قرض لایا ہے کوئی بھیس بدلکر شاید — مے فروشوں کا ہے واعظ سے تقاضا کیسا

جب یہ ملجائیں کلیجے سے لگالے ان کو — ان حسینوں سے کسی بات کا شکوا کیسا

شوق سے میں نے رہ عشق میں کاٹے ہیں پہاڑ — کوہ کن ہو تو ہو میں تو کوئی مزدور نہ تھا

صدقے صبح وصل کے شکوا مرا جاتا رہا — اُن کا شکوا رہ گیا میرا گلا جاتا رہا

دست شفقت اسطرح اک رند نے پھیرا ریاض — بیٹھ کر یاد خدا میں جھومتا جاتا رہا

یہاں وہ لے دے ہوئی آ کر کہ الٰہی توبہ — ہم سمجھتے تھے کہ محشر میں تماشا ہوگا

یہ دن ہے حشر کا ہو کر رہیگا وہ جو ہونا ہو — ارے جھوٹے کچھ اب قول و قسم سے ہو نہیں سکتا

چھپ کے راتوں کو کہیں آپ آئے نہ گئے — بے سبب نام ہوا آپ کا روشن کیسا

مے چھین کر کسی سے جو پیتے تو تھی خطا — جب نام دیکھے پی تو گنہ کیا کسی کا تھا

یہ اپنی وضع اور یہ دشنام مے فروش — سنکر جو پی گئے یہ مزا مفلسی کا تھا

چن چن کے آج شیخ نے انگور کھا لئے — اب کیا رہا ہے تاک کا حاصل نکل گیا

میرے گھر شیل تبرک کے یہ ساماں نکلا / آستیں قیس کی فرہاد کا داماں نکلا

نیچی داڑھی نے آبرو رکھ لی / قرض پی آئے اک دکان سے آج

کوئی منہ چوم لے گا اس نہیں پر / شکن رہ جائے گی یونہی جبیں پر

جناب شیخ نے جب پی تو منہ بنا کے کہا / مزا بھی تلخ ہے کچھ بو بھی خوشگوار نہیں

حنا لگا کے پہونچتے ہیں گلرخوں میں ریاض / کچھ ان کی ریش مبارک کا اعتبار نہیں

یہ الجھے ہیں رندوں سے کیوں شیخ صاحب / بڑھاپے میں کیوں داڑھی رنگوا رہے ہیں

اک ٹیپ ماری زور سے زاہد کے لے ریاض / اب ہاتھ مل رہے ہیں کہ اچھی پڑی نہیں

بوتل کا کاگ زور میں توبہ کو لے اڑا / ہم گل چلوں کے ہاتھ کی گولی رکی نہیں

کریں گے کیا نہ کریں گے جو ہم سے ہم توبہ / کہ اب دکان سے ملتی ادھار بھی تو نہیں

شیخ صاحب کیا چھپا کر لے چلے رومال میں / کچھ نہ کچھ حصہ رہے یاروں کا بھی اس مال میں

مے ریاض آپ بھی پیتے ہیں با ایں ریش سفید / ہائے یہ نور کی شکل اور سیہ کار دل ہے

ہم بند کیے آنکھ تصور میں پڑے ہیں / ایسے میں کوئی چھم سے جو آ جائے تو کیا ہو

اٹھوا دو مینے سے سبو ساغر ریاض جلد / آتے ہیں اک بزرگ پرانے خیال کے

دلائے یاد جو وعدے تو بولے جھنجھلا کر / یہ اور حشر میں لینے کو آبرو آئے

ریاض آئے تو لوگوں نے میکدے میں کہا / کہاں یہ آج بزرگ فرشتہ خو آئے

ہماری نظر حشر میں شیخ پر تھی / وہ سر پر لیے حوض کوثر نہ نکلے

اہل حرم میں جا کے بنا آج شیخ وقت / کافر ریاض پیر کلیسا کہیں جسے

آئے میخانے میں جب مسجد جامع سے ریاض / ساتھ ہی آپ کے قبلہ سے گھٹا بھی آئی

عمر کیا ہے ابھی کم سن ہیں یہ تنہا لیٹیں / سو رہیں پاس کسی خواب سے ڈرنے والے

خم مسجد میں سے شراب بھر رہے جاڑوں میں / ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے ٹھٹھرنے والے

واعظ انکار میں ہے دختر رز بے نقاب / آنکھیں پھوٹیں جو ادھر تاک لگائے کوئی

ہمارا عیب کھلتا ہے تو کھلتی ہے چھپی بوتل
ہمارے کام کیا کیا جامۂ احرام آتا ہے

عادت وہ بری شے ہے جو کھانے کو ملا بھی
پی مے کئے مرے حلق سے اترے نہ نوالے

شیخ صاحب برائیاں مے کی
اور جو کوئی چھینٹ کی آجائے

کاتب اعمال نکلے کام کے
مل گئے دو دو شریک الزام کے

پاس آداب بزرگی ہے یا ہے وضع جنوں
جب چلے تا صبح جھکتے ہم بندگی کے واسطے

اتر گئی سر بازار شیخ کی پگڑی
گرہ میں دام نہ ہونگے ادھار پی ہوگی

شیخ جی گر گئے تھے حوض میں میخانے کے
ڈوب کر چشمۂ کوثر کے کنارے نکلے

بانس پر میکدہ میں مجھکو چڑھایا ملا شیخ
پھر بھی اونچے تری مسجد کے منارے نکلے

یہ کیا مذاق فرشتوں کو آج سوجھا ہے
ہجوم حشر میں لے آئے ہیں ملا کے مجھے

چھیڑ کر مجمع زہاد کو ڈرتا ہوں ریاض
کہنہ مسجد کے عوض ہو نہ مرمت میری

شیخ نے مانگی ہے اپنی عمر کی
میکدے سے اب پرانی جائیگی

حرفِ نا

نازش - تخلص تھا جناب منشی محمد حسین صاحب نازش بدایونی کا۔ ابتدائے شباب
میں کچھ اپنے جوش کچھ احباب کی فرمائش کچھ ضرورت زمانہ کچھ ان کے خوش کرنے کے لیے ظرافت
کے رنگ میں بھی شعر کہتے تھے۔ اور بعض شعر اس رنگ میں بے مثل اور لاجواب ہوتے تھے۔ اب
ظرافت گوئی بالکل ترک کر دی ہے۔ مگر بعض اشعار میں رندانہ شوخیوں کی جھلک باقی ہے
نازش ایک پختہ مشق زود گو اور پُرگو شاعر ہیں لیاقت اردو فارسی بقدر ضرورت شعر بہت
کافی ہے۔ نثر نویسی میں بھی کافی مہارت ہے۔ حتیٰ کہ بعض اخبارات اور رسائل کے آپ
ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔ اور اب بھی یہ شغل جاری ہے۔ آپ کی تصنیف سے کئی ایک ناول اور
دوسری نثر کی کتابیں بھی ہیں۔ ایک دیوان جو انواع سخن سے لبریز تھا۔ اتفاق سے ریل
کے سفر میں گم ہو گیا۔ مگر انھوں نے محض حافظہ کی مدد سے کام لیکر دوبارہ اس کو جمع کر لیا
مزاج میں ایک قسم کی شوریدگی بھی ہے۔ اور رنگینی بھی۔ قوت واہمہ زیادہ ہے حتیٰ کہ بعض
اوقات معمولی معمولی باتوں پر الجھ جاتے ہیں۔ اور پھر مدتوں اس شخص سے صاف نہیں ہوتے
دہلی میں زیادہ تر قیام رہا۔ اب عرصے سے لکھنؤ میں مقیم ہیں مگر کبھی کبھی جب جی چاہتا ہے بریلی
کانپور۔ دہلی چلے جاتے ہیں اور مہینوں واپسی کا نام بھی نہیں لیتے۔ مرزا غالب کے پیرو ہیں
اور اپنے تلمذ کو مرزا کے نامور شاگرد حضرت ذکی مرحوم سے منسوب کرتے ہیں۔ مجھ سے عرصے
سے ملاقات ہے۔ مگر کبھی کبھی اکثر باتوں پر خفا ہو جاتے ہیں۔ اور پھر ان کے منانے میں بڑی دقتوں کا
سامنا ہوتا ہے۔ کلام ظرافت کے لئے میں نے بہت کچھ خوشامد کی مگر وہ کسی طرح کلام
دینے پر راضی نہ ہوئے۔ آخر کار جناب نواب علی حسین خاں صاحب برق شاہجہانپوری

میرٹھی مُلا سے یہ پوچھے کوئی — کیا زبانِ زاغ ٹکسالی نہیں

زاؔلی - دکن کے ایک مشہور ہزال تھے - میر غلام حسین افسق برہانپوری انھیں کے شاگرد تھے - گیارہویں صدی ہجری کے شاعر تھے - کلام باوجود تلاش کبھی دستیاب ہوسکا ایک مرتبہ ایک شخص سے کچھ شعر سُنے تھے اب وہ شخص بھی نہیں - مجبوراً خاموش ہوتا ہوں -

---

زیسٹؔر - سید باقر حسین نام ہے - سُنا ہے کہ مشک گنج لکھنؤ میں قیام ہے - نہایت قابل اور فاضل شخص ہیں گو مجھسے کبھی ملاقات نہیں ہوئی - مگر سُنا ہے کہ پچاس پچپن سال کی عمر ہے ایک غزل مطبوعہ نقل کرتا ہوں باقی کلام ایک صاحب سے زبانی سُنا تھا اور لکھ لیا تھا - زیادہ حالات معلوم نہیں -

ہے جگر بے رحم کے سینہ میں کیں دل کے پاس — سنگ خارا کی ہے یا لٹکی ہوئی سِل دل کے پاس
یار نے پائے ہیں کیوں پلے اگر جاتے ہیں ہم — جھونکتے ہیں اور چلے آتے ہیں سب پل دل کے پاس
ناک کے پہلو میں ہے مسّہ گال پر ہے یار کے — اک پہاڑی مرچ رکھی ہے سیہ فلفل کے پاس
کیا بتائیں حسرتیں کس کس جگہ ہیں جاگزیں — دل کے اوپر دل کے نیچے دل کے اندر دل کے پاس
یوں جچا کرتا ہے دہن پر ناک میں اُن کا بلاق — آگیا بیتال ہے گویا چڑیا بِل کے پاس
گر طلسم اختلاج قلب مانگا ہے وہ — یہ سلیپر میری لٹکا لے تو اپنے دل کے پاس
ہے جبیں پر شکن کے نیچے یہ لمبی سی ناک — یا کھرل کا رکھ دیا نیچے نے مہ سِل کے پاس
پھرتا ہے اس وقت زیسٹر اُس کے رخ کے اردگرد — گھومتا ہے یا چکورا سدم مہ کامل کے پاس

جب تلک اس دستِ نازک کی ہوا کھائی نہ تھی — گدہ گاہ شیخ جی مست کش تائی نہ تھی
بے سبب کس واسطے پھسلا ہے پائے نظر — سبزہ خطِ عارضِ جاناں پہ تھا کائی نہ تھی

کون کہتا ہے کہ غالب کی نہ پیری قبر میں ۔۔۔ کاو کاو سخت جانیہائے تنہائی نہ تھی

سر میں جوئیں ہیں اُن کے آہو ہیں پاختن میں ۔۔۔ یا ننھے ننھے ہاتھی پھرتے ہیں جنگلی بن میں

زیرک ۔ گوبند رام نام تھا ایک کشمیری پنڈت تھے جو لکھنؤ میں رہتے تھے ۔ شعر و شاعری سے انتہائی ذوق تھا اور فن شعر کے نہایت اچھے جاننے والوں میں تھے ۔ ایک مرتبہ محمد علی حزیں نے کشمیریوں کی ہجو میں ایک قطعہ کہا تھا اتفاق سے وہ قطعہ زیرک کی نظر سے بھی گزرا انھوں نے اُس کے جواب میں بہت سے قطعے کہے چند شعر حزیں کے قطعہ کے اور کچھ شعر زیرک کے قطعے کے تفریح طبع ناظرین کے لئے نمونتاً لکھے جاتے ہیں ۔

اشعار قطعہ حزیں

شرح قومی شنو از من کہ ندارند نسب ۔۔۔ ادب و شرم و حیا غیرت از ایشاں مطلب

ہمہ حامی و دلاک بود اعلا نسل ۔۔۔ باقی دلہ و سادو دگر ارباب طرب

در حسب نامہ شاں از ہمہ خلق جدا ۔۔۔ در نجابت لعز از ذیل رسانند نسب

کس ندیدہ بوطن مردن کشمیری را ۔۔۔ در جہاں چوں سگ آوارہ دوانند طلب

یک ازیں قوم ندیدہ است وفو کشمیر ۔۔۔ بنگرد دو چو ز سوراخ برآید عقرب

پے یک حبہ دوانند شتاباں بدمشق ۔۔۔ نزد ایشاں دو قدم راہ بود تا بحلب

بے سبب نیست اگر وقت اظہار کنند ۔۔۔ بعد او چو در آیند بگویند سبب

در محبت چو ذباب و بمروت زنبور ۔۔۔ بسخاوت چو غراب بشجاعت ارنب

جزو نظلے کہ کنند خامہ آنہا تحریر ۔۔۔ ہزج و سالم آنہا ہمہ مبنی اخرب

گر کشند از تن زارت بچشی خون جگر ۔۔۔ دیر نداز کف ایشاں حبہ عجب

کفش و پاجامہ نماند بہ یکے از عجمے — لنگ و عمامہ تمامی بردازاہل عرب
تا نمی زاد ز دنیائے دنی کشمیری — کاش ایں قحبہ سترون بدی ابلیس غرب

جواب زیرک

شیخ شیطاں کہ حزیں نام و خطابش آمد — در سخن یافتہ ریس جز و زباں تا منصب
ہیچ پا آسینہ در چشم و نہ بررو دارد — خاک و ساخت خمیرش ز پئے خجلت رب
قلتباں چوں نہ دہد طاق عروساں ساماں — میہماں جفتہ زناں ند بجو البش ہر شب
ہمچو پیکان ہمہ دلش غیر دل آزاری نیست — چوں کماں خم نشود پیش کسے جز مطلب
خانہ اش نے بہ فلک ہست نہ بر روئے زمیں — ہر بسیر خانہ بر انداز چو ایں است ذنب
ساکن دیر شدہ و زائر بتخانۂ ہند — غور کن بودن او را بہ بنارس چہ سبب
کیست در شیطنت اے شیخ بگو استادت — کہ عزازیل بود پیش تو طفل مکتب
فتنہ ہا زاد بہ ایراں ز وجودت شاید — مادرت ام خبائث شد و چوں بنت عنب
چوں تو موذی نبرد راہ دگر رہ بوطن — رہ سوراخ نہ دید است و توئی عقرب
حرف بد جز بہ زبان و لب بد کے آید — بد اگر در حق نیکاں تو بگوئی چہ عجب
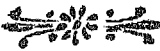
حرف سین

سب رنگ - قاضی عبد المغنی نام تھا بدایوں کے رہنے والے تھے قمر صاحب کے شاگردوں میں تھے۔ ظرافت گوئی کا شوق تھا اور نہایت اچھے شعر اس رنگ میں نکال لیتے تھے۔ چند شعر مل سکے یہ ہیں۔

فضول کس لئے تکلیف ہو پکانے کی ۔۔۔ لگاؤ تاک کہیں روٹیاں چرانے کی

اسی سے تو نے مرے دل میں پھیر دی جھاڑو ۔۔۔ تری نظر نہیں کنجی ہے مال خانے کی

اگرچہ گنج تو باقی نہیں ہے اب لیکن ۔۔۔ ابھی تک آپکو عادت ہے سر کھجانے کی

وہ زندگی میں چرا لے گئے تھے دل میرا ۔۔۔ اب اُن کو فکر ہے میرا کفن چرانے کی

سنا ہے میں نے تمہیں اُلٹے کاٹ کھاتے ہیں ۔۔۔ یہی سزا ہے رقیبوں کے منہ لگانے کی

سنا ہے پیٹے ہیں آج اُن کے در دا ٹھا کر ۔۔۔ مزا ملی انھیں سب رنگ کے ستانے کی

سجاد حسین - یہی مشہور و معروف ذات تھی جنکی ادارت میں ہندوستان کا ہر دلعزیز ظریف اخبار اودھ پنچ سابق ۱۸۷۷ء سے ۱۹۱۲ء تک نہایت شان اور آن بان سے نکلتا رہا۔ منشی محمد سجاد حسین مرحوم کے والد منصور علی صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے جو پنشن لینے کے بعد اک عرصہ دراز تک حیدر آباد میں سول جج کے عہدہ پر ممتاز رہے۔ منشی صاحب موصوف ۱۸۵۶ء میں بمقام کاکوری ضلع لکھنؤ پیدا ہوئے اوائل عمر میں زیر نگرانی نواب فدا حسین صاحب لکھنؤ میں تعلیم پاتے رہے اور ۱۸۷۳ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کر کے کچھ دنوں تک کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف اے میں تعلیم پائی - مگر تعلیم سے دل اچاٹ ہو گیا۔ اسی لئے امتحان میں شریک ہوئے

بتلاش معاش فیض آباد گئے۔ اور وہاں فوج میں اردو پڑھانے پر مقرر ہو گئے۔ لیکن طبیعت کو اس کام سے بھی کوئی خاص لگاؤ اور مناسبت نہ تھی۔ اس لئے چند ہی روز کے بعد اس شغل کو ترک کر کے منشی محفوظ علی صاحب کے مشورہ سے اودھ پنچ نکالنا شروع کیا۔ اور اس میں اپنی خداداد ذہانت سے وہ طباعی دکھائی کہ چند ہی روز میں یہ اخبار نہایت مقبول ہوا اور ایسے ایسے نامہ نگار آپ کو مل گئے جنھیں جانِ ظرافت کہنا کسی طرح سے بیجا نہیں ہے۔ مرزا مچھو بیگ ستم ظریف۔ تربھون ناتھ ہجر۔ نواب سید محمد خاں آزاد۔ سید اکبر حسین اکبر الٰہ آبادی منشی احمد علی شوق۔ منشی جوالا پرشاد برق۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار۔ منشی احمد علی کسمنڈوی ابو الکلام مولانا امید امیٹھوی وغیرہ وغیرہ۔ ان مضمون نگاروں نے اور بھی اخبار کو چار چاند لگا دیئے۔ اور انھیں کی بدولت آسمان شہرت آفتاب بنکر چمکا۔ اودھ پنچ نے زبان اور لٹریچر کی وہ گرانبہا قابل قدر خدمات انجام دیں کہ آج تک یادگار ہیں۔

اخبار کے علاوہ منشی صاحب موصوف نے چند ظریفانہ ناول بھی تصنیف کئے جو آج بھی دنیائے ظرافت کے لئے مایہ صد ناز ہیں۔ جن میں سے حاجی بغلول۔ احمق الذین۔ پیاری دنیا میٹھی چھری۔ قابل ذکر ہیں۔ رینالڈ کے ایک انگریزی ناول کا ترجمہ نہایت سلیس اور دلکش اُردو میں کیا جسکا نام طلسمی فانوس ہے۔ گو یہ ناول ایک ترجمہ ہے۔ مگر طباعی اور ذہانت نے اس کو طبع زاد بنا دیا ہے ایک کتاب حیات شیخ چلی بھی نہایت دلچسپ آپ نے تصنیف فرمائی جسے ظریفانہ تاریخ میں ایک درجہ امتیاز حاصل ہے۔

منشی صاحب موصوف کو ایک مستقل شاعر کہنا زیادتی ہے۔ مگر اکثر جگہ اُن کی ذخار طبیعت سے نظم کے جواہر بھی نکل گئے ہیں۔ جو یقیناً ظرافت کے تاج کے لئے شاہوار موتیوں سے کم نہیں۔

آپ کی نثر کے فقرے۔ پھبتیاں بھی شعر سے کم نہیں ہیں۔ مگر ہم یہاں اُن کو نظر انداز کرتے ہیں اور صرف چند اشعار جو آپ کی تصانیف سے چنے ہیں درج کرتے ہیں۔

حیات شیخ چلی تمام ہوئی تو آپ نے یہ تاریخ لکھی۔

چھپے ہیں قصے جو شوخیاں ہیں ہر طرف — ہے جو ہر سو فی المثل فرخندگی

سال تاریخش ڈھونڈا ہاتف غیبی بگفت — شیخ چلی آ گئے دنیا میں با سنجیدگی

۱۳۱۹

حاجی بغلول جب کنڈے والی پر عاشق ہوئے ہیں تو ہجر میں کچھ اشتیاقیہ شعر بغلول کی زبانی آپ نے لکھے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔

مرے دل کے مونڈھے پہ بیٹھو صنم تم — تن زار گھٹکر ٹھٹھیرا ہوا ہے

یاروں کو کیوں ہے واقعہ یہ کھیل ہو گیا — کیا امتحان عشق میں میں فیل ہو گیا

تن ہو گیا ہے سوکھ کے کانٹا ببول کا — اپنے تو حق میں عشق امربیل ہو گیا

اسٹیشن عدم کو چلے ہم فراق میں — جانی تمہارا ہجر ہمیں ریل ہو گیا

دیوانی فوجداری سے جھگڑے ہیں عشق کے — بغلول کیا ڈرے گا اگر جیل ہو گیا

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند — دو ایک ہاتھ چاہ میں جب ڈول رہ گیا

پہونچا جب اُن کے کانوں میں وہ نالہ ہائے — منہ کھولے غم سے ہائے بغلول رہ گیا

نالوں میں ہم نے بطرز دگر ایجاد کیا — ساتھ سائیس کے گاڑی کو فیل پایہ کیا

بغلول کے تھا نادر عالم کا ایک شعر

سپردم اکھیں مایۂ خویش را — وہ جانیں حساب کم و بیش را

حاجی صاحب جب مقدمہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو فرماتے ہیں۔

عزیز و حق تعالیٰ کر رہا ہے — شرف جس نے عدالت کو دیا ہے

حاجی صاحب جب گڈھیا میں غرقاب ہو جاتے ہیں تو فرماتے ہیں۔

ہوئے بچکے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ درگزھیا — وہیں بہتے شل عینک ہیں غائب کیسے

سخی - تخلص سید پرورش علی نام - آپ کڑا ضلع الہ آباد کے باشندے اور سید جلال بخاری کی اولاد سے تھے - رند مشرب - آزاد مزاج - یار باش خوش خلق - پابند وضع آدمی تھے نماز روزہ کے پابند تھے - بھاکا اردو دونوں زبانوں کے شاعر تھے - بھاکا میں انور تخلص تھا اردو کے کلام میں نہایت شستہ اور رفتہ ظرافت ہوتی تھی - ۱۲۲۹ھ میں پیدا ہوئے اور پینسٹھ برس کی عمر پاکر ۱۲۹۳ھ میں وفات پائی - نمونہ کلام یہ ہے -

بوسہ بندہ سخی مانگتا ہے — ایک دیجیے گا تو دس پائیے گا

اتنا کہنا تھا کہ یوسف نہ کہو — گالیاں دیں سر بازار یہ کیا

کہاں دل کو گھر بے محل جائیگا — ابھی جھٹ پٹے میں نکل جائیے گا

مرے دل میں آئیے یہ فائدہ ہے — ذرا اور سانچے میں ڈھل جائیگا

شیخ جی کہتے ہیں غنا کو حرام — انسے پوچھو تو ہیں یہ گاتے کیا

سر جھکا کر آتا ہوں تو کہتے ہیں — میرے دیوار کا خدا حافظ

ایک ہیں جس کا نامہ اعمال — دو فرشتے سیاہ کرتے ہیں

توبہ ہے شیخ جی برا نہ کہو — دیکھو وہ بت کہیں خدا ہی نہ ہو

دل کھلونا نہیں جو کہتے ہو — ہم ہی لیں گے ہم ہی لینگے

سحر مولوی - اودھ پنچ سابق کے ایک مضمون نگار ہیں جن کا نام اور حال معلوم نہیں غزل یہ ہے صنعت مراعن المعنی میں کہی گئی ہے -

طباشیر سحر عکس بیاض رخ جاناں ہے — چاک خورشید عالمتاب کی تنویر خوباں ہے

الجھتی زلف لیلی فام ہے شبدیز مجنوں پر — کہ ناقہ کو خیال لیلی محشر خراماں ہے

نحافت میری پروردہ ہے کس انداز رعنا کی ۔۔۔ کہ مجھکو خواہش دید تغافل کیش ہر آں ہے

زبونی کش ہوا ہیں کب تحمل بے نہائی کا ۔۔۔ مرا دل بھی گذر گاہ تجلی ہائے جاناں ہے

نہ کر منت کش تیغ ادائے یار عاشق کو ۔۔۔ کہ ہر اک کشتہ دل پروردہ آغوش ارماں ہے

تمنائے مصیبت آزما کچھ اور کہتی ہے ۔۔۔ کہ وقف سادگی ہائے دل بیدرد خوباں ہے

نہیں ہے رابطہ الفت کسی جز دو حسیناں سے ۔۔۔ کہ ہر اک بات میں اک راز اک انداز پنہاں ہے

میں احساں کش ہوں کیونکر تیرے لطف بے نہایت کا ۔۔۔ غم آوارگیہائے صبا مجھکو فراواں ہے

وفا سے حسرت رنگیں بیاں عجب ارادت ہو ۔۔۔ تعجب کیا جو گر گہ خار چشم نکتہ سنجاں ہے

نشار شیخ رمضان علی نام ہے سندیلہ کے رہنے والے ہیں سید منصب علی صاحب تہنر کے تلمذ ہے - افیون کے متوالے ہیں اور اکثر اسی کی مدح میں شعر فرماتے ہیں - اب عمر تقریباً پچاس پچپن برس کی ہوگی تلاش کے بعد صرف دو شعر مل سکے وہ یہ ہیں -

افیون پی کے کھائیں شیرہ کی ریوڑیاں ۔۔۔ کیا مکھیوں کے غول ہیں مجھ ناتوان پر

ہمارے ساقی بھی سامان کیا کیا تری قیمت ہیں ۔۔۔ ادھر کھیلا ہے کولوں کا ادھر سیاہی افیوں کی

سرشار یعنی پنڈت رتن ناتھ سرشار مصنف فسانہ آزاد - سیر کہسار - جام سرشار وغیرہ آپ کے والد کا نام پنڈت بیجناتھ در تھا - جو لکھنؤ کے ایک معزز کشمیری خاندان کے رکن تھے -

سرشار مرحوم ظریف شاعر نہ تھے صرف نثار ظرافت تھے - مگر روانی طبع میں اپنی نظموں میں وہ وہ چلبلے اور چٹکیلے شعر کہہ جاتے ہیں جو دوسروں سے بالارادہ کہنا بھی مشکل ہیں -

اول اول میں اودھ پنچ میں ظریفانہ مضامین لکھتے تھے - اس اخبار سے بہت کچھ ان کی ظرافت نگاری کو ترقی ہوئی اور ایک عمدہ نثار ظریف کی قابلیت اس میں پیدا ہوگئی - مگر چند روز کے بعد اودھ پنچ کے نامہ نگاروں سے علیحدہ ہوگئے اور اودھ اخبار کی اڈیٹری کر لی - چونکہ

سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ اودھ اخبار پر ہمیشہ کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے اور سرشار کو جواب دینا پڑتا تھا اس لئے آخر میں دونوں صاحبوں کے تعلقات کچھ اچھے نہیں رہے تھے۔ مگر انصاف اور حقیقت یہ ہے کہ سرشار نے جو کچھ سیکھا وہ اودھ پنچ ہی سے سیکھا اور یا درکھو اس کے کہ وہ شگفتہ با محاورہ نثر لکھنے میں مشاق تھے ۔ ہر طبقہ ہر فرقہ کے حالات اور محاورات سے باخبر تھے۔ ظرافت نگاری ان کا جزو تحریر ہوگئی تھی ۔ مگر سجاد حسین مرحوم کی ظرافت سے اسکو ذرہ و آفتاب کی بھی نسبت نہیں ہے ۔ رتن ناتھ سرشار جب ظرافت لکھتے ہیں۔ تو کچھ رسم ورواج کے نقشے کھینچکر کچھ محاکات پیدا کرتے ہیں کچھ اس فرقہ کے حالات لکھتے ہیں اور ان میں محاورات کو داخل کرتے ہیں ۔ کچھ اصطلاحات خاص لاتے ہیں۔ کچھ ضرب الامثال سے زینت کلام میں مدد لیتے ہیں ۔ کچھ ہنسنے ہنسانے والے الفاظ استعمال کرتے ۔ کچھ کلام کو طول دیتے ہیں۔ کچھ مشاہیر کے تڑپانے والے اشعار موقع بموقع لکھتے ہیں تب کہیں جا کر عبارت میں ایک لطف پیدا ہوتا ہے ۔ اس میں بھی ایک نقاد کی پہلی نظر نکتہ چیں کو آورد کا عیب صاف اور کھلا ہوا نظر آتا ہے ۔ اور دوسری نگاہ خوردہ بیں طوالت کلام کی وجہ سے ہر داستان کو سعد ان بن لندہور کی داستان خیال کرتی ہے رنگین الفاظ کے قالب ظرافت کے نقش و نگار سے مرصع اور مزین معلوم ہوتے ہیں ۔ مگر وہ نقش چین سے زیادہ نہیں ہوتے نہ ان میں کوئی روح ہے نہ جان ہے ۔ عام نظروں کو دھوکہ دینے میں البتہ مدد کرتے ہیں۔ اس کے مقابلہ پر سجاد حسین مرحوم کی عبارت کو دیکھئے تو وہ عربی فارسی کے بلیغ اور وزنی الفاظ کی ثقالت کے باوجود بھی اتنی رنگین ظرافت میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے کہ دیکھنے والے کو کوئی حصہ اور کوئی بیرونی اور اندرونی پردہ اس سے خالی نظر نہیں آتا ۔ غور کرنے پر اس کے لطف میں برابر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے ۔ ایک ایک سادہ فقرہ بھی ان تمام فرائض کو ادا کرتا ہے جنہیں سرشار ایک ایک کرکے جمع کرتے ہیں ۔ ایجاد ۔ ایجاز ۔ اختصار ۔ فصاحت ۔ بلاغت ۔ ہر قسم دوش بدوش نظر آتی ہیں ۔ ایک ایک سچی ظرافت کے ایک ایک دفتر کا جواب ہے ۔

ہر فقرہ پکارتا ہے کہ جس جگہ میں ہوں اس کے لئے وضع ہوا ہوں - ہر جملہ بتاتا ہے کہ اس رنگ خاص کا میں ہی آغاز ہوں اور مجھی پر اس رنگ کا اختتام ہے - سجاد حسین مرحوم کی عبارت کا دیکھنے والا بیساختہ کہہ اٹھتا ہے کہ ؏ بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری - راقم الحروف جب سجاد حسین کی کسی عبارت کو دیکھتا ہے تو نعمت خان عالی یاد آتا ہے - صرف زبان کا فرق رہتا ہے باقی کچھ نہیں - ہاں اس میں کلام نہیں کہ ان جواہرات کو جوہری ہی پرکھ سکتے ہیں نا شناسان ظاہر بیں اسکی بلاغتوں کو دیکھ نہیں سکتے - اسی لئے کہیں سجاد حسین کے مقابلہ پر سرشار کو ترجیح دیتے ہیں - اور کہیں کسی دوسرے کو - اس کے سوا کہ وہ اپنی پسند کے مختار ہیں عقل رسا - ذہن نقاد - ذوق سلیم - اُن کو مجبور محض بھی کہہ سکتا ہے - ایڈیٹر اودھ پنچ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اُن کا تبسم قہقہے کی حدود میں پہونچ جاتا ہے - مگر وہ یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ یہ تبسم اگر قہقہہ ہے تو اس سے ظرافتوں پر دوسرے خرمنوں پر بجلی گر جاتی ہے اور اگر تبسم ہے تو مزاج و مذاق کے ہرے بھرے چمن زار کو بھی یہی ایک غنچہ شرما دیتا ہے -

سرشار مرحوم نے پچپن چھپن برس کی عمر پاکر ۱۹۰۳ء میں بمقام حیدر آباد انتقال کیا شاعری میں منشی مظفر علی اسیر مرحوم کے شاگرد تھے اور نہایت عقیدت رکھتے تھے - گو زیادہ کلام نہیں ملتا - مگر اُن کے متین کلام سے چند اشعار منتخب کر کے لکھتا ہوں -

از مثنوی تحفۂ سرشار

لندن کی پلا دو آتشہ مے — اے پیر مغاں کدھر چھپا ہے
دا تا پلوا شراب اچھوتی — خوشبو خوشرنگ تیز چوکھی
کوثر کی کھنچی ہوئی ہے منظور — لیڈی وائن جیسے پئے حور
بدمست ہوں پی کے ایک چلو — زاہد کو بنائیں خوب الو

تقوی کا شی کا کون مانے   لاکھوں میں پتے کھلے خزانے

اے شیخ تجھے خدا کی سوگند   رندوں کی گرہ میں باندھ لے بند

لے منہ سے لگا لے جام بادہ   اک بوند بھی پی نہ پی زیادہ

کیوں شیخ کو اجتناب ہے یہ   کچھ زہر نہیں شراب ہے یہ

کیوں قبلہ اگر کوئی پری چھم   با ناز و کرشمہ و خشم و چھم

بجز خوبی زپاے تا فرق   ہنستی کہتی ہوئی انا البرق

پھڑکاتی ہوئی وہ بوٹی بوٹی   ابھرا سینہ کھجوری چوٹی

پازیب کو خوب چھم چھماتی   پیاری پیاری چھبیں دکھاتی

لپٹا کے گلے کہے مری جان   جو کچھ کہوں مان لو میں قربان

پی لو یہ شراب پرتگالی   اٹھتی ہیں گھٹائیں کالی کالی

گورے ہاتھوں سے پی علی جان   میں صدقے لگا دو مجھکو اک پان

اس پان کو لے کے آپ کھاویں   بیٹھے بیٹھے مزے اڑاویں

ادھرم ہو دھرم ہو پن ہو یا پاپ   جو کچھ کہے سب وہ کیجیے آپ

اور میں بھی کہوں اٹھا کے چلمن   تسلیم جناب قبلۂ من

تڑکے تسلیم پہ دم ہو   شب کو کھٹکن سے دو کرم ہو

کھٹکن نہیں ہے دھرم کو کھٹکا   سیکھا اچھا ہے تم نے لٹکا

یارو دنیا ہے دو دن ہے کس کی   میڈم کی نہ بیم کی نہ مس کی

جنٹل مینوں کو دے تو وسکی   کسکی رہی اور رہے گی کسکی

نیچرل شاعری کا بہترین نمونہ سرشار نے اس انداز سے دکھایا ہے کہ اُن بھیان بے خبر کو شرمانا چاہئے جو خواہ مخواہ ہر بے تکی بڑ کو شاعری سمجھکر اُسے نیچر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اے انجن ریل رہ نوردی | دے چھپیہ چھکڑہ دو بردی
اے کاگ جہندہ لیمونیڈ | دے برق جہندۂ برگیڈ
اے رشک خرام ریل گاڑی | دے رد کش ٹانگن پہاڑی
اے درتنگ وپو برنگ دلدل | دے گولہ توپ جنگ کابل
اے تیر گمان ملک ایراں | دے برش خنجر صفاہاں
اے جوش ابال گرم ہانڈی | دے قلقل بوتل برانڈی
اے ریگ روان دشت خفچاق | دے چنگاری سنگ چقماق

ایک اور ساقی نامہ ہے جو سرشار نے اپنے سب سے زیادہ دلچسپ ہیرو خوجی کے نام سے فسانۂ آزاد کی جلد چہارم میں لکھا ہے۔ خوجی فسانۂ آزاد میں وہی درجہ رکھتا ہے جو سجاد حسین مرحوم کے ناول حاجی بغلول میں خود بغلول اور حرفہ ریوڑی یا احمق الذین میں بھوے نواب۔ آپ ایک حماقت کی سربند پوٹ ہیں۔ جس کے کھولنے یا کھلنے پر انواع انواع کی غیر ضروری اور ضروری حماقتیں برآمد ہوتی ہیں اور جب خوجی کی ذات سے خوجی کی حماقتوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو وہ ایک حماقت سراکی دل خوشکن اور مضحک تصویر بنکر رہجاتے ہیں۔ ساقی نامہ کی نقل یہ ہے۔

اے ساقی رشک رنگ شب فام | دے بھر کے افیم ناب کا جام
جب تک ہے بدن میں جان باقی | ٹپکا منہ میں افیم ساقی
چینیا بیگم کا عاشق زار | یعنی خواجہ بدیع (خوجی) بیمار
برسوں سے ترس رہا ہے ساقی | رہجائے یہ آرزو نہ باقی
ساقی قدح افیم دیدے | اور اس میں ملا کے نیم دیدے
نشے کے پینگ خوب بڑھائیں | اور کڑوے کریلے نیم چڑھ جائیں
نشے میں جو کہنے بیٹھوں اشعار | پینک کا ہو دیو مجھپہ اسوار

کاغذ کا ورق سیاہ ہو جائے | دشمن میرا تباہ ہو جائے
سطریں ہوں رشک زلف خوباں | اور روکش کاکل حسیناں
ہر لفظ بنے جنبش کی دلہن | اور خواجہ بدیع شوہر ان
ساقی چینی کی پیالیاں لا | آب اسود کا جلوہ دکھلا
کر رحم پلا افیم چینی | نادرت بہ کشتم کہ نازنینی
ہونٹوں پر آ گئی مری جان | رنجم مفزائے بامدادان
تو بے خبر اور میں ہوں رنجور | اس ملک کا کیا یہی ہے دستور
ہے میری دعا کہ خالق کن | برسائے تری دکان پر ہن
مجمع رہے وہاں افیمیوں کا | دل بادل چیونٹی مکھیوں کا
بیماری موت پہ بلا ہے | بس اس کی افیم ہی دوا ہے
مرجاؤں گا گر نہ دے گا افیون | سوگند بذات پاک بیچون
پیاری ہے افیم جان و دل سے | پیاری ہے افیم تیرے تل سے

دوسرا ساقی نامہ بزبان خوجی (خواجہ بدیع)

پلا ساقیا بادے کی افیم | کہ ہے شوق گلگشت باغ نعیم
کرم کر ستمگر دل پہ مائی ڈیر | میں قربان جاؤں ذرا کم ہیر
پیاسا کئی دن کا ہوں ساقیا | جھلک آب اسود کی مجھکو دکھا
نہ مطرب نہ ساقی نہ مینا نہ چنگ | نہ چانڈو نہ افیون گانجا نہ بنگ
جلادے دم واپسیں اے کریم | سرہانے پہ کہہ قم باذن الافیم
نہ تاخیر کر ساقی مشک رنگ | پلا جام افیون ابھی بیدرنگ
دم پینک او غش ہے رنج و غم | پڑا ہوں پہ کلام فصیح عجم
کر اے یار ترحم بہ حال سقیم | کہ ہستم اسیر کمند افیم

کیوں زمانے میں مٹھائی ہوئی مہنگی اسکی — جابجا ہوتے ہیں مولود جو بازاروں میں

کیوں نہ عشاق رہیں چیونٹیوں کی صورت گرد — بدلے لونی کے ہے شکر تری دیواروں میں

عرق آلودہ وہ ابرو میں مزا ہے اے دل — ہے عوض آبکے شربت انہیں تلواروں میں

لب شیریں کی ترے یوسف مصری کی طرح — دہوم ہے چاروں طرف مصر کے بازاروں میں

کیوں نہ باتوں میں ہی حلاوت ہو پیدا — صاف مصری کا مزا ہے تری گفتاروں میں

امتحان کو یہ کاری میں رہیں ثابت قدم — جوتیاں جسدن لگا کر چاہئے تاں دیکھ لے

افیون کی کم ہیں یاں سے نکلے — تو قیر و گناہ دیکھئے گا

مزار کی اپنے افیم کا رنگ — سبحان اللہ دیکھئے گا

جبتک نہ دل کی بیکلی جاوے — او واترے واسطے گت چلی جائے

در بہشت آئی نظر جب تو یہ عاشق نے کہا — نشہ افیوں کا چڑھا ہے یہ عمارت تیری

کیوں نہ سترکیں رہے گرد ہر اک افیونی — ڈہیر گنڈوں کا زمیں پر ہے کہ تربت تیری

کہتا ہے خوانچہ فرنی کا کہ زینے کا طباق — ورق نقرہ سے کرے کوئی زینت تیری

لوٹ سکتا نہیں افسوس تھا سا مجھسے — تھہ لگی کیا کے مٹھائی پہ نزاکت تیری

میں یہ سمجھا حبشی دیکھ کے حلوا سوہن — جلوہ دکھلاتی ہے شاید شب وصلت تیری

مصری کی ڈلیا چلکے صنم نے بیچی افیم — بے جا بے لطف کیست جہاں نیشکر کے ہیں

دو دو دن سے بھکا دیکھ کے وہ بڑبڑانے لاگ — چلائے دیپ تنکو جو چھیڑ پچھارہاں

چلائے دیتے ہیں تھوڑا سا

دو دو دانت گھس گئے نکسا لہو ہے باپ — دانتن سے ایسے جو رہاں کاٹس پہار ہاں

نکلا — زور کاٹتا

مارے ڈرن کے بھاگ گیوں لیکے اپنی جان — دیکھوں لہو بھرا جو ہیں اسکی کٹا رہاں

کر من سے جہہ کا ڈیل ملا جسے تاڑ سا — وہ یار چھپ سکت ہے بھلا کب بچا رہاں

بیتر اندھیری کٹھڑی ماں ہکا لٹائے کے — گھٹنن سے لاگ ہے سر آ رہیں ہنگار ہاں

سر کوپ تا را لوٹا کرت ہے سکار تک — موتی پروت ہے جو وہ موٹے تگ بار ہاں

صبح — سر کے بال ہیں

سعدی۔ آپ کا اسم گرامی مصلح الدین تھا۔ مگر تحقیقات جدید کے مطابق معلوم ہوا ہے کہ شمس الدین آپ کا اصل نام تھا۔ بہر صورت آپ نام کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے تخلص کے ساتھ اسقدر مشہور ہوئے کہ آج دنیا کا بچہ بچہ آپ کو جانتا ہے یا کم از کم آپ کے تخلص سے آشنا ہے۔ بہت سے بزرگوں کا قول ہے کہ جو مقبولیت اور جو شہرت آپ کے کلام کو ہوئی وہ دنیا میں کم کسی کو نصیب ہوئی۔ آپ کی تعریف۔ اور آپ کے احوال کا لکھنا تحصیل حاصل ہے ہر شخص آپ کے کمال سے واقف ہے۔ آپ جسطرح ہر صنف اور ہر رنگ کلام کے بادشاہ تھے اسی طرح صنف ظرافت کے استاد کامل تھے۔ اگرچہ ہزل و ظرافت سعدی کے نام کے ساتھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں مگر میں نے ایک قدیم نسخہ میں یہ عبارت دیکھی۔ کہ حضرت نے خود فرمایا ہے۔ کہ مجھے بعض ابنا ملوک نے دھمکی دی کہ تم ظرافت لکھو۔ مگر میں نے انکار کیا۔ یہاں تک کہ میرے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ تب میں نے یہ ظرافت اور ہزل لکھی ہے۔ اگر سعدی یہ بھی نہ لکھتے تب بھی قابل الزام نہ تھے۔ کیونکہ بہت سے لوگوں کے نزدیک اُن کے کمال کو کمال اور مسلم کرنے والی یہی دو چیزیں ہیں۔

باب پنجم گلستاں در عشق و جوانی - اور ہزلیات

اُن کی ہزلیات رنگ زمانہ کے موافق سیکڑوں جگہ درجۂ فحش تک پہونچ گئی ہیں - مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ جس رنگ میں ہیں ممتنع الجواب ہیں - بہت سی ظرافتیں ایسی ہیں جنکی تہ میں ظرافت کے ساتھ نصیحت کے بیش بہا جواہر نظر آتے ہیں - بہت سی جگہ الفاظ تین ہیں مگر ایک ایک لفظ میں تنو تنو زعفران زار پوشیدہ ہیں اور ایک ایک سطر دیوارِ قہقہہ کا جواب ہے - میں کوشش کروں گا کہ اُن کی ہر رنگ کی ظرافت سے کچھ کچھ انتخاب کر کے لکھدوں - ملاحظہ فرمائیے -

زمانہ کے رجحانِ طبیعت کو دیکھتے ہوئے اُنھوں نے نوکر و غلام کے لئے یہ قید لگادی ہے ع

غلام آبکش باید و خشت زن — بود بندۂ نازنین مشت زن

لطیفہ - ایک مرتبہ رات کے وقت آپ کا معشوق آیا - گھبرائے ہوئے اُٹھے چراغ آستین سے بجھ گیا - وہ بگڑ گیا - اور چراغ بجھنا بڑا معلوم ہوا - کہا کہ سعدی تم نے یہ کیا حرکت کی کہ میرے آتے ہی چراغ بجھا دیا - آپ نے فی البدیہہ یہ قطعہ پڑھکر سنایا -

چوں گرانے بہ پیش شمع آید — خیزش اندر میان جمع بکش

ور شکر خندہ ایست شیریں لب — آستینش بگیر و شمع بکش

یعنی جب کوئی ایسا شخص شمع کے سامنے آئے کہ اسکا دیکھنا دل پر ایک گرانی کرے تو ممکن ہو تو اٹھکر اس کو مار ڈال اور اگر کوئی معشوق ہے تو اُسکی آستین پکڑ اور شمع کو مار ڈال - یعنی بجھا دے -

لطیفہ - ایک مرتبہ آپکا ایک محبوب معشوق سے کچھ جھگڑا ہو گیا - اور نوبت یہانتک پہونچی کہ وہ ان کو چھوڑ کر چلدیا جدائی کے مصائب نے انھیں بہت پریشان کیا - مگر کیا کرتے مجبور ہو گئے مدت کے بعد ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ وہ واپس آگیا - مگر اب وہ زمانہ حسن و شباب کا باقی نہ رہا تھا ڈاڑھی مونچھیں نکل آئی تھیں اور وہ بہار زمانہ خزاں سے مبتلا ہو گیا تھا - اب وہ شرم سے

اور کرشمے ناز و انداز رخصت ہوگئے تھے۔ وہ حسب دستور ان کے پاس بھی ملنے کے لئے آیا۔ بادل
ناخواستہ پہ تنگئیر ہوسے۔ اور ہنسکر یہ قطعہ پڑھا۔

آمد وقتی که خط شاہ رسته بود صاحب نظر از نظر براندی
امروز بیامدی بہ صلحش کش فتنہ و ضمہ برنشاندی

تازه بہار تو کنول نو شد دیگ منم کاتش افسرده شد
چند خرامی و تکبر کنی دولت پارینہ تصور کنی
پیش کسے رو کہ خریدار تست ناز بر آن کن کہ طلبگار تست

معشوق کے سبزۂ خط پر آوازہ کستے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔

سبزه در باغ گفته اند خوش است داند آنکس که این سخن گوید
یعنی از روئے نیکوان خط سبز دل عشاق بیشتر جوید
بوستان تو گندنا زارے ست بسکہ بر می‌کنی و می‌روید

پھر کہتے ہیں۔

گر دست بجان داشتمی ہمچو تو بر ریش نگذاشتمی تا بہ قیامت کہ برآید

چونکہ کبھی جی سیر نہیں ہوتا تو ایک چٹکی بھی کہہ ڈالتے ہیں جو اردو میں لیں کی جائیگی
چاند کو چونٹے چمٹے ہیں۔

سوال کردم و گفتم جمال روئے ترا چه شد که مورچه برگرد ماه جوشیدست

ایک جگہ تجربہ کی بنا پر لکھتے ہیں۔

امرد آنگه که خوب و شیرین است تلخ گفتار و تند خوے بود
چون بریش آمد و بلا خفت شد مردم آمیز و مہر جوئے بود

ایک جگہ بڈھوں کی مذمت میں لکھتے ہیں۔ کہ ان سے نوجوان بیویاں خوش

نہیں رہ سکتیں۔

پیرے کہ زجاے خویش نتواند خاست الا بہ عصا کیش عصا برخیزد

لطیفہ۔ ایک بڈھے نے ایک نوجوان عورت گوہر نامی سے شادی کی۔ مگر بوجہ ضعف کے یہ اپنی بیوی کو خوش نہیں رکھ سکتے تھے۔ آخرکار دونوں میں جنگ ہوئی۔ اور دن رات لڑائی جھگڑا رہنے لگا۔ عورت نے علیحدگی اور طلاق کی عرضی قاضی کے یہاں دی۔ بڈھے نے سر عدالت عورت کی بڑی مذمت کی۔ اتفاق سے سعدی بھی وہاں موجود تھے آپ نے ایک بات کہکر فیصلہ کر دیا۔ پوری حکایت ہے۔

شنیدہ ام کہ دریں روزہا کہن پیرے خیال بست بہ پیرانہ سر کہ گیرد جفت
بخواست دخترکے خوبروے گوہر نام چو درج گوہرش از چشم مردماں بنہفت
چنانچہ رسم عروسی بود تماشا کرد ولے بہ حملۂ اول عصاے شیخ بخفت
کماں کشید و نزد بر ہدف کہ نتواں دوخت مگر بہ سوزن فولاد جامۂ ہنگفت
بہ دوستاں گلہ آغاز کرد و حجت ساخت کہ خان و مان من ایں شوخ دیدہ پاک برفت
میان شوہر و زن جنگ و فتنہ خاست چناں کہ سر بہ شحنہ و قاضی کشید و سعدی گفت
پس از ملامت و شنعت گناہ دختر نیست ترا کہ دست بلرزد گہر چہ دانی سفت

یہ ظرافتیں ہیں جو اُن کے کلام نظم و نثر میں زیادہ سے زیادہ پائی جاتی ہیں۔ مگر ہزلیات جو از سر تا پا شوخی اور شرارت سے بھری ہوئی ہیں اُن میں حد سے گزر کر اکثر جگہ فحش کی حدود میں پہونچ گئے ہیں۔ اس لئے انتخاب بھی نہایت دشوار ہو گیا ہے پھر بھی چند شعر انتخاب کرکے پیش کرتا ہوں۔

آں شیشہ را چو باد ورق افتاد آں گنبد سپہر رنگہ دروا نہ باد
از ہر منارہ زاویہ وقف نکرد ہمسایہ بہ خداے کس راندہ باد
آں عہد یاد داری و دولت مراد کز عاشق بیچارہ نمی کردی یاد

آں روز کہ بختی کہ کس چو تو نبود دامروز بیامدی کہ کس چو تو مباد

ایں ریش تو سخت دیر بر می آید موئے زنخت بزیر بر می آید
با اینہمہ چوں ... ن قوی آرم یاد آیم بہ دہاں ..... بر می آید

مردکے غرقہ بود در جیحوں از سمرقند بود پندارم
بانگ میکرد و زار مینالید کاسے دریغا کلاہ و دستارم

ایک مرتبہ ایک کریہ الصوت حافظ کو قرآن پڑھتے دیکھا تو فوراً یہ شعر پڑھے

گر تو قرآں بدیں نمط خوانی ببری رونقِ مسلمانی

خدایا حافظانِ ناخوش آواز بیا مرزد اگر سالے نخوانند

قلم بیاد تو درشت کس نمی گنجد کہ دیر شد کہ ندید است این و امید
ترا دوات سیہ کرد روزگار ہنوز مرا ز چشم قلم میرود مداد سفید

حریف عمر بسر بردہ در فسوق و فجور بوقت عمر پشیماں ہمی خورد سوگند
کہ توبہ کردم و دیگر گنہ نخواہم کرد تو خود دگر نتوانی بریش خویش مخند

دلوگر صومعہ داری کنند اندر ملکوت ہمچو ابلیس ہماں طینت ماضی دارد
ناکس است آنکہ بہ اعمہ و دستار کس است دزد دزد است اگر جامہ قاضی دارد

امردے کانزا پلاسے در براست　　خوش بود از دخترے در چادرے

بس قامت خوش کہ زیر چادر باشد　　چوں باز کنی مادر مادر باشد

زر بامرد کسے دہد بہ گزاف　　کہ نداند شریعت زردشت

دو منظور موافق روے درہم　　چہ خوش باشند ہم زانو وہمدم
ہر آنچہ آنرا بود این را مہیا　　ہر آنچہ این را بود آنرا مسلم
رفیق و حجرہ و گرمابہ و کوے　　بصحرا باہم و در خانہ درہم
مقدم در موخر بردہ تا ناف　　دگر بار این موخر آن مقدم
گر این حرفہ نگہداری ہمہ عمر　　نہ دینارت زیاں باشد نہ درہم
من این پاکیزہ رویاں دوستدارم　　اگر دشمن شوندم خلق عالم
عروسان مقنع بے شمارند　　عروسے را بدست آور معمم
کہ گر بیروں کنی شلوارش از پاے　　تو پنداری کہ خروارے ست شلغم
حجاب نام و ننگ از پیش بردار　　کہ محرم را نہ پوشانند ز محرم
اگر محکم بہ بندی عقد شلوار　　ہنوزت عقد صحبت نیست محکم
وصال دوستاں میخ است دیوار　　حدیث دشمناں باد است در چم
ہر آں کز پشت آدم زاد ناچار　　رود بر پشت فرزندان آدم
طریقت خواہی از سعدی بیاموز　　رہ این است اے برادر تا جہنم

ندیدم امردے سی سالہ چوں تو در اسلام　　کہ فتنہاے چنیں آخر الزماں باشد

اگر دوست تو یک ہفتہ قضا بند | بہفتہ دگرت ریش تا میان باشد

اے خواجہ اگر با خرد و تمکینی | جز جلق زدن کار دگر نگزینی
چہ خوشتر ازاں بود کہ ہنگام جماع | تا خایہ فرد بری سرشش را بینی

مرکب از بہر راحتے باشد | بندہ از اسپ خویش در رنج است
گوشت قطعاً بر استخوانش نیست | راست مانند اسپ شطرنج است

سگ۔ ایک شخص قزوینی کا تخلص ہے جو شاہ عباس صفوی کے دربار میں ظریفوں کے زمرہ میں ملازم تھا نہایت بے ادب گستاخ اور شوخ مزاج واقع ہوا تھا۔ ایک مرتبہ علیسی خاں قورچی باشی اُس کے دروازہ سے گزر رہا تھا۔ اس کے بٹھانے سے تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ گیا۔ اتفاق سے میاں سگ کے دروازہ پر ایک کتا سوتا تھا۔ علیسی خاں نے پوچھا کہ یہ آپ کے یہاں کس عہدہ پر ملازم ہے۔ جواب دیا کہ قورچی باشی پر۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا۔ افسوس کہ ظریفانہ رنگ کے اشعار نہ مل سکے صرف ایک شعر سادہ ملا

بسحر آمدم بہ کویت بہ شکار رفتہ بودی | تو کہ سگ نبردہ بودی بچہ کار رفتہ بودی

سگ کے متعلق بہت سے لطائف و ظرائف درج کیے گئے ہیں مگر اکثر اُن میں سے غیر مہذبانہ ہیں اور بعض ہمارے تذکرہ کے منافی ہیں لہذا قلم انداز کردیئے گئے

سوختہ آپ کا نام میر حسین کشمیری الاصل ہیں اور دور موجودہ کے ایک خوش مذاق خوش فکر ظرافت گو ہیں۔ علاوہ شاعری کے آپ ایک معزز اور موقر اہل قلم ہیں

چنانچہ ضیافت پنچ لاہور مدتوں تک آپ کی ایڈیٹری میں نکلتا رہا آپ نے اپنی ظریفانہ شاعری کا ایک دائرہ مقرر کر لیا ہے اشتہا کی طرح کبھی کلو و اشربوا سے باہر قدم نہیں رکھتے - ایک ایک شعر اشتہا انگیز اور آتش معدہ کو تیز کرنے والا ہوتا ہے - نمونۂ کلام یہ ہے

بحر قلزم جو ہے چائے کا دریا ہو کر — عکس خورشید نظر آئے کلیجا ہو کر
اترے مہتاب زمیں پر جو پراٹھا ہو کر — انجم چرخ برس آئے پکوڑا ہو کر
شوربا قاب میں بہتا ہو جو دریا ہو کر — حلق لبیک کہے کیوں نہ کشادہ ہو کر
لطف کھانے کا جو آیا بھی تو بھوکا ہو کر — سوکھی روٹی بھی گئی حلق میں حلوا ہو کر
اے طبیبو کوئی تدبیر بتا دو ایسی — چائے نسخہ میں لکھی جائے بنفشا ہو کر
کوفتے خواب میں بھی جو تو برہمن کھا لے — توڑ دیں تپ کو تری آلو بخارا ہو کر
عقد بریانی کا جس وقت مطنجن سے ہوا — لٹ گئے مفت وہاں شیخ چھوہارا ہو کر
فرنی تا قاب میں کی پرنے اتنی زاری — کھا گئی ریش بچارے کی بتاشا ہو کر
نوع اجناس کو حاصل ہوا پہلو نجات — پہلوے دیگ میں جل جل کے ہریسا ہو کر
اپنی ہستی سے گزر جائے جو دنیا میں فروغ — قدر شلغم کی ہوئی دیگ میں گشتا ہو کر
ہو نہ مغرور سر دار پہ چڑھ کر منصور — چڑھ گئے سیکڑوں یاں سیخ پہ قیما ہو کر
خشک سالی میں نہ کہہ سوختہ اسیر پلاؤ — پس گئے سیکڑوں اس آس میں دلیا ہو کر

سفلی - عنایت خاں نام کالے خاں عرف تھا - نہایت بذلہ سنج اور لطیفہ گو تھے آگرے کے رہنے والے تھے - ہزل گوئی کا شوق تھا - اور اسی میں کافی مشہور ہو چکے تھے - عرائض نویسی سے اوقات بسر کرتے تھے نہایت حاضر جواب - خندہ پیشانی - زندہ دل لوگوں میں تھے - باتیں کرتے تو معلوم ہوتا کہ منہ سے پھول جھڑتے ہیں اسی ظرافت کی بدولت راجہ بلوان سنگھ کاشی کے دربار تک پہنچے - مولوی نیاز علی پریشان نے جو آگرہ میں ۱۲۸۶ھ

میں مشاعرے کئے اُن میں شرکت کرتے تھے اور اُس وقت اُن کی عمر چالیس برس کی تھی تنگدست تھے مگر زندہ دلی اور آن بان میں کبھی فرق نہ آنے دیتے تھے - مرزا مہر اکبر آبادی کے شرف تلمذ سے بہرہ یاب تھے ظرافت میں وہ وہ باتیں نکالتے تھے کہ بے اختیار داد دینا پڑتی تھی مختلف اخباروں میں کلام شائع ہوتا رہتا تھا آخرکار سنہ ۱۸۹۰ء میں دنیائے فانی کو خیرباد کہا - دیوان مرتب ہو چکا تھا - مگر وہ شاید طبع نہیں ہوا اس لئے کلام کمیاب بلکہ نایاب ہو گیا - جو شعر مل سکے وہ درج کئے جاتے ہیں -

واہ وا رے ملک الموت تری باریکی
گھس گیا ناک میں نمرود کی مچھر ہو کر

معشوق بچہ زاد سے سفلی خدا بچائے
کیا انتشار ہوتا ہے کل مل کو دیکھ کر

میں اپنی ناتوانی پہ روتا ہوں اسلئے
اب لوگ دیکھتے مجھے عینک لگا کے ہیں

بادہ پیوں کہاں سے میں فصل بہار میں
نقدی تھی جسقدر وہ گئی سب اُدھار میں

انگور تر میں ہے نہ وہ لذت انار میں
منعم مزا ہے جو مری میٹھی جوار میں

اے گل ترے فراق میں کانٹا سا ہو گیا
مجھ سے زیادہ بوجھ ہے پھولوں کے ہار میں

عروضی خردہ گیر شاعران با صفا ٹھہرے
وہاں جسطرح سے عیب جتا دیا ٹھہرے

کہا کرتے ہیں فاسق میکشوں کو حضرت واعظ
بڑی داڑھی بڑا کرتہ ٹٹے اک پاسا ٹھہرے

نکالو گھر سے ایسی چوٹی ماما کا کالا منھ
کہ چھلکے پر نہ بیلیں اور نہ چولھے پر توا ٹھہرے

کریں اشرف کیا فرمائیے اس تھالی سا بیگا
نہیں تنا بدن پر اور پابند قبا ٹھہرے

چڑھا دو گل مرے مرقد پہ لے گل اندامو
پہ اپنے گلے لپٹا دو زمیں خال کے لئے

بتاؤ مجھکو بھنگیڑ و کدھر گئے میکش
بھٹکتا پھرتا ہوں میں اپنے کارواں کے لئے

آیا صاحب کے میم کے مس کے
دل اٹھاؤں میں ناز کس کس کے

سودا - یعنی مرزا محمد رفیع سودا جنکی شہرہ ایہانی کی چار دانگ عالم میں دھوم ہے

جن کی ہجو نگاری نے اپنے معاصرین کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ ان کے والد کا نام مرزا محمد شفیع
تھا جو کابل سے دہلی میں آ گئے تھے۔ اور پیشہ تجارت سے بسر اوقات کرتے تھے ۱۱۲۵ھ میں
سودا کی ولادت ہوئی۔ اور زمانہ کے دستور کے موافق تعلیم حاصل کرنے کے بعد شعر و شاعری کا
شوق ہوا۔ شاہ حاتم کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ اپنے وقت کے مشاہیر اور اکابر شعرا سے
معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں۔ اور دلی کے کوچہ کوچہ میں ان کی ہجوین مشہور ہوگئیں۔ مگر چونکہ
خاندان تیموریہ کا چراغ اقبال برائے نام چل رہا تھا۔ اُس میں روشنی بالکل باقی نہ رہی
تھی۔ عروج کے درخت کی جڑ میں دیمک لگ گئی تھی۔ اس لئے قدر دان ناپید تھے۔
اہل کمال پریشان اور خستہ حال تھے۔ ادھر یہ عالم ادھر امرا اور وزرا کا یہ زور شور
یہ رنگ تھا کہ سلطنت کے مالک بن بیٹھے تھے۔ چنانچہ لکھنؤ میں وزیر الممالک نواب
آصف الدولہ بہادر کا دور دورہ تھا ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے باکمال ادھر ہی
کھچے چلے آ رہے تھے میرزا سودا کو بھی مجبوراً ادھر کا رخ کرنا پڑا۔ فرخ آباد ہوتے ہوئے
یہاں آئے قدر دانوں اور اہل کمال نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور خوبی قسمت نے
چند روز کے بعد نواب کے دربار تک پہونچا دیا خطاب ملک الشعرائی جس کے صحیح طور پر
وہ مستحق تھے شاہ عالم کے دربار سے پا چکے تھے۔ یہاں اسی کے مطابق عزت افزائی ہوتی
رہی۔ انھوں نے بھی ایسے ایسے قصیدے نواب بہادر کی تعریف میں لکھے جو آج تک گل
سرسبد معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی معلومات شاعرانہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا ایک ایک اعتراض
کے سو سو جوابات دیتے تھے۔ جو آجتک اُن کے دیوان میں موجود ہیں اور انھیں سے اُن کی
ظرافت المزاجی اور بذلہ سنجی کا پتہ چلتا ہے۔ جو آگے چلکر ہم درج کریں گے۔ سودا عالم شباب
سے پیری تک لکھنؤ میں رہے۔ اور ۱۱۹۵ھ میں یہیں پیوند خاک ہوگئے۔

میر ضاحک جو میر انیس کے پردادا تھے ان کے زبردست حریف تھے۔ خدا معلوم
کس بات پر چل گئی تھی کہ ادھر اور اُدھر دونوں طرف سے ہجووں کی بھرمار رہتی تھی۔ مگر

زمانہ نے میر ضاحک کی محنت کو خاک میں ملا دیا سودا کی کہی ہوئی ہجویں اب تک موجود ہیں۔ چنانچہ یہ ترجیع بند میر ضاحک کی ہجو میں ہے۔

جا صبا ضاحک سے کہہ بعد از سلام　　کیوں کیا کرتا ہے ہجو خاص و عام

آپ کو کہتا ہے تو سید ہوں میں　　جد مرا پوچھو تو ہے خیر الانام

پس دکھا تو اب کسیکی ہجو میں　　ہو اگر ختم رسالت کا کلام

کون ہے تیری سیادت کا مقر　　جانتے ہیں خاص سے لے تا عوام

تیرے والد کو ہوئی تپ ایکسال　　تب حکیموں نے یہ تشخیص تمام

دق سمجھکر یہ دوا تجویز کی　　شیر خر با قرص کافور ایکدام

مول لے ایک مادہ خر پینے لگا　　ہر سحر اس شیر خر کا بھر کے جام

آخر کار اس مرض کے بھی لئے　　وہ جو مادہ خر تھی اسکی آئی کام

ریم سوزاک پدر ہے تو شریر

رحم مادر سے اُلٹ نکلا ہو میر

حسن تو ٹک لے نصف انسان نصف خر　　ہمنے کیا سید نہیں دیکھے مگر

جنبش و کلم تجھ میں نہ دیکھا عقل و حمق　　نطفہ کی ترکیب کا ہے یہ اثر

گھر سے اپنے کھا کے جاوے جیکے ہاں　　جاتے ہی مانگے ہے اس سے ما حضر

عقل کہتی ہے کہ کھالے پر نہ کھا　　حمق کہتا ہے کہ جیتے سے نہ ڈر

سیدلے میر مثلث آپ کو　　کہنا آتا ہو کے بے خوف و خطر

ریم سوزاک پدر ہے تو شریر

رحم مادر سے اُلٹا نکلا ہو میر

ایک دوسری ہجو جو میر ضاحک کے متعلق لکھی ہے دیکھئے۔ متانت پناہ مانگتی ہے ظرافت انگشت بدنداں ہے۔

ضاحک کی اہلیہ نے ڈھول اپنے گھر دھرایا بیوچھ رات ساری ہمسایوں کو جگایا

بیٹھک میں بیٹھ بوڑھے چونٹے کہ جب بلایا تب شیخ سدو اس پر غصہ کو کھا کے آیا

بولا کہ کیوں بے ضاحک بکرا کوئی منگایا

ضاحک نے تب کہا یوں تم نے زبان نکالی بے آج کو کہا ہے کل دوگے مجھکو گالی

بکرے کی شکل یا نتو نے گری ہے نہ کالی بی بی کو اور تم کو گھر دیا ہے خالی

بکرا وہ دے گی تمکو جن نے کہ سر چڑھایا

میراں یہ سن کے بولے پھر کہیو کیا کہا جی میں اس سوا نہیں کچھ اور حرف جانتا جی

بکرا اگر نہ آیا چھوڑوں گا کر چچا جی گالی تو اک طرف ہے یہ سن رکھو بچا جی

آئے ہے ڈھول دہیا میں تم کو کہہ سنایا

ضاحک نے تب کہا یوں مجھ پہ پاس کے ہے کوڑی گر ہے تو گلگلے ہیں اور تیل کی پکوڑی

میٹھا کرو جو منھ کو دیلے کی ہیں گنڈوڑی تب شیخ سدو بولا سنتا ہے اے نگوڑی

بھینسا ہی لیکے چھوڑوں خاطر میں کیا تو لایا

دمڑی میں منھ کو میٹھا تجھ سے کہاں ہے کرنا دو تیل کے پکوڑے آگے ہمارے دھرنا

گاوے اپنی پر نہ دیکھا بھس کا ہے تمہارے بھرنا بکرا نہ لوں نہ بھینسا پر جی میں لوں تو آرنا

تب جانے گا تو بھڑوے پیروں کو میں منایا

بڑھاپے کی شادی پر ایک مخمس لکھا ہے جس سے ان کی انتہائی ظرافت کا پتہ چلتا ہے دیکھئے۔

نائن کہے ہے تم سے دولھا ہو سر نگوں اب کیونکہ تیل روسے مقدس کے میں ملوں

شانہ کروں میں ریش کو یا وسمہ سے رنگوں جی کی امان پاؤں تو کیا تیں کہوں

منھ کو کلنک اپنے لگاتے ہیں شیخ جی

القصہ شیخ جی کی جو حرمت خدا گنوائے بارہ برس کی چھوکری یا جا بجا تیلے

آئے دولھن کے گھر سے جو مقنع میں منہ چھپائے — جیسا ہمارے کہنے کو خاطر میں وہ نہ لائے

اپنے کئے کو تیسا ہی پاتے ہیں شیخ جی

تھے بسکہ شیخ بات سے دنیا کی پاک صاف — سو اک لیکے جورو سے کرنے لگے زفاف

اُن نے تب اپنی چوٹی سے یہ کھولکر مباف — مشکیں انھوں کی جکڑ کے کہا کیجیے معاف

مجھکو تو کچھ ولی نظر آتے ہیں شیخ جی

لایا غضب ہیں شیخ کو گھر کا یہ بندوبست — مشکیں بندھا الجھ گئے جورو سے کر کے جست

بال اسکے اُن کے ہاتھ پہ ریش انکی اسکے دست — عہدے سے بر نہ آسکے تھے از بس ضعیف و پست

پاپوشیں تب سے جورو کی کھاتے ہیں شیخ جی

جورو سے شیخ جی کو صحبت ہے اب مدام — بھڑوا و مسخرا و مچھندر رہے ان کا نام

خلوت میں جب بلاتے ہیں اسکو وقت شام — دیتی ہے تب وہ بھیجکے لوگوں سے یہ پیام

بیٹی کو اپنی کیوں یہ بلاتے ہیں شیخ جی

یہ تو ہیں بڈھے خرس وہ ہے شوخ چنچلی — ماری کبھو تو دھول کبھی ڈاڑھی نوچ لی

ان کو تو جانتی ہے کہ ہیں شیخوں میں ولی — کھلتی ہے ان کی جورو کی تب اس طرح کلی

پھولے نہیں بدن میں سماتے ہیں شیخ جی

جب دیکھتی ہے وہ کہ ہے برسات کی ہوا — دس بیس دن جھڑی کو ہے مینہ نہیں کھلا

آتی ہے اُن کے پاس لیے تیل اور توا — کہتی ہے یہ نہ مانیے گا آپ اب برا

ہم تمکو شیخ دوند بناتے ہیں شیخ جی

جب گنگنا کے وہ بہن کے چلے ہی لٹکتی چال — آتا ہے شیخ جی کے تئیں اس صدا پہ حال

کھا سر سے چھپنا کے ہو جاتے ہیں ٹنڈ بال — تب مار بانگی سے یہ کہتی ہے وہ چھنال

اب ہمکو اپنی جاہ جتاتے ہیں شیخ جی

اک روز شیخ جی سے کو جورو سے جا اٹے — کہنے لگی کہ تم ہو بڑوں کے مرے بڑے

اب بس ڈپھی رکھو کہیں جو کانہ گر پڑے — ڈرتا نہیں ہے مجھ سے تو اُبھر دے منہ پڑے
کہہ دوں ابھی دوا سے ستاتے ہیں شیخ جی

ایسی ہے بے ادبی خدا سے بھی جو ڈرے — اگر کے شیخ جی کے مصلے پہ ہگ بھرے
شانہ کو اُنکے ڈاڑھی کے لیے بالوں میں کسے — یا رب کہ وہ چھنال شتابی سے اب مرے
ورنہ ہمارے ہاتھ سے جاتے ہیں شیخ جی

جو روکے ہے شیخ سے لے شیخ تم سنو — کچھوے کو تم نے دی ہے دغا جیسے ہو سو ہو
میں جانتی ہوں تمکو کہ تم فیلسوف ہو — سودا زیادہ کیا کہے ہے بات گو مگو
جیسے ہیں تیسے جوتیاں کھاتے ہیں شیخ جی

کسی مولوی نے فتوی دیدیا کہ کوّا حلال ہے - سودا کو ظرافت کے لیے ایک مسالہ ہاتھ آیا فوراً ایک ہجو لکھ ڈالی - اور وہ وہ ادکھیاں سنائیں کہ آج تک دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں -

لشکر کے بیچ آج یہ قیل و قال ہے — کھانے کی چیز کھانے کا سب کو خیال ہے
یوں دخل امر و نہی میں کرنا محال ہے — جو فقہ داں ہیں سب کا یہ اُن کا خیال ہے
اک مسخرا یہ کہتا ہے کوّا حلال ہے

حامی انھوں کے قول کا ہوئے ہے چانڈال — اور دوسرے میں کیا کہوں اک اپنے مہرلیا
کچھ شک رہا ہے کوے کی حلت میں دنیاں — ہم سے جو کوئی پوچھے تو ہم بھی کہیں ہاں
اک مسخرا یہ کہتا ہے کوّا حلال ہے

یارو بسو ہو تم اسی دیر خراب میں — بیٹھا اٹھا کرو ہو سدا شیخ و شاب میں
حلت رکھے ہے زاغ کسو بھی کتاب میں — جتنی کتب ہیں فقہ کی اُن کے جواب میں
اک مسخرا یہ کہتا ہے کوا حلال ہے

بگڑا ہے آج مجتہدوں بیچ کیا نیل — ملا لطیف بولے کہ کھانا روا ہے چیل

کہتا ہے چاند خاں کہا کن نے حرام فیل — حلت پہ مینڈکی کی میانجی کی سو دلیل

اک مسخرا یہ کہتا ہے کوا حلال ہے

فدوی اک پنجابی شاعر تھے رسمی معلومات شاعرانہ بھی اچھی خاصی تھی۔ اتفاق سے اُن سے اور سودا سے کچھ بحث ہو گئی۔ سودا نے اس غریب کی اتنی ہجو کی کہ عاجز آ گیا۔ اُسنے بھی مجبوراً ایک کُند تلوار ہاتھ میں لی یعنی سودا کی ہجو میں اشعار کہے مگر نہ وہ اس زمانہ میں مشہور ہوئے اور نہ کہیں آج اُن کا پتہ ہے۔ سودا کے دیوان میں وہ ہجو بھی موجود اور محفوظ ہے۔

جہاں میں کون بناتا ہے اُلو بٹنے کا — کسی سے بن کوئی آتا ہے اُلو بٹنے کا
بہت ہی جان کھپاتا ہے اُلو بٹنے کا — بنا مجھی کو یہ آتا ہے اُلو بٹنے کا
کہ فدوی جگ میں کہاتا ہے اُلو بٹنے کا

کیا ہے خرچ بنانے میں اُسکے میں نے ہنر — نہیں ہے اصلی و نقلی میں فرق ذرہ بھر
جو اور بوم ہو سو مادہ یہ لگے ہے نر — جو راہ باٹ میں آتا ہے صبح و شام نظر
کہے ہے خلق وہ جاتا ہے اُلو بٹنے کا

میں کاریگر ہوں اُستاد یکا سب ہے ظاہر — جو کچھ کہے کوئی کرتا ہوں پیٹ کی خاطر
وہ بوم بننے میں گر نقص ہے ہو کچھ باہر — تو اُسکی شکل کروں اور جانور کی پھر
عجیب شور مچاتا ہے اُلو بٹنے کا

غرض کہ اسی طرح ایک مولوی صاحب کشمیری کی ہجو میر ملائف کی مذمت مرزا فاخر مکین کا خاکہ مولوی ندرت کشمیری کی لڑکی کی تذلیل اور تضحیک اُن کے یہاں موجود ہے جو بوجہ طوالت کے نہیں لکھی جائیں۔

اگرچہ یہ کہنا زیادتی ہے کہ ہجو بھی داخل ظرافت ہے۔ مگر اسمیں کوئی شک نہیں کہ ہجو نگار بھی تمام مسخراپن اور ٹھٹھول طعن و طنز و تشنیع کے ذرائع کام میں لاتا ہے ورنہ

اور اسی سے ایک صورت ظرافت کی پیدا ہو جاتی ہے یہی سبب ہے کہ ہم نے سودا یا دوسرے ہجوگویوں کو بھی شریک تذکرہ کیا - ورنہ ظرافت اور ہجو کا ظاہری فرق کون نہیں جانتا

سوزنی - بابا سوزنی قزوین کے رہنے والے تھے - اگرچہ ایک زبردست شاعر تھے - مگر ظرافت ہجو کی طرف طبیعت بیحد مائل تھی - چنانچہ ایک قطعہ جو ایک شخص کی ہجو میں کہا تھا یہ ہے -

اے خیرہ بے تمیز پرندق بوند و عک ۔۔۔ بے رزق و کارخ خوار و الکد و کوچ تی تیک
گہ خوار و چوں کلاغ و پیہ پے چو غراب ۔۔۔ غربلیہ گر چو صعوہ و چوں ماکیان کرک

. . . .

ہر صبح یاد گور بہ پشت قشوں قشوں ۔۔۔ ہر شام باد . . . . . . پلک پلک

سوز تخلص - سید محمد میر نام تھا - میر درد - سودا - و میر کے معاصر تھے - دلی میں ایک محلہ قراول پورہ میں مکان تھا - ان کے بزرگوں کا اصلی وطن بخارا تھا - اور ان کے والد نہایت بزرگ تھے - اور تیر اندازی کی مشق کمال کو پہونچائی تھی - میر سوز اپنے نام کے آخری حصہ کی رعایت سے میر تخلص کرتے تھے - مگر میر تقی میر کی خاطر ان کو وہ تخلص چھوڑ کر سوز اختیار کرنا پڑا - اسی بات کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا ہے -

کہتے تھے پہلے میر میر تب ہوئے نہ زار ہیف ۔۔۔ اب جو کہیں ہیں سوز سوز یعنی سدا جلا کرو

دلی کی تباہی اور بربادی کے بعد لکھنؤ چلے گئے تھے - مگر یہاں مدتوں قدر نہیں ہوئی پھر مرشد آباد چلے گئے - جب وہاں سے پھرے تو نواب آصف الدولہ ان کے شاگرد ہوئے مگر موت نے زیادہ مہلت نہ دی سنہ ۱۲۱۳ھ میں پیوند خاک ہوئے -

درویش مزاج - عالی طبع - بلند حوصلہ - نیک طینت - خوش گفتار آدمی تھے

کلام میں سادگی۔ صفائی۔ روانی کو زیادہ ملحوظ رکھتے تھے۔ اور تخیل کے مقابلہ پر بھی یہ چیز زیادہ اُن کے یہاں پائی جاتی ہے۔

وہ ظریف المزاج تھے۔ طبیعت میں مذاق۔ اور دل میں ظرافت کا جوہر۔ دماغ میں بذلہ سنجی کی ہوا موجود تھی یہی وجہ تھی کہ وہ کبھی کبھی ظریفانہ شعر لکھ جاتے ہیں۔ لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ اُن کی سادگی اتنی بڑھ جاتی ہے متانت کی حد میں نہیں رہتی۔ اور میں یہ کہتا ہوں کہ وہ بقول صاحب طبقات الشعرا ایک ظریف الطبع شخص تھے طبیعت کا رجحان ادھر تھا۔ وقت بے وقت مختارانہ۔ یا بے اختیارانہ اُن کے قلم سے ایسے اشعار نکل جاتے تھے جنھیں اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ درجۂ تہذیب یا متانت سے گرے ہوئے ہیں۔ اُن کی ظرافت دستور زمانہ کے موافق ہزلیات۔ اور فواحش کی حد تک کبھی نہیں پہونچی۔ زبان کی سادگی۔ اور انداز بیان کی شگفتگی ایک ایک حرف سے ظاہر ہوتی ہے اور اس بات کی یہاں تک اُن کے یہاں پابندی ہے کہ میں جس کو ظریفانہ کہتا ہوں اگر کوئی میرا حریف ہو تو وہ اُسی کلام کو عاشقانہ اور متین ثابت کر سکتا ہے۔

گئے گھر سے جو ہم اپنے سویرے — سلام اللہ خاں صاحب کے ڈیرے
وہاں دیکھے کئی طفل پریرو — ارے رے رے رے ارے رے رے رے ارے رے

سنتے ہی سوز کی خبر مرگ خوش ہوا — کہنے لگا کہ پنڈ تو چھوٹا بھلا ہوا

بھلا رے عشق تیری شوکت و شان — بھائی میرے تو اُڑ گئے اوسان

گیا ایک دن اُسکے کوچہ میں ناگاہ — لگا کہنے چل بھاگ رے پھر نہ آنا

دُعا دی تو لگا کہنے کہ دُر ہو — سنی میں نے دعا تیری دعا کی

کہا میں نے کہ کچھ خاطر میں ہوگا — تمھارے ساتھ جو میں نے وفا کی
گریباں میں ذرا منھ ڈال دیکھو — کہ تم نے اس وفا پر ہم سے کیا کی

تو کہتا ہے کہ بس بس چونچ بند کر   دغا لایا ہے وحشت تیری وحشا کی

کچھ کہہ تو قاصد آتا ہے وہ ماہ   الحمد للہ الحمد للہ

جھوٹے کے منھ میں آگے کہوں کیا   استغفر اللہ استغفر اللہ

یار آتا ہے ترے یار کی ایسی تیسی   آزماتا ہے ترے پیار کی ایسی تیسی

پھر اتنی بات سنتے ہی رو کر کہا کہ حیف   طوطا ہمارا مر گیا کچھ بولتا ہوا

یار گر صاحب وفا ہوتا   کیوں میاں جان کیا مزا ہوتا

چلتر سُن نیا عشّیا رکا تو   زبردستی مرا دل لے لیا ہے

چھپا مٹھی میں کہتا ہے کہ او میاں   ہمارے ہاتھ میں بوجھو تو کیا ہے

جسقدر اشعار لکھے گئے یہ انتخاب ہیں اُن انتخابوں کے جو اہل تذکرہ نے کئے ہیں مجھے افسوس ہے کہ میرے پیش نظر اُن کا دیوان نہیں ہے۔

سوزاں۔ منشی حبیب الدین نام تھا۔ خواجہ معین الدین سہارنپوری کے فرزند تھے۔ ابتدائے شباب کے ساتھ ہی دل میں حسن پرستی کا مادہ پیدا ہوا اور سوز و گداز عاشقانہ طبیعت میں جوش زن ہوگیا۔ وطن کو چھوڑا دلی میں آئے اور مرزا غالب کے شاگرد ہوئے اور مرزا مرحوم کی حیات تک دلی ہی میں رہے۔ مگر اُن کے انتقال کے بعد یہاں جی نہ لگا اور پھر وطن مالوف چلے گئے۔ اگرچہ مفلوک الحال رہے۔ مگر افلاس میں بھی زندہ دلی نہ گئی۔ وہی آن بان آخر وقت تک رہی جو اوّل میں تھی تا اینکہ سنہ ۱۸۹ء میں شمع حیات صرصر اجل کے جھونکوں سے خاموش ہوگئی۔

آپ صاحب تصنیف و تالیف ہیں چنانچہ تاریخ عجیب حالات حکماے یونان تریاق مسموم ما شیر القلوب۔ اور گنج شائگان مخزن علوم و فنون میں آپ کی تصنیف سے ہیں بعض کتب راقم تذکرہ نے بھی دیکھی ہیں خوب لکھی ہیں۔

ایک مختصر دیوان شائع ہوا تھا۔ دوسرا تیار ہے وہ شائع نہیں ہوا۔ کلام اگرچہ متین زیادہ ہے۔ مگر اسی متانت میں ظرافت بھی شامل کر دیتے تھے۔ چند شعر مل سکے جو ہدیۂ ارباب نظر کئے جاتے ہیں۔

دھو سکے تو اپنے دل کا داغ دھو — شیخ منہ کو ہر گھڑی دھوتا ہے کیا

توبہ کا ارادہ تو ہمارا بھی ہے اے شیخ — لیکن ذرا آجائے بڑھاپا ابھی کچھ اور

آنکھیں پھوٹیں ہاتھ ٹوٹیں جو شیشہ توڑا ہو — چشم عشوہ زا دیکھی ساقی نازنیں بگڑی

شکلیں پیاری سوزاں کی خبر از رہ درد — لگ گئے کہ بڑا پاپ ہے خدا خیر کرے

سر و سامان نہیں ہے مہیا ہوتے — ورنہ فرعون تو کیا اُنکے بھی بابا ہوتے

شیدا۔ مولوی محمد بخش نام تھا۔ قدما میں سے ہیں مولف تذکرہ خمخانہ جاوید نے ایک بیاض سے چند شعر لکھے ہیں۔ یہ پتہ نہیں چلا کہ کہاں کے رہنے والے تھے۔ اور کب سے تھے میں بھی عبرت اشعار نقل کرتا ہوں۔

شاہ صاحب تم دغا باز و فریبی ہم نہیں — دیکھ کر چال چلن اور بھولی آپ کی

ہم فریب باز و دغا سے کیسا کام لیا — کیا ہوا ظاہر صورت بھولی بھالی آپ کی

کام کر کے نہ تھے جو کچھ چاہئے تھے کیا — بازنگ چھائی رات دن افسون گولی آپ کی

خاص طاہر کے حلقے میں داخل ہو گئے — سیکھ لی ہم ساری باتیں اور بولی آپ کی

پھر کرم فرمایا اے شیخ جی — کل فضیحت سخت اس محفل میں ہو لی آپ کی

حرف شین معجمہ

شاہی گیلان کی رہنے والی ایک فاحشہ عورت تھی۔ شاعری کا شوق بہت زیادہ تھا۔ مگر افسوس کہ اپنے افعال کی طرح اپنے اقوال کو بھی فواحش سے علحدہ نہ رکھتی تھی حتیٰ کہ جسقدر کلام اُس کا میری نظر سے گذرا اُس میں سے ایک شعر بھی ایسا نہیں جو فحش نہ ہو اور انتخاب میں آسکے۔ لہذا صرف اسی نام پر اکتفا کرتا ہوں۔

شوخ تخلص ہے منشی حسن جعفر صاحب لکھنوی کا۔ جب میں نے جیم کی ردیف لکھی تھی اُسوقت آپ جوکر تخلص کرتے تھے لہذا وہیں آپ کا نام اور کلام لکھا گیا۔ اب چونکہ آپ شوخ تخلص کرتے ہیں اس لئے تذکرۂ یہاں نام لکھدیا گیا ہے۔

شرف - افسوس کہ مجھے آپکے نام سے اطلاع نہیں شاید رائے بریلی۔ یا بارہ بنکی کے ضلع کے رہنے والے ہیں۔ پہلے کسی ریاست میں مخبر تھے اب ہومیوپیتھک علاج کرتے ہیں اکثر لکھنؤ آتے رہتے ہیں۔ راقم الحروف کے جاننے والوں میں ہیں۔ اکثر مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں۔ کلام دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ ظرافت بھی اور عاشقانہ متین بھی۔ ظرافت میں نمک کم ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی بعض شعر نکل آتے ہیں۔ آپ کی اسوقت عمر تخمیناً ۵۰ برس کی ہوگی میں نے دو چار مرتبہ آپ سے آپکے کلام کے لئے استدعا کی۔ اور آپ نے شد و مد کے ساتھ وعدہ بھی کیا۔ مگر افسوس کہ وہ وعدہ شاعرانہ وعدہ بنکر رہ گیا۔ دو چار شعر جو ادھر اُدھر سے مل سکے وہ درج کرتا ہوں۔

ساغر لئے ہوئے کبھی مینا لئے ہوئے　　　آتا ہے روز ایک تماشا لئے ہوئے

آئے ہیں آج غیر کو لیکر وہ میرے گھر — سامانِ انبساط ادھورا لئے ہوئے

شاکی سید اکبر حسین نام ہے۔ ضلع الٰہ آباد کے رہنے والے ہیں۔ مدتوں سے بسلسلہ ملازمت لکھنؤ میں قیام ہے پہلے اودھ اخبار میں مترجم تھے۔ اب حقیقت اخبار میں کام کرتے ہیں۔ آپ شیعی المذہب ہیں مگر نہایت بے تعصب اور نیک آدمی ہیں۔ فارسی قابلیت بھی کافی ہے۔ اور سخنگوئی کی مشق اپنے درجہ کمال کو پہونچ چکی ہے ظرافت اور عاشقانہ دونوں رنگوں میں طبع آزمائی فرماتے ہیں اور دونوں میں خوب خوب شعر کہتے ہیں۔ ظرافت میں اکبر الٰہ آبادی مرحوم کا اتباع کرتے ہیں۔ راقم الحروف کے شناسا ہیں۔ کلام عنایت فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ مگر شاید عدیم الفرصتی کی وجہ سے ایفا نہ فرما سکے۔ چونکہ اخبارات میں آپ کا ظریفانہ کلام اکثر شائع ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے دو ایک شعر نمونتاً اخبار حقیقت سے نقل کرتا ہوں۔ شاکی صاحب ایک پرگو شاعر ہیں۔ اسوقت عمر تخمیناً پچاس برس کی ہوگی۔

ہے تو اچھا قوم کی خدمت گوارا کیجئے — اپنے قومی درد کا دنیا میں چرچا کیجئے
قوم کے جلسوں میں جا کر کیجئے تقریر خوب — پر اثر مضمون اخباروں میں چھاپا کیجئے
اس سے جب فرصت ملے حل کیجئے قومی امور — یا کوئی اسکیم چندہ کی مہیا کیجئے
ہاں مگر ہرگز نہیں ہے آپ شرط لیڈری — قوم کا بڑھتا ہوا افلاس دیکھا کیجئے
ہنسنے مانا ہو گئے ہیں آپ بھی ناصحِ قوم — اس ہماری مفلسی کا تو مداوا کیجئے
یہ نہیں ممکن تو شاکی ہے یہ سب بیکار غم — اس سے تو بہتر ہے گھر میں بیٹھے رویا کیجئے

لالہ انگریزی میں جب فائق ہوئے — مغربی تہذیب کے شائق ہوئے
باپ کو کہنے لگے مائی ڈیر — واہ کیا لائق یہ نالائق ہوئے

شیخ نے بکہ کیا لالانے بیچا تیل گڑ   وہ پھرے دردر تو یہ کہتے ہے بنا تیل
چھ مہینے بھی نہ گذرے تھے کہ چھٹی بتائی   ان کا بکہ بک گیا اور لے لیا لالہ نے مول

شمشاد - شاید غلام پنجتن نام ہے اٹاوہ کے رہنے والے ہیں۔ ظرافت گوئی کا شوق ہے مگر ظرافت ہزل اور فواحش کے درجہ پر پہونچ جاتی ہے حتی کہ مجھے جسقدر کلام آپ کا ملا اس میں ایک شعر بھی ایسا نہیں تھا جو غیر مہذب الفاظ سے خالی ہو۔ مجبوراً نام پر اکتفا کی۔

شوق حافظ غلام رسول نام تھا۔ دلی کے رہنے والے تھے۔ ویسے ہی شعر کہتے تھے جیسے پہلے لوگ کہا کرتے تھے یعنی غزل میں آدھے شعر عاشقانہ اور آدھے ایسے کہ جنھیں دیکھکر آج سامان تفریح مہیا ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ظرافت کی طرف مائل ہو۔ قلعہ سے کچھ تنخواہ مقرر تھی محلے کے شوقین نوجوان لڑکے اصلاح بھی لیتے تھے۔ اور کچھ لے دے کر غزلیں کہلوا لیا کرتے تھے۔ ذوق مرحوم کو انھیں کے یہاں سے شعر سن سن کر بچپن میں شاعری کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ شاہ نصیر وغیرہ کے معاصر تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مزا انگور کا ہے رنگترے میں   عسل زنبور کا ہے رنگترے میں
ہیں اشعار ہلالی اس کی پھانکیں   یہ مضمون دور کا ہے رنگترے میں
نہیں ہے اسکی پھانکوں میں یہ زیرا   یہ لشکر مور کا ہے رنگترے میں
ہے گلگون مجسم یا بھرا خوں   کسی مہجور کا ہے رنگترے میں
مزاج اب جسکا صفراوی ہے اے شوق   دل اس رنجور کا ہے رنگترے میں

کر کے مژگاں چشم ستمگر آ کے جگر میں کھوپ لگی   آہ کہ ہمدم سا کٹرا دھرتے جھٹکا
وعدہ کیا تھا شام کا مجھسے شوق جنھوں نے کل دن کو   آج وہ آئے پاس مرے

فاقہ مست عدمے بد ایسا ہی چھچھوٹا کار جاتا ہے ۔۔۔ نانی جس کی آئی چھٹی میں
شیخ بگھارے اپنی شیخی مفت کے لقمے کھاتا ہے ۔۔۔ دودھ ملیدا

شوکت۔ مجدد السنۂ مشرقیہ مولانا احمد حسن میرٹھی مرحوم کا تخلص ہے آپ کی قابلیت اور معلومات مسلم تھی۔ اور ملک کے نہایت موقر شعرا اور اہل قلم میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ عربی و فارسی میں فاضل بے بدل اور عالم بے مثل تھے۔ مدتوں تک ملک کے ظریفانہ اخبار طوطی ہند میرٹھ کے ایڈیٹر رہے۔ جس میں سیکڑوں مضمون ظریفانہ آپ کے قلم سے نکلے اور ملک میں مشہور ہوئے۔ غالب۔ مومن۔ خاقانی وغیرہ کے مشکل کلام کی شرح کی طرف پہلے آپ ہی نے توجہ منعطف فرمائی تھی۔ آپ کا عاشقانہ متصوفانہ ہر رنگ کا کلام موجود ہے اسی کے ساتھ ظرافت میں بھی آپ کو ید طولی حاصل تھا۔ اور اس میں بھی آپ نے وہ گلکاریاں کی ہیں جو قابل دید ہیں۔ بھاشا کی معلومات بھی نہایت کافی تھی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

پادری تثلیث پر ناحق ہیں غش ۔۔۔ تین میں سے دو نہیں ہیں کام کے

شہدا۔ دلی کا رہنے والا تھا۔ احسان کا شاگرد تھا زیادہ حال معلوم نہیں ہوا چند شعر مل گئے۔ وہی درج کرتا ہوں۔

کیا ہی عاشق ہے بت طناز پہ سانڈ ۔۔۔ دوڑتا صاف چلا آتا ہے آواز پہ سانڈ
ناقہ اونٹوں کی ترے سامنے کچھ قدر نہیں ۔۔۔ کیا کوئی چاہئے عاشق ترے انداز پہ سانڈ

لے گیا دل کو بغل میں داب کر ۔۔۔ بے وفا ڈاکو نہیں ہے چور ہے

ننگا ہی کرو دفن مجھے اپنی گلی میں ۔۔۔ ایسا نہ ہو لیجائے کفن کوئی کفن چور
میں غم سے گھلا جب تو وہ غیر نے ہیلا ۔۔۔ کیا دیکھتے ہو اسکو کہ ہے اسکا بدن چور
اپنے دل محزوں کو میں کس کس سے بچاؤں ۔۔۔ ظالم کی نظر چور کمر چور دہن چور

میاں مجھکو ستانا پر ذرا یہ بھی سمجھ لینا ۔۔۔ جو تو عیار ہے بیرحم ہر تو میں بھی شہد الہو

شہباز۔ اسم گرامی مولوی عبد الغفور تھا۔ اورنگ آباد کے کسی کالج میں پروفیسر تھے۔ اردو کے بڑے زبردست نثار اور زباں دان تھے۔ آپ نے نظیر اکبر آبادی کے کلام پر نظر ثانی کر کے اس کو ترتیب دیا۔ وہ مجموعہ نولکشور پریس میں نہایت بہتر حالت میں چھپا تھا۔ اس کے ساتھ ہی نظیر اکبر آبادی کی سوانح عمری کا ۱۸۹۲ء میں ترتیب دی۔ آپ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ مجھے نظیر کے کلام سے عشق تھا۔ اس کا ثبوت اس سوانح عمری سے ملتا ہے۔ میں نے جتنی مرتبہ یہ کتاب دیکھی عبارت میں ایک نیا لطف آیا عقیدتمند لوگوں کا قول ہے کہ آبحیات مولوی محمد حسین آزاد کی عبارت بے مثل ہے۔ اس میں شک نہیں مگر شہباز کی عبارت سے اس کو کوئی نسبت نہیں اس میں اُن کی زباندانی اور شیوا بیانی نے حرف حرف میں موتی جڑ دیئے ہیں۔ دلکش عنوان انوکھا طرز بیان نور علی نور ہے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ اگرچہ اُن کو نظیر کے حالات کما حقہٗ نہیں سکے ہیں پھر بھی انھوں نے ان کے کلام سے مدد لیکر سوانح عمری کو مکمل کر دیا ہے اور اسقدر صحیح استدلال کیا ہے کہ بلا تشبیہ وہ مولوی محمد حسین آزاد کی غلط بیانیوں سے بڑھ گیا ہے۔ ہر حالت کا ایک منظر دکھا دیا ہے۔ اور کتاب کو آئینہ حالات نظیر بنا دیا ہے۔ زباندانی کا یہ کمال ہے کہ ایک ایک حرف کے متعدد مرادفات۔ ایک ایک جنس کی مختلف انواع اور نام۔ اگر دیکھا جائے۔ اور انصاف سے کام لیا جاسے۔ تو اُن مدعیان بے خبر کے لئے جو زبان کے بارہ میں شب و روز انا و لا غیری کا وظیفہ رٹا کرتے ہیں یہ ایک تازیانہ عبرت ہے۔

مولانا شہباز ظرافت کے مرد میداں تھے۔ اکبر کے رنگ میں اودھ پنچ سابق میں اُنکی وہ وہ نظمیں چھپی ہیں جن میں بہت کچھ اکبر کا رنگ موجود ہے۔ میں کچھ اشعار نقل کرتا ہوں۔ مولانا شہباز آخر عمر میں کلکتہ میں رہتے تھے۔ اور نواب سید محمد خاں آزاد کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ عرصہ ہوا کہ انتقال ہو گیا۔

تہذیبِ قیس

لیلیٰ کے کہنے سننے سے آخر کو قیس نے | لکھوایا نام نجد کے انگلش سکول میں
اے بی کے بعد پڑھنے لگا ایسی ریڈریں | تعلیم خوش معاشی ہے جن کے اصول میں
نپٹا ماسٹر میں دیکھتا تھا انبساط کو | پاتا تھا انقباض فعولن فعول میں
از بر تھے یوکلڈ کے تھیورم پر ابلم | اقلیم حافظہ تھی گرامر کے رول میں
تھا تکیۂ کلام کی صورت زبان پر | کیا جانے کیا مزا تھا بھرا ڈیم فول میں
القصہ انٹرنس ہوا پھر ہوا ایف اے | بی اے ایم اے کے پاس بھی آئے حصول میں
ہمت بڑھی کہ کیجیے بیرسٹری بھی پاس | رہکر عرب میں وحشیوں کے ہول شمول میں
لندن گیا تو اوک میں پانی لگا مزا | حاصل تھا وہ جو نجد کے بن کی ببول میں
آئی نظر جو اوک کی کرسی پہ ایک مس | کھٹمل کی طرح عشق گھسا دل کی چول میں
بال اسکے سر پہ صاف شعاعیں تھیں مہر کی | ریشم کو جو شمار کریں جنس اول میں
گردن شکست دیتی تھی ظبی الفلاۃ کو | قامت دبا کے سرو کو ابھرا تھا طول میں
پھل سیب نے لگائے تھے قامت کی شاخ میں | رنگت بھری تھی روز ازل عارض کے پھول میں
دیکھا جو یہ بجا نہ رہے قیس کے حواس | لگتی نہیں ہے دیر بلا کے نزول میں
مجنوں کو دوسن کہ جلد یوں نہ سکی وصال | میری پڑی تذبذب رد و قبول میں
میری کے کورٹ شپ کا بڑھا تازہ ذوق شوق | لیلیٰ کا عشق کہنہ ملا خاک دھول میں
شہباز ہے کلام کا اکبر کے یہ جواب | لیکن بڑا ہے فرق فروع و اصول میں

قانون قسمت

پوچھو نہ ہم سے اپنی قسمت | دور کیوں ہم سے گنج مطلب ہیں
[illegible] | کالی رنگت سے گرہ ہیں شب میں

شب ہی کو ہے سدا چمکتا چاند — شب ہی کو جگمگاتے کوکب ہیں
کالی رنگت سے تل ہیں نقطۂ زیب — جن سے روئے بتاں مزیب ہیں
کالی رنگت سے گیسوئے جاناں — لیلۃ القدر سے مخاطب ہیں
کالی رنگت سے ابروئے خمدار — تیغ و خنجر ہیں جفت عقرب ہیں
کالی رنگت سے پتلیاں دونو — چشم کے آسمان پہ کوکب ہیں
رنگ کے زیب سے مسی کاجل — راحت چشم و زینت لب ہیں
کسطرح دیں جگہ نہ آنکھوں میں — فائدے کحل کے مجرب ہیں
زیب دیتا ہے تن پہ کالا سوٹ — متفق اسپہ کل مہذب ہیں
حجر اسود کے منہ ہی بوسے — بوسۂ لعل سے بھی اعذب ہیں
پاک کعبے کے کالے کالے غلاف — سرمۂ چشم دین و مذہب ہیں
گوری رنگت ہے گر سبب اسکا — ہم ہیں بھی کالے کم نہیں سب ہیں
رنگ ابیض سدا نہیں مطبوع — ورنہ کیوں داڑھیاں مخضب ہیں
ڈرتے ہیں داغ برص سے یوں لوگ — جیسے برص کے معذب ہیں
شکل ہے سنکھیا شکر کی ایک — جتنے ابیض ہیں کب سب اعذب ہیں
فرض کریں سفید کو گر دن — دن بھی خالی کسوف سے کب ہیں
پتلیاں گر سپید ہو جا نہیں — ہر قدم پر مذبذب ہیں
رشتہ مندوں میں خول اگر ہو سفید — لاکھ اقرب ہوں پھر بھی عقرب ہیں
رنگ نقرہ پڑا ہے گھوڑ چڑھیں — اسپ شاہد صفات مرکب ہیں
اجلے سے ہے سہاگنیں بیزار — کیونکہ رنگیں سہاگنیں سب ہیں
سچ بتا انپہ کیوں تو رنجھی ہے — ہے نظر سے ترے یہ کیوں اچھے ہیں
بولی قسمت فضول ہے تقریر — ایسی باتیں نظر میں کب ہیں

کالے گورے پہ کچھ نہیں موقوف ‎ ‎ دل کے آنے کے اور ہی ڈھب ہیں

معذرتِ انگریزی

ایک مرغے نے یہ مرغی سے کہا ‎ ‎ لوٹتی ہے خاک پر کیوں بے تمیز
ہنسکے مرغی نے دیا اس کو جواب ‎ ‎ جسم پر ملتی ہوں پوڈر اے عزیز
بولا مرغا ہے یہ پوڈر کیا بلا ‎ ‎ بولی مرغی ہے یہ اک فیشن کی چیز
پوچھا مرغے نے کہ ہے فیشن یہ کیا ‎ ‎ بولی مرغی بچہ کمفرٹ وائز
ڈانٹا مرغے نے کہ انگریزی نہ بول ‎ ‎ بولی مرغی مرغی تیرے سر میں ہے ڈیڈ
مرغا جھنجھلایا کہ پھر پھر پھر وہی ‎ ‎ مرغی بولی چپ کبھی رہ لے بد تمیز
وہ زباں جو ہر زبانوں کی کوئن ‎ ‎ بولی وہ ہے جسکی ہر بولی کنیز
چھوٹ سکتی ہے چھڑائے سے کہیں ‎ ‎ جبتلک ہے کوٹ پتلون اور قمیز
حبذا شہباز کا حسن کلام ‎ ‎ مرحبا باغ فصاحت کی بریز

پادری ولیم نے احمد سے کہا ‎ ‎ لو پڑھو انجیل سے سیکھو تمیز
بولا احمد اس کی اب حاجت نہیں ‎ ‎ پڑھ چکا ہوں میں تو صاحب سٹریز

حرف صاد

صاحبقران تخلص امام علی نام تھا۔ باپ کا نام سید غلام حسین رضوی تھا
بلگرام ضلع ہردوئی کے رہنے والے تھے۔ جرأت اور انشاء کے معاصر تھے۔ ریختی۔ ہزل
ظرافت۔ ان کے کلام میں سب موجود ہیں۔ مگر افسوس کہ اعتدال کو مدنظر نہیں رکھتے تھے
بلکہ اکثر جگہ کلام فحش کے درجہ تک پہونچ گیا ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ مولف تذکرہ گلشن
بے خار نے ان کا ذکر لکھتے ہوئے لکھا ہے۔ "شرم و حجاب از دلش بمراحل دور۔ و
طبعش از آداب و اخلاق مہجور۔ ہرچند داب جامع ایں اوراق نیست کہ عیاذاً باللہ
کسے را بہ بدی نام برد۔ اما در خصوص اینکہ نظر بفحش و ہزلش خلاف عنوان ناخواست
حرفے چند از نوک خامہ بر صفحۂ نامہ ثبت گردید۔" صاحبقراں کے یہاں مضامین دلکش
کی کمی نہیں۔ مگر فواحشات نے اسطرح ان کے کلام کے حصوں کو گھیر رکھا ہے جسطرح
کہ گلاب کے پھول کو کانٹے گھیر لیتے ہیں۔ گلچیں کی دسترس نہیں ہوتی کہ بے باکانہ انکی
طرف ہاتھ بڑھاسکے۔ دیوان ان کا غیر مطبوعہ نہایت تلاش سے کہیں کہیں ملجاتا ہے
چنانچہ میں نے سخت محنت اور تلاش کے بعد اُن کا دیوان تلاش کرکے نہایت محنت
سے چند اشعار منتخب کئے۔ جو درج کرتا ہوں۔

کملو یہ لگی کہنے مری دیکھ کے حالت — شہوت سے نہ کر چاک گریبان ادھر آ
دیکر عرق مکوہ کا پادا بدل لیا — صندل کا ریت دیکے براداِ بدل لیا
یہ روز چال سیکھی ہے کملو نے انڈنوں — بازی جو دیکھی مات سپادا بدل لیا

صاحبقراں وہ لعل سا دل تنگ سا رخ ہے ... کملو نے جان کر مجھے سادا بدل لیا
سنا جو چکلے میں کہتی تھی ہر جو انسے پیر ... زمانہ جا ہا کیا جب تلک سجال رہا
رات روشن سے اندھیر بیں کوئی کچھ کر گیا ... اسنائی گری کو سنکر بیں ہنسی سے مر گیا
دمبدم لڑتی ہے کشتی مجھسے جو خم ٹھونک کر ... یہ کچھ والا کیا کوئی تعلیم تجھکو کر گیا
چھپکے جو کرتی تھی اسکو برملا کرنے لگی ... خوش ہوے مہتاب جب اس کا ہے شوہر گیا
میں تو چکلے میں ڈر گیا جاکر ... کوئی ماکو بنی کوئی بچا
آج صاحبقراں کی آمد ہے ... چوکیوں پر بچھاؤ غالیچا
جہاں آیا کوئی مفلس کے گھر میں ملتجی ہوکر ... ہزاروں بار رکھوا تلہے پانی پائنخانے میں
وہ موٹا سا لالا جو بھینس پہ بھوری کے بیاہ میں ... غیرت سے بیل ڈوبتے پھرتے ہیں جا ہیں
جو بن کو نورتن کے یار و شتاب لوٹو ... آئی ہے حج پہ کرکے دوڑو ثواب لوٹو
سنتے ہیں میکدے سے نورن چلی ہے حج کو ... اب تو سوچو ہے کہا کے بلی چلی ہے حج کو
چتون غضب ہے ننھی کی ہے بے مثال آنکھ ... چھوٹے سے سن میں اسکی بڑی ہے چھنال آنکھ
کملو مجلس سے کوئی ٹلتی ہے ... میری چھاتی پہ مونگ دلتی ہے
زاہد نے کرتہ نیلا رنگا یا بسنت میں ... جو روسے ہیں کیا انھیں پر البنت میں
ایک میں کڑھتا ہوں اپنے یار جانی کیلئے ... ورنہ سب روتے ہیں خالہ اور نانی کے لئے
پہ وڑوں میں اوقات کٹتی ہے اپنی ... کبھی توپ اور توپ خانا نہ جانا
جو پوچھا کہ صاحبقراں سے ہے واقف ... تو بولی کہ ایسے کو جانا نہ جانا
کانوں کی اپنے بالی اور میری بھولی بھالی ... ہاتھوں سے کیوں چھپالی او میری بھولی بھالی
باریک سا دوپٹہ لازم ہے گرمیوں میں ... اوڑھا نہ کر نہالی او میری بھولی بھالی
منھ سے بڑا نوالہ کلہ کو پھاڑتا ہے ... باتیں نہ کر رزالی او میری بھولی بھالی
جس میں کہ چاہ سے تو کھاتی ہو وال خشکا ... ٹھوری سے ہے پیالی او میری بھولی بھالی

جو دیکھتا ہے سر کو پتھر سے مارتا ہے — ہونٹوں کی تیرے لالی او میری بھولی بھالی
صاحبقراں کی خاطر لازم ہے ہمنے مانا — راون کی ہو تو سالی او میری بھولی بھالی

نہیں لگتی جو مفلسوں کے ہاتھ — سخت وہ قحبہ مالزادی ہے
وہ نہ کیونکر چلے غرور کی چال — بھڑوا شیطان جسکا ہادی ہے
اس کو پالا ہے اک زمانے نے — نہ کوئی دادا ہے نہ دادی ہے

گر اسی کا نام گرمی ہے تو ہم ٹھنڈے ہوئے — دمبدم گالی ہے اور بیزار اٹھتے بیٹھتے
وہ ہاتھ میرے آئے احسان آپکا کیا — پکا جو بیل یار کوے کے باپ کا کیا
چکلا جسے کہتے ہیں اندر کا اکھاڑا ہے — پریوں پہ نہ عاشق ہو جائے گا دیوانہ
میں نے صاحبقراں پوچھا کہ تمہیں بوسہ پر — کس کے بوسہ کا نشاں ہے ہاں کہا تجھکو کیا
بے خزاں حسن کا گلزار نہیں رہنے کا — یہ سدا غنچے اور بہار نہیں رہنے کا
رات کہتی تھی گنا بخشی سے — دل ہے صاحبقران میں میرا
وہ سادگی تری نہ رہی اب نکہ غرور — چینی کی تشتری ہے تری بال آگیا
مجھے بھاتا ہے جنگجو کا نشہ میں — بہکنا لڑکھڑانا اور مٹکنا
رنگ غصہ سے ہو گیا نیلا — دیکھ نورن کا مکر اور حیلا
اسکی کھٹی کو پکڑ میں نہ ٹلا بیٹھ گیا — چیخی اسطرح وہ چرخ کہ گلا بیٹھ گیا
کل ہنستے ہنستے اسکے دامن پہ رنگ ڈالا — مطلب نکال لیتے ہیں ہم باتوں بات اپنا
قدر کر چاہنے والوں کی اری سنتی ہے — جب گیا حسن دوبارہ نہیں پھر آئیگا
چھاتی پہ اسکی جب سے ہاتھ اپنا جا پڑا ہے — دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدا را
مجھے برفی سوا بھاتا نہیں کچھ — پڑا ہے جب سے ان میٹھوں سے پالا

آگئے لونڈوں کے سبب سینہ مرا چاک ہوا — رنج رنڈی سے لگا ملنے تو سوزاک ہوا

جفت ہونے کا اپنے طاق رہا — نفس شوم اپنا طاق رہا

جونکوں کی طرح لہو پیا کرتی ہو دن رات — مسجد لال ترا کیوں نہوا بیجال شجیا کا

کہا جو میں نے کہ سنتی ہو کہیں گھر میں چل — وہ ہنسکے بولی چھی منہ ہوا ہو انہوا

اگر ہاتھ آئے کبھی ننھی سی چوہیا — میرا کیلا کب کھائے ننھی سی چوہیا

منگا دوں چھچھوندرا سے چھیڑنے کو — الہیا اگر کاٹے ننھی سی چوہیا

اچھل کر رکابی سے لیجائے بوٹی — جو کھانے کی بو پائے ننھی سی چوہیا

نقد دل اپنا لگے مانگنے عاشق سارے — قدر جاتی رہی جسوقت والا نکلا

رستم کی اگرچہ ہو نواسی — جب وقت پڑے تو دغا کیا

کسبی کتنے ایک سے ہیں ہم تم — کیا غیر وہاں اور آشنا کیا

شیخ جی بھول کے جو بیٹھ گئے غایط کو — جب فراغت ہوئی کہنے لگے ہاں ہاں لوٹا

ترا دشمن کڑک مرغی کی مانند — رہے تاپے میں غم کے تا قیامت

ہاتھ میں نے نہ لگایا تھا اسے خطرے سے — دھر دیا اسنے زبردستی پکڑ ہاتھ پہ ہاتھ

مت مجھکو بہکانا آج — صدقے جاؤں آنا آج

تجھکو میری قدر نہیں — اتنا میں نے جانا آج

گدھے کو اپنے دھوبن ہانکتی جاتی ہے ٹخ ٹخ — وہاں سے لاد کر کپڑوں کو پھر آتی ہے ٹخ ٹخ

نہ دھرمٹ ہے نہ پٹہ ہے کھرا ہے نہ ٹھری ہے — کہیں جو سست ہوتی ہے تو پھر گاتی ہے ٹخ ٹخ

اب تو صاحبقراں لڑایا کر — گھوڑے سے گھوڑا سانڈ سے سانڈ

گو زہے یا کہ ہو صاحبقراں آدمی آئی — ایک چسکی میں اڑاتے ہیں وہ ٹھٹے پتھر

عیاں الفت نہ ہو شیریں لبوں کی — میاں بہتر ہے کھانا گڑ چھپا کر

کہیں صاحبقراں تو عقد کر لے — نہیں رہنے کی بے شوہر آپا گھر

بیوفاؤں کے نام پر پاپوش اُن کے اخلاق خام پر پاپوش
آشنا رسوا کیا محبت نے آشنائی کے نام پر پاپوش
کہا کملو نے کچ بگڑ کا کے اپنی جو الو بچتی ہوں بیل لو بیل
خرگوش تیرا ہوش میں بندے سے کم نہیں ہر خانہ زاد تیرا مچھندر سے کم نہیں
گو سوکھ سا کہ ظالم اچور ہو گئی ہے لیکن ہوئے نہ اب تک یار رو کے دانت کھٹے
دیکھو بھوری یہ موہا عاشق ہے پدمنی بھینس جو با عاشق ہے
مرد کب چھوڑتے ہیں رنڈی کو گھوڑی کیسی ہو گھوڑا عاشق ہے
روز لاتا ہے ماش کی پوری کیا کروں میں یہ وڑا عاشق ہے
رات سنگی دیکھکر میری طرف کہنے لگی اس نگوڑی کی تو کچھ صورت ہے پہچانی ہوئی
تھا یہی کافر کہ کل جسنے ستایا تھا مجھے خوش ہوئی بس آج میں اسکی مسلمانی ہوئی
میکہ کے رہنے والوں سے نہ بولا کیجئے میکہ میں آ پہر افسون گھولا کیجئے
بند ہو جریان کب امساک سے سیل رک سکتی نہیں خاشاک سے
گھورتا عینک سے ہے صاحبقراں کب اٹھائے ہاتھ اپنی ناک سے
صاحبقراں سے مغلو کہتی تھی نہ خفا ہو ہرگز نہیں ہیں لائق تیرے چھوڑنے کے
میں جانتی تو بوسہ تجھکو نہ دیتی ہرگز یہ تیز دانت تیرے قابل ہیں توڑنے کے
کہا صاحبقراں لورن سے میں نے ہماری کیجیو تو عیب پوشی
خفا ہو کر لگی کہنے کہ چپ رہ جواب جاہلاں باشد خموشی
صاحبقراں کل گئے تھے چکلے ناگاہ لیکن نہ کسی پہ ڈالی شہوت کی نگاہ
پر جب ہوا احتلام بولے حضرت لاحول ولا قوۃ الا باللہ

صاحبقراں اپنی اوسط عمر میں لکھنؤ آ گئے تھے اور یہاں نواب آصف الدولہ مرزا سلیمان شکوہ وغیرہ کی سرکاروں میں ملازم رہے اور تا حین حیات زندگی بفراغت

گزاری۔ جس کا جابجا اُن کے کلام سے پتہ چلتا ہے۔ وہ ایک مرنجاں مرنج ہنسوڑ رنگیلے مزاج کے آدمی تھے اُن کے قال سے اُن کے حال کو کوئی نسبت قریبی نہیں تھی۔

صفدر۔ آپ نے اپنے نام کے جزو اول کو تخلص قرار دیا ہے۔ مرزا پور آپ کا مولد و مسکن تھا۔ مگر بہت عرصہ سے لکھنؤ میں قیام ہے۔ اور یہیں شادی بھی کرلی ہے آپ ایک نیک مزاج بھولے مگر نہایت کہنہ مشق اور زود گو شاعر ہیں۔ بہت سے معرکوں میں آپ نے نہایت عمدہ عمدہ شعر کہے ہیں۔ اور حریفوں کو تاب مقابلہ سے عاجز کردیا ہے۔ متین مہذب نیک دل ہیں معلومات شاعرانہ بقدر ضرورت کافی ہے۔ تین چار کتابیں مشاطۂ سخن۔ مرقع ادب وغیرہ آپ کی تالیفات سے ہیں جو نہایت مقبول ہیں ہر صنف سخن میں کلام موجود ہے۔ آپ کے معاصر آپ کی طبیعت خداداد سے ہمیشہ آپ سے چلتے رہتے ہیں۔ مگر اس سے کچھ ہو نہیں سکتا آپ کی مشق سخن گوئی کو تقویت پہونچتی ہے۔ اگرچہ آپ کا کلام قدیم رنگ میں بہت زیادہ ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ بجائے خود ایک چیز ہے۔ اور اگرچہ یہ دعوی دور از کار ہے کہ ہمیشہ ہر مشاعرہ میں آپ ہی کی غزل اچھی رہتی ہے یہ غلط اور بیکار ہے۔ مگر تاہم اکثر شعر اچھے ہوتے ہیں۔ منشی امیر احمد مرحوم کے شاگرد تھے اُن کے انتقال کے بعد جلیل صاحب اور ریاض صاحب خیرآبادی سے اصلاح لی۔ اور اب بھی اکثر اپنی غزلیں ریاض صاحب کو دکھاتے ہیں راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں کبھی کبھی مکان پر تشریف لاتے ہیں۔ ظرافت مستقلاً آپ کے کلام میں نہیں ہوتی مگر کبھی کبھی تفنن طبع کے طور پر کچھ نہ کچھ فرماتے ہیں۔ نمونتاً چند شعر حاضر ہیں جو انھوں نے میرے اصرار پر خود عنایت فرمائے تھے۔

کوئی عاشق نہیں ملتا پریشاں حسن والے ہیں
جناب عشق بھی اب لب پہ یا بد بنا سنبھالے ہیں

خدائی بھر سے نخرے زالِ دنیا کے نرالے ہیں
یہ وہ شہ سیاہ ہے جس پہ ہیں لاکھوں فدا والے ہیں

ابے او پیر گردوں غیر کے ارمان نکالے ہیں
ہمیں چکر میں رکھتا ہے ہمیں سے ٹالے ٹالے ہیں

جو کھڑکی سے تمھاری ونٹاسی گردن نکالے ہیں
یہی لیلےٰ کے بھائی ہیں یہی مجنوں کے سالے ہیں

بندر بھبکی دکھائینگے رقیب رو سیہ ہم کو
سنا ہے آجکل تمنے نئے بندر یہ پالے ہیں

تماشہ ہے کہ مٹی ہونے پہ بھی ہے چاٹ ہونکی
میاں مجنوں زباں جیسی نکالے تھے نکالے ہیں

خم ابرو کسی کا دیکھ کر یہ بو میاں بولے
ہجاڑوں موڑ اس ہنسیا سے تونے کاٹ ڈالے ہیں

سمجھ کر مٹی کا ہوا مرا دل توڑ ڈالا ہے
بڑے ہی ننھے منے ہیں بڑے ہی بھولے بھالے ہیں

خدا رکھے طویل المرتبہ قاروں سے بھی یہ ہیں
جو تہمد باندھتے ہیں اور لمبی داڑھی والے ہیں

کوئی دھنیا جو ملجاتا تو گل تکیہ میں بنواتا
تمھارے گال کیا ہیں جانمن روئی کے گالے ہیں

کہاں بے موسم گل دھجیاں اُڑتی تھیں دامن کی
کہاں اب کی بہار آتی ہیں اور وحشت کے لالے ہیں

تمھاری ناک بے طرح اب چھتی لگاتی ہے
بلا سے بیٹھ رہتے ہیں ہاتھ تو گردن میں ڈالے ہیں

ثقاہت یہ مگر وعدہ کوئی سچا نہیں کرتے
جناب شیخ بھی شاید گیا کے رہنے والے ہیں

گل عارض لئے بیٹھے ہیں بازار محبت میں
کروں کس کس کا میں سودا ہزاروں تولنے والے ہیں

بھلا دو چار خم میں حضرت صفدر کا کیا ہوگا
پلائے جا انھیں ساقی اگر دہشت پینے والے ہیں

شب فرقت عدو سے جان سر بستر نکلتے ہیں
لہو پینے کو کھٹمل کاٹنے مچھر نکلتے ہیں

خدا محفوظ رکھے زال دنیا کی محبت سے
اسی بڑھیا کے مارے نوجواں اکثر نکلتے ہیں

کیا ہے بند ارمانوں کو اپنے دل کی کوٹھڑی میں
تمھیں آکر نکالو یہ کبھوں تو کیونکر نکلتے ہیں

ملے جس دن مجھے وہ چاند گنجی کر کے چھوڑونگا
گلی سے آپکی اخبار کیوں ہو کر نکلتے ہیں

دیار عشق میں اے رشک لیلیٰ ہو نہ دیوانہ
میاں مجنوں بھی لیکر ہاتھ میں پتھر نکلتے ہیں

زمانہ دیکھتا ہے ہم گرے جاتے ہیں غیرت سے
جو تھے پردہ نشیں وہ ہانکتے موٹر نکلتے ہیں

نچاتے ہیں حسیں عشاق کو زلفوں پہ بل دیکر
انھیں کے گھر سے انساں بن کے گھن چکر نکلتے ہیں

بچائیں اپنے اپنے جھونپڑے کہدو رقیبوں سے
مرے پرسوز نالے پھونکتے چھپر نکلتے ہیں

بھلا فیشن کا ہو پردہ نشینوں کا یہ عالم ہے ۔۔۔ سر بازار سینہ کھول کر تنکر نکلتے ہیں

یہ چپٹ سالے کی کہتی ہے اک کمسن کی بادِ تخیٔ ۔۔۔ پری بننے کو ہیں نام خدا اب پر نکلتے ہیں

رپٹ تھانے میں لکھی ہے تلاشی ہے رقیبوں کی ۔۔۔ گلی میں شہ چھڑا[1] کے آپ کے زیور نکلتے ہیں

جناب شیخ اس پیرانہ سالی پر بھی اے صفدر

بتوں کے گھورنے کو دیر سے اکثر نکلتے ہیں

[1] شاہ چھڑا کی گلی لکھنؤ میں ایک محلہ ہے ۱۲

ضاحک تخلص ہے مولانا میر غلام حسین کا جو میر حسن صاحب مثنوی سحر البیان کے والد اور میر انیس مرحوم کے پردادا تھے۔ علم عربی و فارسی کے فاضل تھے ناظم و ناثر نہایت اچھے تھے۔ درویش مزاج نیک خو توکل پیشہ شیعی المذہب بزرگ تھے۔ دنیا کے تعلقات قطع کر کے تیس پینتیس برس تک آزادانہ زندگی بسر کی۔ موسیقی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کا شوق بدرجہ اتم تھا اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے۔ مگر ناقدردان زمانہ کے رنگ اور کس مپرسی نے دل توڑ دیا تھا۔ اسی وجہ سے قدیم رنگ عاشقانہ کو ترک کر دیا تھا۔ اور ہزل گوئی اپنا شعار بنا لیا تھا مگر اسمیں بھی زبان عجیب و غریب ایجاد کی تھی میر حسن مرحوم نے لکھا ہے کہ وہ زبان ہے جو آدم سے لیکر اب تک کسی متنفس نے استعمال نہیں کی۔ مولوی ساجد کی ہجویں اور مرزا رفیع سودا کی ہجویں ایسی ایسی کہیں جسے اہل زمانہ سنکر پھڑک پھڑک گئے مگر افسوس کہ اُن کا کلام ضائع ہو گیا۔ اور اب کہیں سے بھی نہیں ملتا چالیس پچاس شعر کی غزل اور ہزل کہتے تھے اس کے شروع میں تھوڑی سی نثر بھی لکھتے تھے۔ ہزل کا صرف ایک مطلع ملتا ہے وہی نقل کرتا ہوں۔

یا ایہا التلا نکہ کرد جہلا نکہ   کل تو پچی پراسیہ فرویکا سرہ

ضاحک نام و مقام معلوم نہیں اودھ پنچ سابق میں دو شعر کا ایک قطعہ اس تخلص سے ملا وہی نقل کرتا ہوں۔ یہ اپریل ۱۹۰۵ء کے اودھ پنچ میں شائع ہوا تھا

اس زمانہ کی یادگار ہے جب لارڈ کرزن نے ہندوستانیوں کو جھوٹا کہا تھا۔ اور اسی مفہوم کے لئے اکبر مرحوم الہ آبادی نے یہ رباعی کہی تھی۔

جھوٹے ہیں ہم تو آپ بھی ہیں مہرباں ۔۔۔ جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

قطعۂ مذکورہ ضاحک یہ ہے۔

ہمارے لارڈ صاحب خیر خواہ ہند ہیں بیشک ۔۔۔ غلط کل مصلحان سفدت انگیز کہتے ہیں

برابر ہے ہماری پالیسی در لاٹھ صاحب کی ۔۔۔ کہ دونوں ہی دروغ مصلحت آمیز کہتے ہیں

اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا قطعہ اسی بحث پہ مصلحت انگیز کے نام سے لکھا ہوا ہے غالباً وہ بھی انھیں ضاحک کا ہے۔

کل چلتے چلتے سچ کو ملا جھوٹ راہ میں ۔۔۔ قلعی شدہ ہو جیسے کوئی اجبت مسی

پوچھا کہ ایشیا ہی میں کیا ہے ترا رواج ۔۔۔ میری طرف سے کیا ہی ہیں صرف ایشیا ہی

کہنے لگا کہ ہاں تو ہے سچا معاملہ ۔۔۔ یورپ میں جا کے دیکھئے کوئی میری بالیسی

ضیغم۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامعلوم الاسم نامہ نگار کا تخلص ہے جن کے یہ دو شعر مل سکے۔ غالباً شیر خاں نام تھا۔

آں شیر بیشۂ اسد اللہیاں منم ۔۔۔ روباہ را حریف غضنفر نمی کنم

کو مرغ سدرہ کو زغمن قفس بستی ۔۔۔ طوبے بہ شاخ سرو برابر نمی کنم

حرف طاء مہملہ

طریف۔ منشی حسین الدین نام تھا۔ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔ صرف ظرافت کے شعر کہتے تھے جن میں پھکڑپن بہت زیادہ شامل ہوتا تھا۔ ایک بیاض سے چند شعر مل سکے۔ لیکن اسکے علاوہ نہ حال معلوم ہوا۔ نہ مقام و مسکن کا صحیح پتہ لگا

آج ہی گھر کا رقیبوں کے مٹا دوں آثار   اُن کی دیوار پہ جا بیٹھوں جو اُلّو ہو کر

ہمہ تن جوش بنا حسن سے تیرے یعنی   رنگیا سارا جہاں بیچ سنبھالو ہو کر

نیکیاں بھی کبھی ہو جاتی ہیں سرزد مجھ سے   کام بیٹھے کا بھی کر لیتا ہوں گدہ ہو کر

پیٹ زندانِ مصیبت ہے زمانہ میں ظریف   جو غذا اس میں گئی نکلی وہی گو ہو کر

نوچ کر وہ رہزنِ دل بوٹی بوٹی لے گیا   پہلے ٹوپی لے گیا تھا اب لنگوٹی لے گیا

کر دیا قلاش القصہ تمہارے عشق نے   انتہا یہ ہے کہ بنڈے آکے روٹی لے گیا

دل کی خارش کو بھی اک زخم بنا جاتے ہیں   جب وہ آتے ہیں نمک مرچ لگا جاتے ہیں

مرا بستر ہے سرِ رہگذر ہے   نہ مچھر کا غم ہے نہ کھٹمل کا ڈر ہے

مرے طائرِ دل کو کیا سمجھے گا   فقط چونچ ہے آنکھیں پر ہے نہ دم ہے

طرزی۔ ان کی ظریفانہ شاعری کا بہترین جوہرِ ظرافت یہ ہے کہ انھوں نے دعویٰ کیا تھا کہ زبان فارسی بھی اس قابل ہے کہ عربی زبان کا مقابلہ کر سکے۔ اس کے اسما کو بھی مصادر قرار دیا جا سکتا ہے اور اُس سے مختلف صیغوں کا اشتقاق بوجہ احسن ہو سکتا ہے۔ اسی خیال کی بنا پر انہوں نے اپنی زبان اور شاعری کو اس خیال

اور صنعت پر مبنی کر دیا تھا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کمالات اور خیالات ارباب ادب کے نزدیک ظرافت بن گئے اور اُن کی شاعری سے ظریفانہ شاعروں میں ایک فرد کا اضافہ ہو گیا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ طرزی ایک خوش طبع ظریف المزاج بذلہ سنج شاعر تھے رندان بادہ نوش۔ اور مستان امارد پرست کے لئے شعر کہتے تھے۔ اور اسی مذاق کے لوگ اس کو گلی گلی اور کوچے کوچے شہر میں گاتے پھرتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

در دیدۂ من آکہ بہی از ثقلینا — پر کردہ ام از مہر تو جیب و بغلینا
جز وصل تو مطلب دلم نیست نگارا — گر دنیا و عقبی دہیم فی المثلینا
با من دلخستہ اے دلدار جنگیدن چرا — تو غزال گلشن حسنی پلنگیدن چرا
با مسلمانان مسکیں کافریدن بہر چہ — با گرفتاران مستضعف فرنگیدن چرا
تا آفتاب چہرہ عیانیدہ مرا — اے نو بہار حسن خزانیدہ مرا
الا اے مہ کہ زلفت می کمندد — دل من در کفت می مستمندد
بدفع چشم اعدائے تو طرزی — دل خود را در آتش می سپندد
تا ابروئے تو دیدہ جنونیدہ ایم ما — افسانۂ خلق کہ چو نیدہ ایم ما
قامت خمیدہ و دل چو نقطہ سیاہ داغ — از عین و شین و قاف تو نونیدہ ایم ما
گہ در فراق روئے تو کاہیدہ ایم ما — گہ چوں کتاں ز حسن تو ماہیدہ ایم ما
افتادہ دل بچاہ زنخ ساقیا ز لطف — حبل المتیں زلف کہ چاہیدہ ایم ما
در جنب رحمت تو بود در حساب ہیچ — ہر چند بے شمار گناہیدہ ایم ما
اگر بے تو ہر گز شرابیدہ باشم — بکاؤن ہجرت کبابیدہ باشم
خورد خواب بر من حرامیدہ باشد — اگر در غمت خورد و خوابیدہ باشم
کو از حملہ چاکر اکنم مشہواری — ز لطف تو عزت مآبیدہ باشم

حرف ظاء معجمہ

ظرّاف شیخ نور محمد نام ہے۔ شاید محلہ حسین گنج لکھنؤ میں قیام ہے۔ معمولی سے پڑھے لکھے آدمی ہیں دو ایک مرتبہ حسین گنج کے مشاعروں میں دیکھا ہے۔ مرزا محمد ذکی سے جن کا اسی تذکرہ میں ذکر آچکا ہے تلمذ رکھتے ہیں۔ بعض بعض شعر اچھے کہہ لیتے ہیں۔

صدا یہ دیتے ہیں وہ ختم اب جوانی ہے — خرید لو گاہکو سودا دکان بڑھانی ہے
تلاش دل جو کی تھیلی لئے پھرا برسوں — تمھارے کوچہ کی اک عمر خاک چھانی ہے
ہیں لوٹنے کے نگیموں کو خوب بشنیاد — جو بے عشق میں معجون لن ترانی ہے
محاورہ ہے یہ کتنا فصیح سنیے گا — ذرا سا کیوں میاں مشتا مشک میں پانی ہے
کفن میں دیدوں سے اپنے باندھ پھرتا ہوں — سنا ہی جب سے کہ دنیا یہ دار فانی ہے
گھٹا گھٹا کے سر آتا ہی غیر واہ رے شوق — بنی جو یار کے جوتہ پہ کا مدانی ہے
نہ ہے کسی سے رفاقت نہ کوئی اپنا مرے — میں جیسے مرتا ہوں مفلس سا اک کرانی ہے
ادھر حسین ہوئے بیٹھے کوئی دکان کھولی — صدا وہ دیتے ہیں شربت بھی زعفرانی ہے
دبا کے دیکھتے ہو آنکھ اثر ہے صحبت کا — ضرور شیخ جی جورو تمھاری کانی ہے
تنہا لے گئے سرکار لاد کر غلہ — شکم میں آپ کے گھر میں مرے گرانی ہے
کہیں نہ آپ کو اس دل لگی میں ہو خفت — نہ کھینچیے کہ لنگوٹی مری پرانی ہے
ہے صدقہ آپ پر آپ سے کیوں نہیں مرتے — غضب کی آپ کے ظراف پر جوانی ہے

ظریف ۔ میراں اللہ نام تھا لاہور کے رہنے والے تھے لیکن چالیس برس تک

وطن سے علیحدہ رہے اور دلی یا بنارس میں قیام رہا۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ نہایت عمدہ ظرافت گو تھے۔ مگر افسوس کہ ظریفانہ رنگ کا کلام نہ مل سکا۔ ترتیب تذکرہ گلستان سخن کے وقت زندہ و بخیریت تھے۔

ظریف ۔ سید ظریف حسین نام ہے ظریف تخلص ہے۔ قصبہ تسہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ہیں ۱۹۱۵ء میں ساد دلی میں تھے۔ اب کا حال معلوم نہیں۔ چند شعر ظریفانہ ان کے دستیاب ہوئے۔ وہ درج تذکرہ کئے جاتے ہیں۔

تمھاری چاہ مبارک ہے عدو کے لئے ۔۔۔ اگر یہ چاہنے والے ہیں آخ تھو کے لئے
پڑھی نماز تیمم سے ہم نے دلی میں ۔۔۔ ٹکے کو آتی ہے بہشتی یہاں وضو کے لئے
بتائیں کیا تمھیں صرف کفِ شوق جمال ۔۔۔ ہزار جوتیاں ٹوٹیں اک آرزو کے لئے
ازل سے تم نے نہ کی اپنے فائدہ پہ نظر ۔۔۔ کہ جتنے چاہنے والے لئے وہ بہو کے لئے
ملو جو غیر سے تو اس سے پوچھنا یہ بات ۔۔۔ چلن کے چوکے کس کے لئے شاو کے لئے
تمھارے لال کا دامن نکل گیا مریم ۔۔۔ منگا کے سوزنِ عیسیٰ رکھو رفو کے لئے
ظریف ہے یہ تمنا ظریف کو دیکھیں ۔۔۔ تڑپتا رہتا ہے دل پیا لکھنؤ کے لئے

محبت اپنی بیوی سے یہ دروازہ ہی ایماں کا ۔۔۔ چٹکنا چار سو اچھا نہیں ہوتا ہے انساں کا
نہٹے مارتی ہے اس پہ بچے پیار کرتے ہیں ۔۔۔ تعلق کس قدر گہرا ہے بلی اور انساں کا
بہت ہی سخت ہے پردہ کے بارہ میں میری بیگا ۔۔۔ ڈپٹتی ہے اگر دیوار سے بچے نے بھی جھانکا
جہاں بخیہ کیا ہی سالے دامن محبت کے ۔۔۔ اگا دو اچھی بابی تم گریباں میں بھی اک ٹانکا
بھلا مجھلی بہو کیونکر نہ سب کے دل میں گھر کر لیں ۔۔۔ اطاعت ان کی دیکھو اور غصہ نند اماں کا

ظریف - سید مقبول حسین نام ہے۔ مولوی گنج لکھنؤ میں رہتے ہیں جناب صفی لکھنوی کے چھوٹے بھائی اور محمد جعفر صاحب بہار سکریٹری معین الادب کے ساڑھو ہیں - بقدر ضرورت فارسی اور ترکی سے آشنا ہیں - نہایت خلیق نیک مزاج ہیں اس سے پہلے شیعہ یتیم خانہ کے سکریٹری تھے - مگر دو تین سال سے اب کوئی تعلق اُس سے نہیں ہے - جناب ظریف کی عمر اب تخمیناً ۵۵ یا ۶۰ برس کی ہوگی حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ظرافت وہ ظرافت ہے جسکا نشان بڑے بڑے پختہ کاروں کے کلام میں بھی نہیں ملتا - اس میں شک نہیں کہ بہ نسبت آمد کے اُن کے کلام میں آورد بہت زیادہ ہے - اور لفظ لفظ سے بناوٹ اور تصنع ظاہر ہوتا ہے - قدیم تشبیہیں اور استعارات جابجا موجود ہیں - اور کہیں کہیں دائرہ ظرافت سے علحدہ ہوکر کلام ہزل سے بھی مماثل ہو جاتا ہے - مگر با ایں ہمہ اُن کی پختہ کاری - مشاقی - زباندانی - اور خلقی ظرافت کلام کو مجموعی حیثیت سے اسقدر بہتر بنا دیتی ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی - اُن کے یہاں کے ادنی اور بیش با افتادہ مضامین ایسے ہیں جن کا مقابلہ بڑے بڑے ظریف نہیں کر سکتے اور بلا شک ظرافت گوئی میں وہ ہندوستان کے تمام شعرا میں ایک بڑا اور خاص امتیازی درجہ رکھتے ہیں - ظرافت کے رنگ میں ہر صنعت میں اُن کا کلام موجود ہے - اور اُن کی بعض بعض بلکہ اکثر نظمیں ایسی ہیں جن کا جواب نہیں ہو سکتا - نہایت خلیق اعلی درجہ کے سخن فہم ہیں - زبان اردو کے سچے بہی خواہ ہیں - چنانچہ زمانہ حال میں بعض بعض جریدہ نگاروں نے جو ایک جدید روش اختیار کر کے اردو کو خراب کرنے پر کمر باندھ لی ہے آپ اُن کے خلاف ہمیشہ اخبارات میں نظمیں لکھکر صدائے احتجاج بلند کرتے رہتے ہیں - میں چاہتا تھا کہ جناب موصوف کا نیا کلام بھی درج کردوں - مگر ایسا اتفاق ہی نہ ہوا کہ اُسے حاصل کر سکتا - مجبوراً رنگ قدیم ہی سے کچھ اشعار درج کرتا ہوں -

جنوں میں کیوں چلا میں دوڑ کر پھولا جو دم میرا
حماقت کی نشانی بن گیا نقش قدم میرا

شمیم زلف مشکیں سونگھ کر نکسیر پھوٹی ہے
تمھارے بالوں کی بو سے ناک میں آیا ہے دم میرا

دفور شوق میں معشوق کو دے پٹکتا ہوں
کوئی خلوت سرائے ناز میں دیکھے ادھم میرا

ضعیف و ناتواں ہوں مجھ کو الفت نے بنایا ہے
ہے پھر چھٹے پن کا ذریعہ ہے قدم میرا

یہ دونوں جانور ملکر اسے کچا ہی کھا جائیں
شتر گربہ کے ڈر سے آ نہیں سکتا ہے ہم میرا

یہاں فرہاد و مجنوں شیخ چلی ہو رہے ہیں
وہ کہتے ہیں عرب میرا وہ کہتے ہیں عجم میرا

ارے داتا اسے بھر زانہ بھر ماکام ہی تیرا
مگر کشکول سائل سے مشابہ ہے شکم میرا

فلک سا ہے بلندی پر جو آبلہ دل کا
حباب شیش محل ہے دو منزلہ دل کا

ستارے ہیں جو اُن کے معاملہ دل کا
پڑا ہوا ہے کھٹائی میں فیصلہ دل کا

علم کسم الیسی دارو سے ورد ملجائے
کہیں تو جال اللاین سے کچھ ملا دل کا

علم میں جھینگر سے بڑھ کر کامراں کوئی نہیں
چاٹ جاتا ہے کتابیں امتحاں کوئی نہیں

اتنے ہمس ہیں کہ جڑواں انکو کہنا چاہیے
پیر ہیں یا توں فلک انھیں جواں کوئی نہیں

حضرت حوا سے کم کچھ حضرت عیسیٰ نہ تھے
باپ انکا بھی نہیں گر ان کی ماں کوئی نہیں

لکھنؤ و دہلی انھیں شہروں پہ کیا موقوف ہے
ہر جگہ اہل زباں ہیں بے زباں کوئی نہیں

مستعفیوں کے پیٹ سے آتی ہے یہ صدا
میں اک قرابہ ہوں عرق خانہ ساز کا

شیطان کی جو آنت سے ہوتا مقابلہ
کھل جاتا حال آپ کی زلف دراز کا

کچھ ایسی غم و رنج کی ہے کہنہ رعنائی
ابرا اگر اٹھ آیا تو استر نہ اٹھے گا

اغیار کی شرکت اٹھانا بھی گراں ہے
مجھ سے ترے احساں کا چھپر نہ اٹھے گا

تاحشر کھڑے ہیں تو بھی بند رہے گا
مردے سے اگر قبر کا پتھر نہ اٹھے گا

ہے چوک کا بازار ترے دانتوں کا چوکا
دلال زباں ہے جو ادھر بھی ہو اُدھر بھی

گہ رخ پہ نقاب اُسکے ہے گہ ہاتھ میں تلوار
معشوق وہ معشوق جو ماہ بھی ہو نر بھی

سن لیجیے بغیر اس کے ہے تشبیہ بھی نازک
عیسیٰ ہیں اگر آپ تو اک پالیے خر بھی

تحریر کا عنوان نئی تہذیب نے بدلا
معشوق کے القاب ہیں ہے مائی ڈیر بھی

یہ حسن نرالا ہے کہ دو عضو ندارد
معشوق وہ ہے جسکے دہن بھی ہو کمر بھی

کہتی ہے سدا صاحب مقدور کی اولاد
ترکہ ملے ہمکو ارے جلد ہی کہیں مر بھی

بلبل کہو تم شوق سے ایسے شعرا کو
ایک چونچ بھی جسکے ہو ظریف اور ہو پر بھی

گو نہ دانی وقت پہ ملتی نہیں ہم پر کھلا
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

آپنے اُلٹی رخ روشن سے جالی کی نقاب
میں یہ سمجھا حسن کی دوکان کا شٹر کھلا

اسقدر ہے مختصر چادر معیشت کی ظریف
پاؤں پھیلائے فراغت کیلئے سب کھلا

دال دموی ماش کی کھائی نازک تھے دوست
بالش و بستر سے مجھکو آرہی ہے بوے دوست

کی جو کرپا غیر کی ہیں معاف چار ابروے دوست
چونہ ہو ریکا چاند بیشک ہو گیا ابروے دوست

عاشقان زردرو کے طایر دل ہیں مقیم
دو بیسکے قصور بیج ہیں الجھے ہوئے گیسوے دوست

ڈھونڈتے پھرتے ہیں عاشق پر نشاں ملتا نہیں
آ گئی چوڑی سڑک ہیں سب نئیں ہیں کوے دوست

حسن کے دلکش مطلع پہ ہیں بنا رخسارے دوست
ہر سمند ناز یا اڑیل کوئی ٹٹو ہے دوست

کم حقیقت نیش زن اغیار ہیں بیٹھے ہوئے
دیکھ لو دیکھے نہ ہوں تمنے اگر پسوے دوست

دور تک آہ رقیبوں کو بھگا آتی ہے
مچھر اڑ جاتے ہیں جسوقت ہوا آتی ہے

نجد سے ناقۂ لیلیٰ کی صدا آتی ہے
بلبلاتی ہوئی مجنوں کی قضا آتی ہے

وہی کام آتے ہیں معشوقوں کو دنیا میں فقط ... یا جفا آتی ہے یا اُن کو وفا آتی ہے
نفع اتنا تو ہوا اس میڈیکل کالج سے ... تیرے بیمار کے جینے کو دوا آتی ہے
رنگ غصہ میں بدلتے ہیں وہ گرگٹ کی طرح ... حسن کی اپنے دکھاتے ہیں کرامات مجھے

ظ۔ ح۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جو کاکوری کے رہنے والے ہیں۔ نہایت شوخ ظریف ہیں بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں چندہ کا جیسا زور شور رہا ہے اسکو وہی لوگ جانتے ہیں جن کو بار بار اپنی بھری ہوئی جیبیں خالی کر دینا پڑی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں مصیبت زدوں میں شاعر مذکور بھی ہیں۔ ایک غزل فارسی ملتی ہے جس کے ساتھ یہ عبارت بھی انھیں کے قلم سے نکلی ہے۔

"یا ایہا القوم ہوت۔ کون بے وقت غل مچا رہا ہے۔ ارے میاں تمھیں جاگ رہے ہو یا کوئی اور بھی ہے میں جاگتا ہوا سوتا ہوں اور لوگ خراٹے لے رہے ہیں سنو بھی سنو۔

ما ڈھول در گردن وخر در خلاب افگندہ ایم

بہت اچھا کیا ترقی یونہی کرتے ہیں۔ غلط اگر اس کیچڑ نفاق سے سلمان نکل گئے ہوتے تو کام بنا لیا تھا۔ مگر کمبخت گدہا پھسل پڑا اور ہم لنڈھک گئے۔ ذرا ہاتھ تھام لو خیریت سے ڈھول ملامت قوم کے لئے سلامت ہے۔ آؤ جلدی آؤ اٹھیں تو تمھیں کچھ سنا ئیں تنہائی میں رونے کا لطف ہے نہ گانے کا۔ ایک تان تم اڑاؤ تو ایک نالہ ہم کریں۔ صدائے برنخاست شاید سمجھے کوئی چندہ مانگنے والا ہے۔ فریب سخن دے رہا ہے کچھ اور نہ لے مرے۔ جوں توں خود ہی اٹھے۔ رہوار کو بھی اٹھایا۔ پھر سوار ہوئے۔ سوار کیا ہوئے حماقت سوار ہوئی۔ وہ یہ کہ قوم پر غصہ آگیا پھر کیا تھا۔ کھلا منہ چلی زبان۔ بجے ڈھول۔ پک پھم۔ پک پھم۔ دُہم۔ دُہم۔ دُہم۔ خلق خدا کی۔ ملک شہنشاہ

مجازی اڈیورڈ ہشتم کا - حال و قال رفارمروں کا - وہو ہذا -

کوششِ اصلاح را در پیچ و تاب افگندہ ایم ‌ ‌ ما دل در گردن و خرد در خلاب افگندہ ایم

کار دنیا ہرج گرد از نماز پنج وقت ‌ ‌ ما امید از طاعت و چشم از صواب افگندہ ایم

از زکوۃ و حج صلوۃ و صوم فارغ گشتہ ایم ‌ ‌ شاہد اندر رقص افیوں در شراب افگندہ ایم

لکھنؤ زر سیہ پہ آباد باشد تا ابد ‌ ‌ سایۂ سیمرغ ہمت بر خراب افگندہ ایم

مد و جزر بحر سودا را بماند حب قوم ‌ ‌ دل بہ دریا و سپر بر روئے لب افگندہ ایم

تا قیامت باد نفریں نقص قرآں مثال ‌ ‌ بازی پوشند و ما بر آفتاب افگندہ ایم

پہلوان علم مغرب در علیگڈھ آمدہ ‌ ‌ گر برو غالب شویم افراسیاب افگندہ ایم

آفریں بر حضرت سعدی چہ خوش فرمودہ است ‌ ‌ ما دل در گردن و خرد در خلاب افگندہ ایم

عالی - یعنی نعمت خان عالی شیرازی - ان کا نام اصل میں میرزا محمد تھا - اور نعمت خاں خطاب تھا - مگر یہ اپنے خطاب کے ساتھ ایسے مشہور و معروف ہوئے کہ اصل نام سے بیخبر ہوگئے - ان کے والد کا نام فتح الدین تھا - جو اپنے زمانہ کے ایک زبردست حکیم تھے - میرزا محمد ہندوستان ہی میں پیدا ہوئے اور یہیں نشو و نما پائی - مگر کمسنی کے زمانہ میں اپنے باپ کے ساتھ شیراز چلے گئے - مروجہ اور ضروری علوم بھی وہیں حاصل کئے - شاعری بھی وہیں شروع کی جس میں ملا شفیعائے یزدی کے شاگرد ہوئے - جب شیراز سے واپس ہوئے تو عالمگیر بادشاہ ہندوستان کے زمرہ ملازمان میں داخل ہوئے حیدرآباد کی فتح پر اُن کو زمرۂ مصاحبین میں جگہ دیدی گئی - اور ۱۱۰۳ھ میں بکاول یعنی داروغہ باورچیخانہ کی خدمت پر مامور ہوئے اور نعمت خاں خطاب عطا ہوا -

عالی کا مرتبہ شاعری میں بہت بلند ہے - اور کسی طرح متقدمین سے کم درجہ پر نہیں رہا - مگر سب سے زیادہ کمال ان کو ہجو گوئی اور ظرافت نگاری میں ہے آنکی ہجو گوئی کی ایک خاص وجہ ہے - عالمگیر ایک راسخ العقیدہ سنی المذہب بادشاہ تھا اور نعمت خان عالی شیعہ مذہب رکھتے تھے - اور اسی کے ساتھ اپنے مذہب کے نہایت پکے تھے - اسواسطے یہ ہمیشہ درپردہ ہجو کیا کرتے تھے - عالمگیر کچھ ناسمجھ نہ تھا وہ سب کچھ جانتا تھا - مگر نعمت خاں کی لیاقت کا سکہ اتنا اُس کے دل پر بیٹھا ہوا تھا کہ وہ ہمیشہ ٹال جاتا تھا - چنانچہ ایک مرتبہ بادشاہ کی تعریف میں یہ قطعہ کہکر گزرانا -

اے عمر صورت وعثمان سیرت — کہ ابوبکر نگہبان تو باد

روز محشر کہ بخود رمانی — پسر بوسفیان یار تو باد

بادشاہ اس قطعہ کو سنکر سمجھ گئے۔ مگر یہ کہا (اگرچہ این کہنہ قرم ساق بدانست خود ہجو کردہ است۔ لیکن سعادت ماست بنویسند در بیاض خاص)

ایک مرتبہ بادشاہ نے ایک خصی بکرے کو جسکی داڑھی بہت بڑھی ہوئی تھی اور عمر بھی زیادہ تھی دیکھکر کہا کہ اس کا کوئی نام رکھنا چاہیئے۔ نعمت خان عالی نے کہا کہ حضور ابوبکر نام رکھدیجئے۔ اگرچہ بادشاہ کو یہ بات نہایت ناگوار گزری مگر ہنسکر ٹال دیا۔

غرضکہ اسی طرح بادشاہ۔ اور امرائے دولت پر برابر طعن وتشنیع کی بھرمار کرتے رہتے تھے۔ اور سب لوگ اُن کی باتوں کو مسخرگی سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اُنکی ہجویں بقول مولانا غلام علی آزاد مرحوم کے تیغ تیز سے کم نہیں ہیں۔ اُن کی ظرافت نہایت عمیق ہوتی ہے۔ جسمیں قانونی پہلوؤں کو بچاتے ہوئے مشہور ضرب الامثال اور آیات سے صریح گلکاری کرتے ہیں کہ قابل دید ہوتی ہے۔

ان کی تصانیف میں سے دیوان فارسی۔ وقائع۔ جنگنامہ حسن وعشق اور مضحکات بہت مشہور ہیں کچھ ظریفانہ رقعات بھی ہیں جو کہیں نہیں ملتے۔

عالی پہلے اپنے پیشہ کی مناسبت سے حکیم تخلص کرتے تھے مگر کسی شخص نے ایک دن کہا کہ حکیم۔ اور چکیم ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے اسی لئے انھوں نے اس تخلص کو چھوڑ کر عالی تخلص اختیار کیا۔

ایک مرتبہ نعمت خان عالی نے اپنا ایک جیغہ مرصع گرو رکھنے کیلئے نواب زیب النسا بیگم دختر عالمگیر بادشاہ کے پاس بھیجا مدتوں تک نہ وہ جیغہ واپس آیا اور نہ روپیہ آیا۔ تو نعمت خان عالی نے یہ رباعی کہکر بھیجی۔ بیگم نے پڑھی اور

پانچ ہزار روپیہ مع جیغہ کے واپس کر دیئے۔ رباعی یہ ہے۔

اے بندگیت سعادت اختر من　　　در خدمت تو عیاں شدہ جوہر من
گر جیغہ خریدنی است پس کو زر من　　　ور نیست خریدنی بزن بر سر من

عالی کی ہجووں کا پایہ اسقدر بلند ہے کہ اُن کا جواب اُن کے معاصرین یا متقدمین کے یہاں نہیں ملتا۔ اسمیں شک نہیں کہ ایران میں سیکڑوں ہجو گو اور ہزال گزرے مگر نعمت خان عالی نے جو طرز خاص ایجاد کیا اسکا کسی دوسرے شاعر کے یہاں نشان بھی نہیں ہے۔ لطف یہ ہے کہ اگر اُن ہجووں کو متانت کے لحاظ سے دیکھیئے تو بھی اُن کا پایہ اتنا ہی بلند ہے اور اگر مسخرگی اور ہزل کی نوعیت سے ان پر نگاہ ڈالیئے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا مسخرہ بھانڈ بھی ان کا مقابل نہیں ہے۔ وہ ظرافت یا ہجو میں صرف ہزل اور مسخرگی اور الفاظ سے کام نہیں لیتے بلکہ ہمیشہ اس میں انتہائی معنی آفرینی کا خیال رکھتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ایک قطعہ ہجو کا مکارخاں پسر جعفر خاں وزیر کی کتخدائی کے موقعہ پر کہا ہے دیوان میں موجود ہے جس نے بڑے بڑے ہجویہ قصیدوں کو شرما دیا بلکہ انپر پانی پھیر دیا ہے۔ ہجو ظرافت، ہزل کو نظر انداز کرتے ہوئے جب اسکی بلاغت پر نظر ڈالتے ہیں تو علوم کا ایک ذخار دریا موجزن نظر آتا ہے۔ ایک ایک لفظ کو فصاحت و بلاغت کا خزانہ کہا جاسکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

بار دیگر کہ خدا شد خان عالی منزلت　　　با کمال عز و تمکیں با وقار و زیب و زین
مہرہ در ششدر بیفتد گر کشادی رو دہد　　　میزند بر تختہ از ترس حریفاں کعبتین
زاد راہے در سفر بر داشت از ساق عروس　　　ماند آنہم ہمچناں بر گردنش مانند دین
نفقہ و کسوت بسر افتاد و نگرفتہ جہاز　　　قد رجع من جانب السلبہ بخفی الحنین
ان سند از جبر آورد و این سند از اختیار　　　این سخن ہم در میان ماند است لم بین بین

زاں طرف خفتن نہ باشد زیر طرف بر خاستن
شرطہا شد وقت ایجاب و قبول از جانبین

گفت بہر من جہاز آوردہ کاید بکار
گفت آرے ہم جہیز آوردہ ام ہم کلبتین

گفت خان الصبر مفتاح الفرج را ساکن است
کثرت استعمال مفتوحش کند اے نور عین

گفت ن شد جزم بیشم نیست شد و مد جزر
در محالات است فتح الیاس احد الراحتین

گفت دخلے میکنم بشنو و قسم آید حلول
ہست سریانی و طریانی بنا بر ذہین

گفت تو شکل عروس از ہندسہ گر خواندہ
ضع عموداً فی المثلث قائماً بالنقطتین

گفت من در انتظار ساعتم معذور دار
شمس طالع زہرہ راجع ماہ باید در بطین

از طبیبے ہم دوائے خواستم نادیدہ گفت
از برودتہائے تو پیدا است ضعف کلیتین

ساخت زرعونی ز خولنجان و جوز و زنجبیل
تودری و دار فلفل سعد قسط و بہمنین

گفت شیخ اینہا نمی آید بکار از من شنو
چارہ ات فصد و حجامت کی فصد غلتین

حجلہ ام را مدرسہ کردی تو اے خانہ خراب
ہم زباں آمد بدرد از گفتگو ہم لوتین

دخلہا در موشگافی کار ملازادہ است
تو بحث اللفظ واعظ گشتہ چوں ملا حسین

یہ پورا قطعہ نہیں ہے۔ بعض اشعار اس سے نظر انداز کر دئے گئے ہیں۔ اسکی شرح بھی ایک مرتبہ میری نظر سے گزری تھی۔

شیخ در خواب دید شیطاں را
رہزن دین و دزد ایماں را

از صفا بسکہ دل چو آئینہ ساخت
آں لعیں را ہمیں کہ دید شناخت

بملامت عتاب پیش گرفت
بر سرش زد بے و ریش گرفت

کہ چہا میکنی تو اے مردود
شدہ از درگہ خدا مطرود

ہم دیگر چو شیخ برد بکار
شد ازاں ضرب سست خود بیدار

چوں ترش ز خواب شیریں جست
دید ریش خودش بدست خود است

قلعہ گولکنڈہ کے محاصرہ کے وقت عالمگیر کو جب دقتیں پڑیں اور طرح طرح

کے نقصان اٹھائے یہاں تک کہ لشکر بے سر و سامان ہو گیا۔ تو نعمت خان عالی کے لئے ایک سامان تفریح ہاتھ آگیا اور اس نے طرح طرح کے قصیدے لکھے جن میں سے بعض اشعار منتخب کر کے لکھے جاتے ہیں۔

الہ است اللہ و رحمان خدائے ــــ مگر او کند رحم بر فوج شاہ
رحیم است و غفار آمرزگار ــــ ندانم چہ شد حصہ این سپاہ
رجال مرد و مراۃ زن زوج جفت ــــ جدا گشتہ از یکدگر سال و ماہ
ملک پادشاہ جند لشکر بود ــــ بر آن ضحک و خندہ بر قہقاہ

چیست عنقا و چہ کبریت احمر اشرفی ــــ کیمیا نوکر شدن یک ہفتہ پیش بو الحسن
فقر و فاقہ عیلہ و عسرت صبوری انتظار ــــ آنچہ باشد نوکران بادشہ را در دکن
ممتنع معدوم دیں ہر دو بطرز لف و نشر ــــ دانہ کاہ و دواب و نفقہ فرزند و زن
الثقیل و الغایظ آب کہ در این لشکر است ــــ الاجل حکم طبیبان المرض احوال تن
لم یقع چہ فتح قلعہ لم یکن یعنی یورش ــــ سہو سیبہ لہو زینہ لغو توپ انداختن
صدق آں حرفے کہ ہرگز گفت باشد گفتنی ــــ کذب گفتارے کہ سازد مایہ دارو بومن
فلفسی آنکس کہ بگوید خلا باشد محال ــــ در خزانہ گر رود ہرگز نگوید این سخن
ما و لا و ان و لن چوں لم حروف نافی اند ــــ میکنند اینہا عمل در دفتر بخشی تن
من و عن یا و الی احتی و فی جر میکنند ــــ لیک ان توقیعے کہ کار انشد بدیوان دکن
کان صار اصبح و امسی افعال ناقص اند ــــ ہمچو تدبیرات و تسخیرات در ملک دکن

دریں ملک خراب امروز کس را نیست سامانے ــــ چو گنج افتادہ اند اہل ہنر در کنج ویرانے
بسر حدے رسیدہ خلق را افراط ناداری ــــ کہ معنی ہم نزار و ایں زماں حرف سخندانے

سپاہی ہم بمیدان قناعت میکند جولاں — زشمشیر و سپر دارد دم آبے لب نانے

طبیب از علم طب دریا و میدارد ہمیں منہی — نباشد خوب تر از شربت دینار درمانے

منجم را نشد غیر از فلاکت از فلک حاصل — زضعف جوع بیند قرص مہ را گردۂ نانے

وریں عطار مشتاق است قوت لایموتی را — بچشمش آش و ناں آید چو بنویسد اشنانے

نباشد آنقدر سرمایہ ہم جراح مسکیں را — کہ بر زخم دل خود سرنگوں سازد نمکدانے

چو طفل نے سوار از بہر روزی میدود کاتب — ز کلک خود کمیتے دارد و از صفحہ میدانے

محاسب سال را بنوشت ماہ روزہ در دفتر — برائے اینکہ معلومش نشد شوال شعبانے

ز حیرت گفت قاری من کلو میخواندہ ام یارب — نخواندم ہیچگہ لا تاکلوا در ہیچ قرآنے

وزیں لشکر بہاتم یار ومر باخویش می سنجد — نماندہ در دکاں بقال را جز سنگ و میزانے

زگٹر یالی یکے پرسید از روئت چہ ماند آیا — بگفت احوال گر ایں است بہر ساعتے آنے

صدائے ماتمے از خانہ برخاست پرسیدم — چہ شد گفتند در ایں خانہ وارد گشتہ مہمانے

زجائے غلغلہ شادی شنیدم گفت ہمسایہ — کہ شخصے دید شب در واقعہ پر آرد و نانے

اسی طرح قصائد اور نظموں میں جابجا شاہ عالمگیر کی تدبیروں اور اُس کے لشکر وغیرہ پر پھبتیاں کہی گئی ہیں نثر میں بھی اُن کی ظرافت قابل داد ہے۔ نعمت خان عالی نے ۱۱۲۱ھ میں حیدرآباد میں انتقال کیا۔

عارف محمد عارف نام تھا۔ دلی کے رہنے والے کشمیری الاصل میر و میرزا کے معاصر شاہ مبارک آبرو کے شاگرد تھے۔ رنگ زمانہ کے موافق کبھی کبھی ظرافت میں بھی شعر کہتے تھے ایک شعر مل سکا۔

درخت رز سے کہو کہ آن ملے
ورنہ عارف افیم کھاتا ہے

عاجز۔ کمترین کے شاگرد تھے اور میر تقی میر کے معاصر۔ اسی زمانہ میں ایک شخص حافظ عبدالحلیم نامے تھے جنکی شاعری بو اسحاق اطعمہ کی طرح صرف کھانوں کی تعریف میں ہوتی تھی اور اسمیں ظرافت کا نمک مرچ لگا دیا کرتے تھے کبھی ظرافت گویوں کو بلا کر مشاعرہ بھی کرتے تھے۔ ان کے یہاں عاجز بھی شریک ہوتے تھے۔ چونکہ عاجز خود ایک اوباش مزاج رند لاابالی تھے۔ اس لئے حافظ حلیم سے خوب بنتی تھی میر تقی میر نے نکات الشعرا میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی کوئی مصرع اچھا بھی کہہ لیتا ہے۔ ایک شعر نمونۃً ظرافت مل سکا۔

دل بغل مارے لئے جاتے ہیں سیا کتب کے طفل شیخ سعدی تم بھی اب لیکر گلستاں دوڑیو

عبید زاکانی۔ قزوین کے نواح زاکان کا رہنے والا آٹھویں صدی ہجری کا نہایت مشہور و معروف خوش مذاق نقاد۔ ظریف۔ شاعر۔ ادیب بلکہ مورخ۔ نظام الدین عبیداللہ نام تھا۔ عبید زاکانی کے نام مشہور تھے۔ شاہ ابواسحق انجو کے زمانہ میں شیراز میں تعلیم پائی۔ اور ضروریات زمانہ کے موافق تمام درسیات سے فراغت حاصل کی۔ ازاں بعد زاکان میں آئے اور عہد قضا پر مامور ہوئے۔ چونکہ اس زمانہ میں ترکوں کا بڑا عروج تھا۔ اور تمام ایران انھیں کی حکومت سے متاثر تھا دل کی خواہش کے مطابق کسی فرد بشر کو آزادی نصیب نہ تھی۔ اسی حالت نے عبید زاکانی کے دل میں درد پیدا کیا۔ اور ایک کتاب موسوم بہ اخلاق الاشراف لکھی۔ جو ایک لغت کے طریقہ پر تھی۔ اور اس کے الفاظ لغات سے اس پر آشوب عہد کے تمام حالات ناظرین کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔ چنانچہ نمونہ کے طریق پر چند لغات درج کئے جاتے ہیں"

العالم۔ بیدولت + الجاہل۔ دولت یار + الجواد۔ درویش + المخنس بالذات الامراد۔ طالب علم + المحتسب۔ دوزخی + الشاعر۔ طامع خود پسند + العطار

جو سب کو بیمار دیکھنا چاہے + المحروم ۔ وہ ہوشیار جو مستوں کی مجلس میں بیٹھے +
القلتبان ۔ سسر + البکارت ۔ اسم با مسمیٰ + التجلق ۔ دستگیر مفلساں + المشرف ۔
چور + الکلب الاکبر ۔ وہ مولوی جو کسی امیر کبیر کا ملازم ہو + العس ۔ جو رات کو ڈاکہ ڈالے
اور دن کو لوگوں سے پہرہ داری کی اجرت مانگے + القاضی + جو سب پر لعنت بھیجے + الوکیل ۔
حق کو باطل کر دینے والا + الرشوت ۔ بیچارہ لوگوں کی کارساز + الخطیب ۔ تقریر کرنیوالا
گدھا + الواعظ ۔ اوروں کو نصیحت آپ کو فضیحت کی مصداق + السلیم ۔ خوشامدی +
الطبیب ۔ جلاد + المنجم ۔ کذاب + الملک الموت ۔ ساقی ریش دار + الہادم اللذات
ماہ رمضان + الذ والقرنین ۔ دو چوروں کا شوہر + بدبخت ۔ بڈھی عورت کا جوان
شوہر + الدیوث ۔ جوان عورت کا بڈھا شوہر + الذات الجنب ۔ ہمسایہ + الریش ۔
غریبوں کی دستاویز + الشیخ ۔ ابلیس + صوفی ۔ دوسروں کی کمائی کھانے والا + الاکال +
الحاجی ۔ کعبہ کی جھوٹی قسم کھانے والا + البیانی ۔ شیخی + شریفوں کی تجارت کا سرمایہ +
الہیچ و پوچ ۔ شریفوں کا وجود + البیمغز ۔ شرفا کے آداب و تہذیب ۔ الغرور و
الحماقت ۔ شریفوں کی گفتگو + الدکان دار + خدا سے نہ ڈرنے والا آدمی + الدلال
بازار کا مستند چور + الشراب ۔ بے چینی اور اضطراب کا چشمہ + بھنگ ۔ صوفیوں کو
حال میں لانے والی دوا + الزندہ دل ۔ شراب اور بھنگ دونوں کا استعمال کرنے والا +
النوجوان ۔ بڈھوں کی ڈاڑھی پر ہنسنے والا + اللایعنی ۔ صاحب خانہ کی زندگی + البدنصیب
آوارہ لڑکی کا باپ + الحریف ۔ صاحب خانہ کا بھائی + الخوشی بعد الغم ۔ طلاق ثلاثہ +
الخانم ۔ بہت سے عاشقوں کی معشوقہ + البیگم ۔ معدودے چند عاشقوں کی چہیتی +
الپاکباز ۔ ایک عاشق پر اکتفا کرنے والی عورت ۔

غرض کہ یہ تمام لغت اسی قسم کے لغات پر مشتمل ہے ۔ مذاق کے پیرایہ اور ظرافت
کے پردہ میں ۔ قوم کی بگڑی ہوئی حالت ۔ مظلومی اور بدچلنیوں بد قماشیوں کی

تصویر کھینچدی اور اس کو تاریخ کی صورت میں لے آئے ہیں۔ اور بہت سے مورخوں نے اس کو پسند کیا ہے۔ یہ طرز غالباً عبید زاکانی ہی کی ایجاد ہے۔ جسکا اتباع ملا دوپیازہ۔ اور جعفر زٹلی نے بھی کیا۔ نعمت خان عالی اسکو نظم کے سانچے میں ڈھالا راقم الحروف نے بھی ایک کتاب لغات الظرفا نامی اسی انداز میں لکھی ہے۔ مگر اس سے ذرا اچھی ہوئی ہے۔ کیونکہ اب سے پہلے عبید زاکانی کی اس کتاب کو میں نے نہ دیکھا تھا۔ اسوجہ سے لغات الظرفا میں اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔ انشاء اللہ آئندہ اضافہ کردوں گا۔

عبید زاکانی نے اس قسم کی کئی کتابیں لکھیں۔ جو اب اکثر نہیں ملتی ہیں۔ انکے ظریفوں کے زمرہ میں شامل ہونے کے وجوہات مورخوں نے جو کچھ بیان کئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔ کہ عبید نے ایک رسالہ علم معانی و بیان میں لکھا تھا اور خواہش تھی کہ بادشاہ وقت کی نظر سے گزرے۔ مگر عیش پرست بادشاہوں کے یہاں سوائے مسخروں کے علم و دانش کی باتوں کا کیا کام ہے۔ اسی لئے وزراء اور امراء نے عبید کی سعی اور کوشش کو بادشاہ تک نہ پہونچنے دیا۔ یا پہونچی تو بیکار رہی اور کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ عبید نے زمانہ کی ہوا کا رخ دیکھ لیا اور نہایت افسوس کے ساتھ یہ قطعہ کہا۔

اے خواجہ مکن تا بتوانی طلب علم — کاندر طلب راتب ہر روزہ بمانی
رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز — تا داد خود از مہتر و کہتر بستانی

اس کے بعد ظرافت اور ہزل کی طرف جھک پڑے اور ایسے جھکے کہ اسی میں عمر گزار دی۔ اب ان کا کلام شائع ہو گیا ہے چند شعر نمونتاً درج کرتا ہوں۔

در علم و ہنر چو من مشو صاحب فن — تا نزد عزیزاں نشوی خوار چو من
خواہی کہ شوی قبول ارباب زمن — کنکس آور و کنکری کن کنکرہ زن

شاہ ابواسحق انجو کے معزز وزیر امین الدین نے ایک عورت جہاں خاتون نامے

سے شادی کی تو عبید زاکانی نے یہ قطعہ کہا۔

وزیرا جہاں قحبہ بیوفاست — ترا از چنیں قحبہ ننگ نیست
فراخی دگر را بخواہ — خدائے جہاں را جہاں تنگ نیست

لطیفہ۔ ایک مرتبہ خواجہ سلمان کو عبید زاکانی کی شہرت اور خوش طبعی پر رشک ہوا تو ایک قطعہ نظم کیا۔

جہنمی وہجا گو عبید زاکانی — مقرر است بہ بیدولتی و بیدینی
اگرچہ نیست ز قزوین و روستا زاست — ولیک میشود اندر حدیث قزوینی

شدہ شدہ یہ خبر عبید کو بھی پہونچ گئی زمانہ مساعد نہ تھا مجبوراً خاموش رہا۔ ایک مرتبہ اتفاق ہوا کہ عبید کہیں جارہا تھا ایک دریا پر پہونچا۔ جہاں خیمے پڑے ہوئے تھے۔ نوکر چاکر ادھر ادھر اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ کنیزان ماہرو اپنی اپنی خدمات میں سرگرم دوادوش تھیں۔ غریب عبید نے یہ تزک واحتشام دیکھکر دریافت کیا کہ کون یہاں اترا ہوا ہے معلوم ہوا کہ خواجہ سلمان ہیں۔ یہ تو سن ہی چکے تھے کہ خواجہ صاحب کے خیالات میری طرف سے اچھے نہیں ہیں۔ مگر پھر بھی ہمت کی اور خواجہ صاحب کی بزم سرور میں پہونچ گئے۔ خواجہ نے پوچھا کہ کیوں بھئی کون ہو کہاں سے آئے ہو۔ انہوں نے کہا کہ قزوین سے آتا ہوں۔ کہا کہ خواجہ سلمان کا نام تمنے سنا ہے۔ جواب دیا کہ جی ہاں۔ کہا کہ کچھ اسکا کلام یاد ہے۔ کہنے لگے ہاں۔ کہا کہ سناؤ۔ عبید نے یہ دو شعر پڑھے۔

من خراباتیم و بادہ پرست — در خرابات مغاں عاشق و مست
می کشندم چو سبو دوش بدوش — می برندم چو قدح دست بدست

یہ شعر پڑھکر کہا کہ میں نے سنا ہے خواجہ سلمان ایک فاضل متبحر ہے۔ لیکن اسنے

شعر کیوں کہے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ یہ شعر اسکی بیوی نے کہے ہیں۔ خواجہ سلمان نے یہ سنتے ہی پہچان لیا۔ کہ ہو نہ ہو یہ عبید زاکانی ہے۔ پہلے تو یونہی پوچھا کہ کیا تم عبید ہو پھر قسم دلائی۔ جب بہت مصر ہوا تو عبید نے اقرار کیا۔ اور نہایت غصہ ہو کر کہا کہ بغیر دیکھے کسی کی ہجو کرنا علما کا شیوہ نہیں ہے۔ واللہ صرف آپ ہی کے ملنے اور آپ کے کیفر کردار کی سزا دینے کے لئے میں بغداد جا رہا تھا۔ اچھا ہوا کہ آپ یہاں مل گئے۔ خواجہ سلمان نے بہت معذرت کی۔ اور بات گئی گزری ہو گئی۔ اس کے بعد دونوں ہمیشہ دوست بنکر رہے۔

مردم بعیش خوش شد او من مبتلائے قرض ‌ ‌ ‌ ہرکس بعیش شغلے و من در بلائے قرض

قرض خدا و قرض خلائق بہ گردنم ‌ ‌ ‌ آیا ادائے فرض کنم یا ادائے قرض

در کوچہ قرض دارم و اندر محلہ قرض ‌ ‌ ‌ در شہر قرض دارم و اندر سرائے قرض

عرضم چو آبروئے گدایاں بباد رفت ‌ ‌ ‌ از بسکہ خواستم ز در ہر گدائے قرض

گر خواجہ تربیت نکند مر عبید را ‌ ‌ ‌ مسکیں چگونہ باز رہد از جفائے قرض

افسوس کہ زیادہ اشعار زیادہ تر فواحشات تک پہنچتے ہیں لہذا قلم انداز کرتا ہوں۔

فتحی۔ نام فتح اللہ تھا۔ ہرات کے رہنے والے تھے۔ ہزل اور ہجو کی طرف طبیعت کا میلان بہت زیادہ تھا۔ ملا مشفقی کی ہجو میں یہ رباعی کہی تھی۔

اے مشفقیا چوں تو پرداختہ ایم ‌ ‌ ‌ با اشتر خود ترا قریں ساختہ ایم

او گوز ہمیزند تو میگوئی شعر ‌ ‌ ‌ او را بتو در بدیہہ انداختہ ایم

عرش۔ گیا کے رہنے والے ضمیر الدین نام منشی امیر اللہ تسلیم مرحوم کے نہایت

مشہور و معروف اور ممتاز شاگردوں میں ہیں۔ عربی فارسی کی لیاقت بقدر ضرورت شعر کافی ہے۔ اکثر غزلیں رسالوں وغیرہ میں چھپتی رہتی ہیں۔ عرش صاحب کی عمر اب پچاس پچپن برس کی ہوگی۔ گو مجھکو یہ نہ معلوم تھا کہ آپ ظرافت کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں۔ مگر ایک غزل مطبوعہ اسی رنگ میں اور دھرپنچ سابق سے دستیاب ہوئی جن کے ساتھ کچھ ظریفانہ عبارت بھی ہے۔ بجنسہ نقل کرتا ہوں وہو ہذا۔

مرزا اردھ بچنا۔ روایت صحیح ہے کہ ایک روز ہیچمدان صبحدم بعد فراغت نماز سحری بیٹھا محو دعائے اصلاح قوم تھا کہ پچھم کی جانب سے ایک بلکھوڑا پیرا تا پختہ ڈہیالا قوال ہاتھ میں سنہری سہاگی چوڑیاں پہنے لباس زنانے میں ستار لئے اک بظاہر مرد طرحدار کے جوتی نقشہ زن مکارہ و عیارہ تھی آدھمکا اک عبرت سی ہوگئی تسبیح شریف پھینک کر قریب تھا کہ پاجامہ سے باہر ہو جاتا۔ کہ یا شیخ المدد کہکر بڑی زور سے مٹھی میں دل کو جکڑ بند کر لیا وحشت دور ہوگئی اب اس قوال وزن چھبیلہ نے یوں الاپے اور ستار ٹنٹناتے ٹنٹناتے توڑ ہی ڈالا۔ غزل یہ

شرافت تو سمجھے گنہ ہے بدکار بیوی — بھلا کھائے شوہر کی کیوں مار بیوی
نہیں اب جہاں میں وفادار بیوی — کہاں سے کوئی لائے غمخوار بیوی
کرے خاک تاکید پردے کی شوہر — نکلنے کو ہر دم ہے تیار بیوی
اگر اس زمانے میں عیاش بھی ہو — نہیں پیش خالق گنہگار بیوی
نہ کیونکر دعا موت کی مانگے شوہر — بہت آجکل سر پہ ہے بار بیوی
اگر کھانے کپڑے کی تکلیف کچھ دو — لگا دے وہیں جوتیاں چار بیوی
نیا گل کھلا ہے یہ باغ جہاں میں — کہ شوہر جو گل ہے تو ہے خار بیوی
اگر دیکھے بل ابروئے میاں کے — تو دوڑے وہیں لیکے تلوار بیوی
مہذب گھروں کی یہ تعلیم سنئیے — نہ پابند شوہر ہو نہ ہشیار بیوی

کہا ایک شب میاں سے بیگم نے ہنسکر ۔۔۔ شریفوں کے گھر کی ہیں عیار بیوی
یقیں کے ہے لائق فقط اسکی عصمت ۔۔۔ گلے کی ہو شوہر کے جو ہار بیوی
طرفدار غیروں کی تعریف جب ہے ۔۔۔ نہ دے ساتھ شوہر کا زنہار بیوی
مبارک مبارک بلا ٹالی سر سے ۔۔۔ جواری ہوئے ہیں گئے ہار بیوی
اگر میلے ٹھیلے میں جانے دو میرا دل ۔۔۔ تو سو بار تمکو کرے پیار بیوی
کمانے کی حاجت نہیں جب میاں کو ۔۔۔ بلا سے جہاں میں ہو بیکار بیوی
خجالت کا دریا رواں بیچ میں ہے ۔۔۔ ہیں اس پار شوہر تو اس پار بیوی
کرے گا اگر تیل پانی کی خاطر ۔۔۔ رہیگی ترے گھر نہ زنہار بیوی
نہیں نوکری ملتی جب مردووں کو ۔۔۔ نہ ہو کیوں کمانے کو تیار بیوی
ادھر تھک کے کاموں کو کیوں کرتے ہیں ۔۔۔ ادھر جام پی کر ہے سرشار بیوی
خصم کی اطاعت نہیں فرض ہرگز ۔۔۔ خبردار بیوی خبردار بیوی
میں عاشق ہوں سودائی وقت پیری ۔۔۔ ملی ہے مجھے اک طرحدار بیوی
نہ اب دانت کا لو نہ اب لب رہے ہیں ۔۔۔ ہے دکھتا بہت ہی تن زار بیوی
تری پیٹھ پر سیکڑوں بوٹ جوتے ۔۔۔ ترے منھ پہ لاکھوں ہی پھٹکار بیوی

عرشی - یعقوب خاں نام تھا - قصبہ بندکی ضلع فتحپور میں سنہ ۱۸۴۲ء میں پیدا ہوئے - آبائی وطن دہلی میں تھا - ان کے والد محمد زماں خاں اور ان کے دادا دارالسلطنت دہلی میں شاہ عالم بادشاہ کے توپخانہ کے گولہ انداز تھے - جب بادشاہ موصوف کی آنکھیں نکال لی گئیں - تو ان کے والد ترک سکونت کرکے اس قصبہ میں آرہے - عرشی مرحوم کی ابتدائی تعلیم و تربیت بندکی میں ہوئی - مگر جب ان کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا - تو یہ ضلع باندا چلے گئے - اور وہیں علوم رسمی کی تکمیل کی -

بعد تعلیم پھر بند کی واپس آئے۔ اور شاعری کا شوق ہوا۔ منشی جمیل الدین صاحب وکیل فتحپور کے شاگرد ہوئے۔ چونکہ نہایت نازک خیال اور خوش گو تھے۔ تمام معزز لوگ ان کی تعظیم کرتے اور اُن کو مانتے تھے۔ عاشقانہ شاعری بھی کرتے تھے مگر زیادہ تر نعت گوئی کا شوق تھا۔ مولانا فضل الرحمٰن شاہ گنج مراد آباد کے مریدوں میں تھے۔ اور نہایت عسرت و تنگ حالی سے بسر کرتے تھے تفنن طبع کے طور پر کبھی ظرافت کے شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ ہجو گوئی میں بھی کمال حاصل تھا کلام میں استادانہ بندشیں۔ نازک خیالیاں۔ خوبی اسلوب بیان بدرجۂ اتم ملحوظ رکھتے تھے۔ آخر وقت تک شعر گوئی کا سلسلہ جاری رہا۔ اور ۱۷ء۱۹ء میں بمقام بند کی انتقال کیا نمونہ کلام ظرافت و ہجویہ یہ ہے۔

میں بند قبا کو کمربند سمجھا ۔۔۔ عجب بے لکا ہوں خدا جانتا ہے
دورنگی زمانہ سے ہم تو تباہ ہیں ۔۔۔ مونچھیں سفید ہوگئیں۔۔۔ سیاہ ہیں

ایک مرتبہ کلکٹر صاحب فتحپور کو ایک ظریفانہ عرضداشت اپنی غربت و بیکسی کے اظہار کے واسطے لکھی ہے جس کے چند شعر یہ ہیں۔

اس ضلع کے حضور حاکم ہیں ۔۔۔ عرض کیونکر کروں نہ اپنا حال
چھ مہینے گذر گئے کھاتے ۔۔۔ خشک روٹی و بن کھاری دال
نہیں ہوتی نصیب ترکاری ۔۔۔ دمڑی کی مولیاں تلک ہیں محال
نیند کیا خاک آئے راتوں کو ۔۔۔ چارپائی کا ہے شکستہ حال
شور اب میری تشنہ کامی کا ۔۔۔ پانی پت سے گیا ہے نینی تال
پان کی یاد جبکہ آتی ہے ۔۔۔ مار کر اینٹ کرتا ہوں منہ لال
جوتیاں تک نہیں مقدر میں ۔۔۔ دونوں تلوؤں کی اڑ گئی ہے کھال
پیسے جڑتے نہیں حجامت کو ۔۔۔ بال بھی سر کے ہو گئے ہیں وبال

چہرے کا خط بنا ہے اک دفتر — مونچھ داڑھی ہے صورت اشکال
سیہ بختی سے پھٹ گیا وہ بھی — تھا جو کمبل مرا بجائے شال
دود آہ جگر نکلتا ہے — دل کو آتا ہے حقہ کا جو خیال
گھر جو بندگی میں ہے سکونت کا — اس کی بگڑی ہوئی ہے صورت حال
ٹوٹی پھوٹی کھڑی ہیں دیواریں — بیٹھ جائینگی غالباً امسال
دن کو چھنتی ہے دہوپ اسکو ادہر — ہیں چھتیں گھر کی صورت غربال
آندھیاں زور شور سے آئیں — اڑکے چھپر پہونچگیا نیپال
مانگتا ہوں گھڑی گھڑی کی خیر — ہر گھڑی ہے مرے لئے گھڑیال

عرشی مرحوم کو اتفاقاً کسی وکسنیٹر سے کچھ صدمہ پہونچا - پھر ان کو تاب کہاں تھی وہ وہ ہجویں لکھیں کہ توبہ ہی توبہ -

وکسنیٹر ہے قوم کا حجام — نائیوں سے کرتا ہے ......
مارے جوتوں کے ہو گیا گنجہ — جھڑ گئے سر کے موے عنبر فام
باندھتا ہے عمامۂ کابل — فرقۂ بد معاش کا ہے امام
آکے بندگی میں بنگیا ہے شریف — باپ دادا تھے نائیوں کے غلام
اے میاں جاتے ہو جو تم گھر کو — اپنی ماں سے ہمارا کہنا سلام
نانی تیری ہے آنکھ کی کانی — جیسے عاشق ہوئے ہیں تو دے رام
اکہ والوں کی رہ کے صحبت میں — تو بھی چلنے لگا قدم ستم گام
اپنی رنڈی کو کہتا ہے مادر — کرتا ہے اس سے روز و شب بدکام

اگر دعوی ہے کسی نیٹیری کا — ہمارے آگے آئے ...... کا
پڑے ہیں جوتے سر پر جھڑ گئے بال — یہی ہے مرد گنجی کھوپڑی کا

مزا ذردے کا کیا جانے کمینہ   وہ کھانے والا ہے روٹی ہڈی کا

عرشی کی ہجویں اور بھی موجود ہیں مگر وہ فحش سے قریب اور ظرافت سے دور ہیں اس لیے اور کیا انتخاب کریں مجبور ہیں۔

عرب - میرزا عرب مشہدی نام ہزل وتمسخر میں جواب نہ رکھتے تھے۔ شعرائے ایران کے دور متوسط کے شاعر ہیں۔

حیوان پرستی جان من۔ من اسپ واشترنیستم   پیشت ندارم عزتے فہمیدۂ خرنیستم

عزیز۔ سید قلندر کاشی کا تخلص ہے۔ شاہ طہماسپ صفوی کے زمانہ کے ایک زبردست ہزال اور ظراف تھے۔ اتفاق سے بیوی بھی شاعرہ تھی ایک مرتبہ عزیز نے یہ شعر کہا ؎

زنم را قحبہ می گفتند و من باور نمیکردم   بحمد اللہ کہ کردم تا بچشم خویشتن دیدم

عورت نے فوراً جواب دیا

زنت را قحبہ می گفتند دیدی   برو بابا ستردیدی ندیدی

عکس۔ بدر الدین نام تھا۔ مٹیا محل دلی میں رہتے تھے۔ نہایت بیوقوف اور مسخرے آدمی تھے اس پر آپ کی ہیئت کذائی اور بھی نزہت ناظرین تھی فلینظر الی الابل کیف خلقت کی بنی بنائی تصویر تھے۔ بدقسمتی سے شعر وشاعری کا بھی ذوق وشوق تھا۔ اس میں بھی ایک نئی بات نکالی تھی جب غزل کہتے تھے تو اس کو تین حصوں پر تقسیم فرماتے تھے۔ نر۔ مادہ۔ استادہ تذکرہ گلستان سخن کی ترتیب سے پہلے روپوش فنا ہو چکے تھے۔ ایک شعر ملتا ہے

مگر شستہ نمونہ از خروارے سمجھکر اسی پر تمام و کمال کلام کو قیاس کر لیجئے۔

کیوں سب لے او کتھے چلا تھا کیا یہ جھگڑا انکو — کس لئے آیا تھا تیرے گھر وہ مکڑا انکو

عشاق - ایک قدیم ہندو شاعر کا تخلص ہے زیادہ حال معلوم نہیں صرف ایک شعر مل سکا۔

سر سبز خط سے اور ہوا حسن یار کا — آخر خزاں نے کچھ نہ اکھاڑا بہار کا

عشرت کسی ریختی گو کا تخلص ہے جن کے دو ایک شعر تو ملے مگر تذکروں میں نہ نام ملا اور نہ حالات کا پتہ چلا۔

خدا نے دی ہے کیا طاقت بوا ارتیج جوانوں میں — ترے سر کی قسم ہوتی ہے کل سے نہیں انوں میں
تجھے اپنی پڑی ہے میں مری جاتی ہوں حسل بیٹھکی — موئے سنتا نہیں کیا تیل ڈال آیا ہی کانوں میں
حسین بھی ہیں کتنے کبھی ہیں مگر کچھ جوش نہ تھے نہیں — ہیا تنک تیک ہے عشرت یہ کابل کے پٹھانوں میں

عصمت تخلص ہے امجد علی خاں کا جو ریختی نہایت عمدہ کہتے تھے اور حسین علی خاں لکھنوی شاگرد محمد علی خاں مسیحا کے فرزند تھے چند شعر ملے جو درج کرتا ہوں۔

جو کم سنی میں دیکھ چکی منہ ہزار کے — بیٹھے گی کب بچر تجھے پہ وہ ایک یار کے
بی تم نے کیوں کتر ا سینے میں چھپا پان — موتی سے دانت بن گئے دانے انار کے
نرگس کی چھوکری کا دو پٹہ ہوائی ہے — کندن کو سارا وہ دیا گہنا اتار کے

نیچے بوا اچھا نہیں دو کی صحبت کا — کٹے گا تو جینے بعد گرا بن عیش عشرت کا

نہ لیتی نام تک ہرگز نکھٹو کا کبھی ماما ۔۔۔ مگر کچھ پاس ہے مجھ کو نگوڑے بوڑھوں کی عزت کا
نگوڑے شیخ نے پھر آج افیوں لیکے کھائی ہے ۔۔۔ میں ڈرتی ہوں بوا پھر سامنا ہوگا قیامت کا
تری خاطر میں گھر سے دن دہاڑے آتی ہوں ورنہ ۔۔۔ کسی نے آج تک آنچل نہیں دیکھا ہے عصمت کا

عطا - عطا اللہ نام تھا عطا تخلص تھا - عالمگیر کے زمانے میں خوش و خرم دلی میں زندگی بسر کرتے تھے - دلی ہی زاد بوم تھی اور دلی ہی میں پیوند خاک ہوے - اپنے زمانہ کے بانکوں میں تھے - اور تمام وضع قطع وہی تھی - ٹیڑھی ٹوپی لپکا ٹکا ہوا نیچی نیچی ڈھیلی ڈھیلی آستینیں - کرتے کا دامن بہت نیچا اوسپر بیل لگی ہوئی - ڈاڑھی چڑھی ہوئی مونچھیں بل دی ہوئی کندھے پر ایک رومال - انگلیوں میں کئی کئی انگوٹھیاں اور چھلے ہاتھ میں ایک سونٹا - میر جعفر زٹل سے ہمیشہ نوک جھونک رہتی تھی - نہایت بیباک اور شورہ پشت تھے - ایک مرتبہ بادشاہ نے ناراض ہوکر قید کر دیا اور مدتوں تک زندان مصیبت میں اسیر بلا رہے - اتفاقاً ایک روز بادشاہ نے ایک مصرع کہا -

ع بسترم خاک و خشت بالین است

اسپر دوسرا مصرع حسب دلخواہ نہ لگتا تھا - بہت سے لوگوں نے مصرع لگائے مگر ناکام رہے - شدہ شدہ یہ خبر عطا کو بھی پہونچ گئی - کہا کہ اگر بادشاہ مجھے آزاد کریں اور اس بلا سے رہائی دیں تو ایسا ہی مصرع کہہ دوں گا - بادشاہ نے یہ شرط منظور کرلی عطا نے مصرع کہا ع یکے از سرگزشت من این است - بادشاہ نے بھی وعدہ وفا کیا - ان کا کلام بالکل جعفر زٹل کے رنگ میں ہے - میر تقی میر اور میر حسن نے ان کو اوباش و شنیع لکھا ہے ' نمونۂ کلام یہ ہے -

اے در بہر د حسن تو کشتہ بہ چار چشم ۔۔۔ زیر خزدہ نہفتہ چہ آہو بہ چار چشم
بر فلک شب نمی طپید انجم ۔۔۔ دل زستم زسہم می دہر کد

دست و پا میزند عاد و درزن   ہمچو پدڑی کہ در قفس پھڑکد

عقاب جناب قمر بدایونی کے ایک شاگرد ہیں۔ عمدہ شعر کہتے ہیں ظرافت بھی نہایت شستہ ہوتی ہے۔

کہتا تھا میں کہ پردے کی مٹی ہوئی خراب   بے غیرتی نے بڑھ کے دیا مجھکو یہ جواب
شرم و حیا کے ساتھ وہ دن لد گئے جناب   اتنی سی بات پر کہ ہوئی شمع حجاب
پروانہ جان دینے کو تیار ہو گیا

وہ عورتیں کہ جنکی حیا کا نہ تھا جواب   کوشاں ہیں اب کہ پردے کی مٹی کریں خراب
اتنا خیال ان کو نہیں ہے لے انقلاب   اتنی سی بات پر کہ ہوئی شمع بے حجاب
پروانہ جان دینے کو تیار ہو گیا

اس پری سے میں نے جب پوچھا کہ اے پردہ نشیں   غیر سے بے پردہ ہونا یہ بھی کوئی راز ہے
ہنس کے بولی اے میاں اس بات کا افسوس کیا   تم ہی سمجھو کہ وہ اک آلۂ پرواز ہے

اب دیر کیا ہے آئیے مونچھیں منڈا لیجئے   داڑھی کی گھاس پھونس کو لوکا لگائیے
ڈبے کی مچھلی کھائیے وہسکی اڑائیے   القصہ جسطرح بھی ہو فیشن بنائیے
جو بات اس مئی میں ہے اس جون میں نہ ہو
اک پائنچہ بھی آگے کو پتلون میں نہ ہو
چھوڑی ہے اپنی وضع تو ہر بات چھوڑیئے   مونچھو تکی طرح ناک سے بھی منھ کو موڑئے
جوڑے ہیں پہلے ہاتھ تو اب کان جوڑیئے   ہونٹوں کی پل سے کھائیے دانتوں کو توڑیئے
پلکیں فضول چیز ہیں انکو بھی مونڈ لیجئے

ناحق بھویں عزیز ہیں انکو بھی مونڈ لیے

حدت کا جسمیں دخل نہ ہو چھوڑیے وہ کام — گھوڑے کے منھ میں بھی ہو دم میں ہے لگام

ہاتھوں سے قطع راہ ہو ٹھوکرسے ہو سلام — اس منھ سے اشاؔ لئے ہے یہ طریق عام

جو چیز اس سے قبل تھی رائج وہ چھوڑیئے

عینک سے کام لیجیئے آنکھوں کو پھوڑ لیے

عمر۔ دکن کے رہنے والے تھے معتبر خاں نام تھا۔ منصب داران شاہی میں کسی عہدہ پر سرفراز تھے۔ شعر و شاعری کا ذوق تھا اور زیادہ تر ظریفانہ رنگ کے شعر کہتے تھے۔ ولی کے زمانہ میں تھے اور انھیں کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ اج تذکروں میں صرف دو شعر ان کے نام سے ملتے ہیں جن میں ظرافت کا ہلکا ہلکا رنگ ہے۔

بس کرو زلف کو لپیٹ رکھو — کیا اسیروں کو مار ڈالو گے

ایک رسوا بہت ہے شہرت کو — جمع کر کیا اچار ڈالو گے

علی ۔ قلیجاق ۔ اوباشش اصفہان کا سر برآوردہ شخص تھا۔ اسی مذاق کے شعر کہتا تھا۔ ایک شعر یہ ہے ۔

تعلیم بچہ یہ دہیت گر ہوس بود — برخیز و سر بیاے علی قلیجاق نہ

عماد لر۔ ایران کا ایک زبردست ہزال تھا۔ کلام جو ملتا ہے وہ تہذیب سے معرا ہے لہذا نظر انداز کرتا ہوں۔

حرف غین معجمہ

غازی الدین یعنی نواب عماد الملک غازی الدین خاں بہادر وزیر عالمگیر ثانی۔ ان کا ایک شعر اس رنگ میں ملتا ہے۔ گمان ہوتا ہے کہ شاید مستقلاً ظرافت کے اشعار کہے ہوں بہرحال شعر یہ ہے۔

سر سے پاؤں تک سفیدی آ گئی تسپر حال ۔۔۔ شمع سی ہم نے نہیں دیکھی کوئی بوڑھی چھنال

غمگین ۔ مولوی عبد القادر مرحوم متوطن رامپور کا تخلص ہے نہایت جید نہایت عالم و فاضل تھے۔ مراد آباد میں عہدہ جلیلہ صدر الصدوری پر ممتاز تھے تذکرہ صابر میں لکھا ہے کہ باوجود پیرانہ سری کے ظرافت پسند تھے مگر افسوس کہ انکا کچھ کلام ظریفانہ درج نہیں کیا صرف دو تین شعر جن میں شوخی بیان پائی جاتی ہے درج کئے ہیں۔

خدمتیں ساری فراموش شکایت اک یاد ۔۔۔ شبہ میں اک خطا کے ہمہ نیکی برباد
بندگی صاحب من خانہ نیکی آباد ۔۔۔ گر نہادت ہمہ این است زہے نیک نہاد
در شتت ہمہ این است زہے نیک نہاد

جو سے رہی نہ تو شیشہ جھکا کے ساقی نے ۔۔۔ کہا یہ رندوں سے لیجئے سلام شیشہ کا
بندہ کی طلب ہوئے تو سرکار میں آوے ۔۔۔ خلوت میں نہ ہو حکم تو دربار میں آوے

غیاث الملک - افسوس ہے کہ نہ آپ کا نام معلوم ہو سکا - اور نہ حالات کا پتہ چلا صرف (علامہ غیاث الملک کے معنی بہ خیالات) کے عنوان عظیم الشان سے ایک غزل مل سکی - جو مرزا غالب کی غزل پر کہی گئی ہے بفضلہ معنی سے بالکل معرا معلوم ہوتی ہے - مگر اُن لوگوں کے لئے سامان عبرت ہے جو عظیم الشان پر رعب اور سنگین الفاظ رکھکر شعر کے مقصود اصلی تک پہونچنا چاہتے ہیں - اگر ایسا ہے تو غالباً اس صدی میں علامہ غیاث الملک سے ایسے شاعر ایک ہی دو پیدا ہو کر پیدا وار بند ہو گئی ہو گی اور رع ترا کشیدہ دولت از قلم کشید خدا - والا معاملہ پیش آیا ہو گا - بہرصورت غزل یہ ہے -

شب چراغ شعل تصدیع خم فانوس تھا — کسوت شمعوں کا خ غیرت فانوس تھا

ناز آور شموس غرفش ناقوس تھا — لاتج لامع لعوق زاہد بالوس تھا

زندر ودثلغ ثلغ آسودہ ناموس تھا — زورق رو ما ہلاک تختہ کابوس تھا

شبع لذاغ ایاد خلاغ غنت ریود — قسوت قرطاس قرطاس قاموس تھا

قلقل صفرلے ترح کرد بیال — محیط مخروط آکعب شمسہ قابوس تھا

مزل نحاس کوس جلینفاس جوع — قلع زنگا رقسط قصر کیگا وس تھا

شحنہ جوع البقر جہم مغاک قعر صیفر — صفرہ نث نفوس نیر ناوس تھا

مخلع کل غ خشون نزبل کیفا للبوس — بیسر مس ملین قطرب جاسوس تھا

صفر تا نقرس قاع عاط ماق لیف خلد — مجس قطبی فصال نفخ نطلیموس تھا

حرقت محرق قسطاس نق حادرد — شیون تشیخ خل گرزم گنجوس تھا

سرب تا سوت سود فلسطین مستقیم — سوسما رسو و سنیاب طائر محبوس تھا

سندہ بادلوس نجاب سنوات رقود — سم سلحوق حمار قطر جالینوس تھا

لخلخہ لحن نکیبا قمر منجیا روف — قصد قفر تس خمار رغبت طاوس تھا

لف ونشر حریہ شیاد خناس مثیل
نیرمے بازومکاڈ وجنگ زار روس تھا

قاقم ابر جلع تھا قرطاب نشف انعتاس
طارم فقدان لسپچ ضوء شمس لوس تھا

طمطراق نسر طائر قد غن بنت العنب
فیلسوف منع شیوع شعشہ معکوس تھا

ضعف شرح طاپطا مات صغینۃ المجذر
حف لقف عتق تموج حسرت یاپوس تھا

عنطر غوں

عنطر غوں ۔ ایک پختہ مشق شاعر ہیں جو تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی ظریفانہ رنگ میں بھی شعر کہہ لیتے ہیں ۔ میرے دوست ہیں ۔ مگر وقار ذاتی کی وجہ سے اجازت نہیں دیتے کہ ظریفوں کے ساتھ اُن کا نام بھی اس تذکرہ میں آئے ۔ چند شعر بہت سے تقاضوں کے بعد مرحمت فرمائے ہیں وہی درج کرتا ہوں ۔

ہوا ہے گھر ہمارا جب سے برباد
وہ کہتے ہیں ہمیں بندر کی اولاد

یہ جوشِ تمکنت اللہ اکبر
کہ جیسے آپ کا دادا تھا شداد

لباس تو ہے پلی شیریا کی پرمیں
نیا تیشہ خریدیں کیا فرہاد

وصل کی دھن میں جنوں کی پیٹی پر آ بیٹھا
آجکل مجنوں کے چوتڑ پر لنگوٹا بھی نہیں

بھنگ گھٹ پڑی یونہی پھاٹک کے سوتے ہیں ہم
کوئی کونڈی بھی نہیں ہے کوئی سوٹا بھی نہیں

کون سی بات پہ لیلیٰ کے وہ شوہر ٹھہرے
بھائی مجنوں ہے تو ہیں عمر میں چھوٹا بھی نہیں

نازنیں مجھ سے بچے پھرتے ہیں ناحق عنطر غوں
کچھ بھد لسبل بھی نہیں میں کوئی موٹا بھی نہیں

دنیا مرے نظارۂ حسرت کی بدل جائے
نیفہ سے اگر ان کا کمر بند نکل جائے

حرفِ فا

فتحی - نام فتح اللہ تھا۔ ہرات کے رہنے والے تھے۔ ہزل اور ہجو کی طرف طبیعت کا میلان بہت زیادہ تھا۔ ملا مشفقی کی ہجو میں یہ رباعی کہی تھی -

اے مشفقیا چوں بتو پرداختہ ایم | با اشتر خود ترا قرین ساختہ ایم
دو گوز ہمیشہ تو میگوئی شعر | او را بتو در بدیہہ انداختہ ایم

فدا - مولوی عبدالوحید نام ہے - گلاوٹھی ضلع بلند شہر کے رہنے والے ہیں مگر بہ سلسلۂ ملازمت عرصہ سے مین پوری میں قیام ہے - مرزا داغ مرحوم کے ایک خوش فکر خوش مذاق شاگردوں میں ہیں۔ نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں۔ کبھی کبھی مزاحی شعر کہہ لیتے ہیں دو شعر جوان کے صاحبزادے سے بہت عرصہ ہوا سنے تھے وہ آجتک دماغ میں محفوظ ہیں۔ فدا صاحب کی عمر اسوقت تقریبًا ساٹھ پینسٹھ برس کی ہوگی۔ سنا ہے کہ اب بوجہ ضعف بصارت مشاعروں میں بھی شریک نہیں ہوتے

کوئی بیٹھے اگر لاکھ مسٹر ہو نہیں سکتا | مقابل لوٹ کے ہرگز سلیپر ہو نہیں سکتا
نہ دو اچھا نہ دو اچھا نہ ولایت کے کرلیں ہو | مرے ٹیپو کو کیا ٹکر ایسر ہو نہیں سکتا

فدا - سید محمد علی نام تھا۔ مگر لوگ ان کو ان کے عرف فدا شاہ کے ساتھ یاد کرتے تھے۔ لوہاری متعلقات سہارنپور کے باشندے۔ سپاہی پیشہ خوش اختلاط

نیک مزاج پسندیدہ خو تھے۔ مگر اول اول میں ان کے کلام میں شوخی زیادہ ہوتی تھی اور لوگ اسکی تعریف کرتے تھے۔ آخر کار غزل گوئی ترک کرکے آخر عمر میں ہزل گوئی پر مائل ہوگئے۔ مگر کلام عنقا ہے۔ ایک ہی شعر مل سکا۔

جسنے کھایا ہے تیر مژگاں کا   اس کے نزدیک پھانس ہے بھالا

فدائے سخن۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار تھے۔ جن کا اب باوجود تلاش کوئی حال نہیں ملتا۔ انداز بیان سے ابوالکمال مولانا امید کا کلام معلوم ہوتا ہے۔

لونڈے کہتے ہیں یہ دھڑلے سے   شوق ہے ہمکو گیند بلّے سے
سچ تو ہے بندۂ ضلالت کو   کیا غرض کعبہ یا مصلّے سے
ہاں للا ہیں وہی بدایوں کے   کل ملے تھے جو اک بلّے سے
دیکھنے آج میر صاحب کو   لوگ آئے ہیں ہر محلّے سے
غیر کو بد ہیاں بچھائی جائیں   ہم گئے گزرے ایک چھلّے سے
رنڈیاں چوک کی الجھتی ہیں   ایک عاشق مزاج جھلّے سے
شاعری ہند کی ہے وابستہ   آجکل جاہلوں کے پلّے سے

فرد۔ تخلص مولوی وحیدالدین خاں نام تھا۔ خدابخش خاں عرف دربھنگہ ضلع مظفرپور کے رہنے والے تھے۔ اشعار عاشقانہ لیکن اکثر ظرافت آمیز کہتے تھے۔

بند انگیا کے نہ بند ہولے کبھی   عمر بھر بندہ تو نا محرم رہا
سطح سینہ پہ ترے ایسے بُت خیز کیا   ابھرا ابھرا نظر آتا ہے کچھ اٹھا اٹھا

وہاں چھاتی ہے گدرائی یہ کیونکر یہاں کھٹکا　　　درخت بار ور میں بند تھا ہر باغباں کھٹکا

فصاد - بنو جام دہلوی شاگرد شاہ نصیر کا تخلص تھا۔ صاحب تذکرہ گلستان سخن اس کی بابت لکھتے ہیں کہ "نہایت ظریف خوش طبع کشادہ رو سنیک خو تھا۔ شاید شعر گوئی سے غرض یہ تھی کہ موتراشی کے ساتھ موشگافی کو جمع کرے۔ چونکہ اس کے اشعار تذکرہ میں لکھنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے صرف ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں۔"

بادہ کے ہمیں پینے سے کیا کام ہے ساقی　　　مے خونِ جگر آبلہ ہے جام ہمارا

افسوس ہے کہ اس شعر کے علاوہ اس کی ظرافت کا کوئی شعر مجھے کبھی نہ مل سکا۔

فغان - اشرف علیخاں نام تھا فغاں تخلص احمد شاہ بادشاہ کے برادر رضاعی تھے۔ تمام تذکرہ نویس ان کی بذلہ سنجی اور ظرافت گوئی کے مقر ہیں۔ میر صاحب نے لکھا ہے کہ ان کی دو پھبتیاں بہت مشہور ہیں ناگرمل دیوان تن گوکھی کی منڈی کا سانڈ اور حکیم معصوم کو گاؤ گجراتی کہتے تھے۔

مولوی محمد حسین آزاد تذکرۂ آبحیات میں ان کی نسبت یہ لطیفہ لکھتے ہیں۔ خدا معلوم سچ ہے یا اپنی عادت کیموافق صرف دل لگی کے لئے بات کا بتنگڑ بنا دیا ہے بہر حال لطیفہ یہ ہے۔ کہ

راجہ شتاب راے کے دربار میں انھوں نے ایک غزل پڑھی جسکا قافیہ تھا لالیاں۔ تالیاں۔ وغیرہ۔ سب سخن فہموں نے بہت تعریف کی۔ راجہ صاحب کی صحبت میں جگنو میاں ایک مسخرے تھے ان کی زبان سے نکلا کہ نواب صاحب سب قافیے آپ نے باندھے مگر تالیاں رہ گئیں۔ انھوں نے ٹال دیا۔ اور کچھ جواب نہ دیا۔ راجہ صاحب نے خود فرمایا کہ نواب صاحب سنتے ہو جگنوں میاں

کیا کہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مہاراج اس قافیہ کو مبتذل سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ اور حضور فرمائیں تو اب بھی ہو سکتا ہے۔ مہاراج نے کہا کہ ہاں کچھ تو کہنا چاہیئے۔ انھوں نے اسوقت پڑھا۔

جگنوں میاں کی دم جو چمکتی تھی رات کو ― سب دیکھ دیکھ اسکو بجاتے تھے تالیاں

تمام دربار چہک اٹھا اور جگنوں میاں مدہم ہو کر رہ گئے۔

اسی طرح ہر تذکرہ سے یہی پتہ چلتا ہے مگر افسوس کہ اُن کا ظرافت کا کلام تھوڑا سا بھی بہم نہ پہونچ سکا۔

فنا تخلص تھا شیخ باقر نام تھا کالپی کے رہنے والے تھے۔ حافظ ضیغم مولوی عبدالکریم خاں آشنا اور مولوی محمد مظہر وصل وغیرہ بہت سے شاعروں سے اصلاح لی تھی کلکتہ میں پیشۂ تجارت سے اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ ریختی گوئی کا شوق تھا۔ بارہ سو اکاسی ہجری میں زندہ تھے۔ ایک شعر مل سکا۔

کل روپے سونا کو منگوا کر دیے ٹکسال سے ― اشرفی خانم کھو گئی جا کے کندن لال سے

حرفِ قاف

قاآنی۔ حبیب نام تھا۔ اور مدت تک یہی تخلص تھا ایران کے شاعر تھے۔ نہایت مشہور و معروف تھے بلکہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے اور غالباً نہایت صحیح ہے کہ دورِ آخر میں قاآنی سے بہتر ایران میں کوئی شاعر پیدا نہیں ہوا۔ ان کی زبان نہایت صاف تھی۔ کلام میں جوش روانی بدرجۂ اتم تھا مگر خیالات زیادہ تر سطحی تھے۔ جب ان کی شعر و شاعری کا چرچا ہوا تو حسن علی مرزا گورنر خراسان نے ان کا تخلص قاآنی قرار دیا۔ اور انھیں کے ساتھ مرزا عباس سکین کا تخلص بھی بدلایا اور فروغی تخلص رکھا۔ قاآنی اگرچہ مستقلاً ظرافت نہ کہتے تھے مگر تفنن طبع کے طور پر مختلف رنگوں میں شعر کہہ لیا کرتے ۱۲۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۷۰ھ میں انتقال کیا۔ ایک نظم کے چند شعر دستیاب ہوئے جو ہکلوں کی زبان میں کہے ہیں۔ بقیہ اشعار ان کی گلستاں سے منتخب کرتا ہوں۔

پیرکے لال سحرگاہ بطفل الکن ۔۔۔ می شنیدم کہ بدین نوع ہمی اند سخن

کاے ز زلفت صصصبحم شششام تاریک ۔۔۔ وے ز چہرت شششامم صصصبح روشن

تتتریا کیم واز شششہد لبت ۔۔۔ صصصبر و تتتابم ررر رفت از تتتن

طفل گفتا مممن را تتتقلید مکن ۔۔۔ گگگم شو ز برم اے کککمتر از زن

می خواہی مممشتے بہ کککلت بزنم ۔۔۔ کہ بیفتد مممغزت ممیان ددہن

پیر گفتا دو و انڈم معلوم ستا ہیں — گگنزا دم من بچارۂ مادر الکن
دوہ ہفتا دو دہ ہشتا دو سلسلت فنیدوں — گہ گہ گنا گ ل ل لالم بہ خلایق زمن
مم من ہم گ گ گم مم مثل تا ت تو — تو تو تو ہم گ گ گی ہم مثل ہم من

قائم ۔ میر صاحب اور میر حسن نے اپنے اپنے تذکروں میں ان کا نام محمد قائم لکھا ہے مگر تذکرہ گلشن بے خار اور تذکرہ نساخ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد قیام الدین نام تھا۔ بہرحال چاندپور مدینہ ضلع مرادآباد کے رہنے والے تھے۔ اول میں میر درد کے شاگرد رہے بعد ازاں سودا کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ نہایت قادر الکلام اور خوشگو تھے۔ تمام اصناف سخن پر قدرت تامہ حاصل تھی۔ مثنویاں کہنے میں بڑی مہارت تھی۔ تفنن طبع یا رنگ زمانہ کی ضرورت سے ظرافت میں بھی شعر کہتے تھے۔ بلکہ اس میں بعض اوقات اتنے بڑھ جاتے تھے کہ فحاشی تک نوبت پہونچتی تھی۔ ایک بڑا کلیات ہے جو اصناف سخن طرح طرح کی ظرافتوں ہجووں غزلوں قصیدوں رباعیوں وغیرہ سے مالا مال ہے اور عنقریب ایک مطبع سے شائع ہو کر نکلے گا۔ بعض تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ان کا لکھا ہوا ایک تذکرہ بھی ہے۔ مگر وہ مفقود ہے۔ قائم کی عمر کا زیادہ حصہ دہلی میں بسر ہوا اسی وجہ سے تمام اہل تذکرہ اور استادان زباندان باوجود چاندپوری ہونے کے ان کو مسلم الثبوت استاد جانتے اور ان کی استادی کو مانتے ہیں۔ چنانچہ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ "چوں از ابتدائے جوانی در شاہجہان آباد بسر بردہ بنا بر آن محاورہ او درست گشت" سنہ ۱۲۱۰ھ میں انتقال کیا۔ ان کا کلیات ترتیب تذکرہ کے وقت مجھکو نہ مل سکا اس لئے کہیں کہیں سے اس رنگ کے اشعار انتخاب کر کے لکھتا ہوں۔ ورنہ ان کی کلیات میں بہت کچھ موجود ہے خصوصاً گوزی نامہ عجیب چیز ہے۔

کیا پشم ہیں دنیا کے یہ سب اہل نعیم ۔۔۔ بیقدر کریں ہمکو جو دیکر زر و سیم
مسجد میں خدا کو بھی نہ کیجیے سجدہ ۔۔۔ محراب جو خم نہ ہو برائے تعظیم

گندمی رنگ ہے جو دنیا میں ۔۔۔ میری چھاتی پہ مونگ دلتا ہو
کبھی دکھا کے کمر اور کبھی دہاں مجھکو ۔۔۔ پنٹ تتنگ کیا تو نے اے میاں مجھکو
قایم یہ جی میں ہے کہ تقید ہے شیخ جی ۔۔۔ اب کے جو میں نماز کروں بے وضو کروں

قرم ریختی کے انداز میں پانچ سات شعر ملتے ہیں لیکن نام وغیرہ کا کوئی پتہ نہیں مجبوراً صرف شعر ہی نقل کرتا ہوں۔ مگر شعروں میں صرف ریختی ہی کا انداز نہیں ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ کہنے والا اپنے تخلص کو نبا ہنے اور اسم با مسمی ہونے کی برابر کوشش کرتا ہے۔ انداز کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دور حاضرہ سے کچھ پہلے کے کہنے والے کوئی صاحب ہیں۔

چار آنے جو مجھے دو تو میاں تمکو ابھی ۔۔۔ جا کے اڈّے میں حسینوں کے دکھا لاتا ہوں

کس نگوڑی کلموہی نے بد عادی تھی آپسے ۔۔۔ شہر کے چکلوں میں قرم کا پتہ ملتا نہیں
کیا نحوست چھا گئی ہے الٰہی اللہ یہ لوا ۔۔۔ ڈھونڈھتی پھرتی ہوں کوئی مردوا ملتا نہیں
بیٹھکر لٹسوے بہاؤ یا کہو مجھکو برا ۔۔۔ مجھکو تو بیگم کوئی آشنا ملتا نہیں

مردوا پانی بھرے سامنے اسکے بیگم ۔۔۔ بیسوں نا خون جلا کر جو کھلائے کوئی

ڈولی کے پیسے دینے پڑینگے میاں ضرور ۔۔۔ کیا گھورتے ہو تم مجھے دیدے نکال کے
مردوں کے سامنے نہیں آتے ہیں یوں لوا ۔۔۔ اوڑھا کرو ذرا تو دوپٹہ سنبھال کے

اچھے ٹھکانے آپ کو دکھلا کے کیا کروں ۔۔۔ مفلس ہو تم میاں تو میں لیجا کے کیا کروں
دو چار آنے ہوں تو پچھاڑ دوں کسطرح ۔۔۔ قرم اکٹرا ہی کا ہے تو سمجھا کے کیا کروں

دو روز بھی تو میں نہیں رہتی ہوں چین سے
بیگم تمہیں بتاؤ کہ میں ہناکے کیا کروں

چپراسی مری جو مرے گھر نہ آئے وہ
لوٹے چشم ہیں مرد وے پچھتا کے کیا کروں

قُفْنُس مجھے افسوس ہے کہ اس عدیم المثال بدیع الزماں شاعر کا نام نہ معلوم ہو سکا۔ ایک پرانی کتاب میں ایک قصیدہ اس عنوان سے لکھا ہوا نظر آیا تھا "قصیدہ کہ در مدح معتمد الدولہ بہ صنعتے کہ بجز تخلص لفظے ہم معنی ندارد گفتہ شد و بجائزہ اش از بارگاہ فلک اشتباہ بخلعت و انعام سرفراز گردید" مجھے اب افسوس آتا ہے کہ پورا قصیدہ جسمیں بلا مبالغہ دو سو ڈھائی سو شعر تھے کیوں نہ نقل کر لیا۔ ممکن ہے کہ بعض طبائع اس کو پسند نہ کریں مگر میرے نزدیک یہ ایک کمال ہے۔ اور اس صنعت و التزام سے عہدہ برآئی ہر شخص کا کام نہیں ہے۔

مقمل قطلان و قلام قاطر قاد
تقفیل قام قلاعہ قرودم قامل قیم

قریم قودع قرائم قرعقرم قرلوش
مقعسموقا قریقم قرلیشم قعالیم

مقور قورچہ قند ریچ قاقل قیق
قروق قامرق قا قلاں قوغ قمیم

لقوق مقمقہ ماقلاں موق مقاق
مقیر مقاسہ مقساق ما قلعقیم

تمام قنقنہ قندشین تو قل قیز
جقوش قفنت قلا قوش قفنق جقفیم

قمر۔ یا جان۔ یا ہاتف ۔ حالات و نام معلوم نہیں ہو سکے۔ یہ غزل تین ناموں سے ملتی ہے۔ معلوم نہیں کہ اصل مصنف کون ہیں ۱ قمر ۲ جان صاحب۔ ۳ ہاتف صاحب۔ بہرحال میں اول الذکر کے نام سے لکھتا ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ یہی صحیح ہو۔

ہے رام جنکا کام تھا کافر کا مارنا
وہ آج مارتے ہیں تعیا الم کسم

لنڈن سے ہوکے ہند میں جب آنے مانگٹا
ہم جورو لوگ گاڑی میں بٹھلانے مانگٹا

ہم مانگتا سگا ولایت کا سیگرٹ
اور بہرہ لوگ دیسی چرٹ لانے مانگٹا

ہم دیسی حقّہ دیکھ لیا گسہ کر لیا
یہ فول کہہ کے بہرہ کو ہم کھانے مانگٹا

کھانے کا کپڑا ڈالتا نیچے نہیں پسند
کانٹا چھری سے میز پہ ہم کھانے مانگٹا

مٹ بولو ایسا باٹ کہ ہم کالا لوگ ہے
صاحب کا نام ہمکو بہت بھانے مانگٹا

گنگا جلی کھراب ہے جم جم بھچل ہے
ٹمبلر میں شام پین کو پلوانے مانگٹا

مٹاسب کھدا کا نام نہیں چرچ میں ہیں
ہم گھوڑا گاڑی کرنے فکٹ جانے مانگٹا

مسٹر فلپ جو آتا تو کھش ہوتا ہم بہت
جب باپ ملنے آئے تو سرمانے مانگٹا

ہم دیسی لوگ کی طرح ہکٹا نہیں بھچول
صندوک اب پکھانے کا بنوانے مانگٹا

کرتا بہت سا گسہ ہوں ہوتا ہوں کھر کھراب
جب ڈیسی بھائی ملنے ہمیں آنے مانگٹا

جاہل پہننے مانگٹا پاجامہ لوگ کو
ہم برجس اور سوٹ کو سلوانے مانگٹا

سر پر نہیں لپیٹتا لمبا سا کپڑا ہم
ہم ہیٹ ایک گھاس کا بنوانے مانگٹا

پیٹا ہے دودھ یہ ماؤں کا بیوکوف لوگ
ہم دودھ گھر کا بچہ کو پلوانے مانگٹا

ایک جگہ یہ مقطع ہے

ویل ہاف صاحب بولڈ یا کھوب یہ گجل
سب لیڈی لوگ باجے پہ گانے مانگٹا

حرف کاف

کافر محمد طاہر نام تھا اصفہان کے رہنے والے تھے۔ نہایت علم دوست اور نیک طینت تھے مگر ظرافت اور ہزل کا طبیعت پر اسقدر غلبہ تھا۔ کہ بعض بعض کفر کے کلمے کبھی ان کی زبان سے اسی ظرافت میں نکل جایا کرتے تھے۔ اسیوجہ سے لوگ ان کو حاجی کافر کے نام سے یاد کرتے تھے۔ نمونہ ظرافت

نوشتم نامۂ سوئیت پنہانی ۔۔۔ کہ غیر از سار بانش کس نہ داند
میانِ من و تو رمزی است پنہاں ۔۔۔ کسے داند کہ اشتر میچر اند

کافر ٹکیہ ۔ میر علی نقی نام تھا۔ قوم سے سید اور نہایت صحیح النسب تھے۔ سپاہی پیشہ تھے زمرۂ ملازمین میں دربار محمد شاہی میں عمر بسر کرتے تھے۔ جب شعر کہتے تو ہزل اور ظرافت کی چاشنی ضرور دیتے۔ اور جب سناتے تو کہتے کہ جناب شعر نہیں ہے ٹکیہ ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان کا تخلص ٹکیہ مشہور ہو گیا تھا۔ میر صاحب کے دلی دوست تھے۔ عجیب خوش مذاق تھے پہلے جب فارسی شعر کہتے تھے تو تسکین تخلص فرماتے تھے۔ پھر اسکو چھوڑ کر جنوں کرنے لگے اس کے بعد جاوید خاں خواجہ سرا کی سرکار کے نمک خوار ہوئے تو کافر تخلص اختیار کیا۔ ایک روز میر ضاحک کے پاس بیٹھے ہوئے تھے میر ضاحک کہنے لگے کہ تم فارسی اور ہندی تو کہہ چکے اب مزا تو یہ ہے کہ عربی کہا کرو اور کافر کو چھوڑ کر ملعون تخلص رکھو۔ یہ سنکر

بہت ہنسنے ایک رباعی بطورِ نمونہ کلام درج کرتا ہوں ۔

کیا پھرتی ہے میکدہ میں مٹکی مٹکی　　　زاہد عابد سے دور چھٹکی پھٹکی
قاضی کا نہ ڈر نہ محتسب کا کافر　　　یہ دخترِ رز بھی جس سے اٹکی اٹکی

کافرک نام جلال الدین تھا ناصر الدین غزنوی کے بیٹے تھے ۔ ایک زبردست ظریف اور ہزل دوست تھے ۔ اشعار میں بھی وہی رنگ ہوتا تھا ۔ ایک شخص جو نہایت کنجوس تھا اُس کی ہجو میں یہ شعر کہے تھے ۔

پدرش گر بنانش دست برد　　　پسرش گرد بخوانش در نگرد
بہ برد زود دستہائے پدر　　　بکند چست چشمہائے پسر

کالے صاحب تلہر ضلع شاہجہاں پور کے رہنے والے تھے نظیر اکبر آبادی کو کلام دکھایا تھا ۔ کم اوقات غریب آدمی تھے مگر ظرافت کے پتلے تھے ظریفانہ غزلیں نظمیں بہت سی کہی تھیں مگر چونکہ زمانہ نے قدر نہ کی وہ سب ضائع ہو گئیں کچھ شعر جو ایک دوست کے حافظہ میں محفوظ تھے مجھ تک بھی پہونچ گئے ۔

میں کہا پاس تو آمیرے تو لے ماہ جبیں　　　تو کہوں حال دل اپنے کا میں اے لعبتِ چیں
لیکے دل تو نے نہ دیکھا یہ مرا حال حزیں　　　ہنس کے کہنے لگی دل تو نے دیا کس کے تئیں

میں کہا کھا تو قسم کہنے لگی چل جھوٹے

میں کہا چل تُرے گھر کہنے لگی کتنی دور　　　میں کہا چار قدم کہنے لگی چل جھوٹے

میں کہا رو دیا بہت بولی کوئی شاہد لا　　　میں کہا چشم ہے نم کہنے لگی چل جھوٹے

جی میں مرے بیٹھے بیٹھے آیا　　چل یار کے گھر کسی بہانے
زنار پہن کے قشقہ کھینچا　　لے ہاتھ میں پوتھی کوئی چانے
کاشی سے ابھی نئے ہیں آئے　　جو کہئے کسی سے سو وہ جانے
القصہ میں اس گلی میں جا کر　　آواز بدل لگا لگانے
پنڈت ہوں شگن بچارتا ہوں　　اشلوک کے یاد ہیں فسانے
یا پاس کھڑا نہ ہونے دیتا　　یا آپ لگا مجھے بلانے
تب ہاتھ میں ہاتھ لیکے بندہ　　سچ جھوٹ اُسے لگا بتانے
روٹھا ہے جو یار وہ تمھارا　　تم جاؤ اگر اُسے منانے
وہ آئے اگر تمھارے گھر پر　　دولت سے لگے اُسکے ساتھ آنے
پرکھا مری بات کو وہ چالاک　　معشوق تو ہوتے ہیں سیانے
کہنے لگا پھر وہ مجھسے ہنسکر　　بھیجا ہے تجھے آج بے حیانے
کھسکا دبے پاؤں پھر تو بندہ　　جی مفت بچا لیا خدا نے
پہچانتا گر وہ مجھکو قاتل　　تو آج لگی تھی جان ٹھکانے
یہ تیج کی باتیں من سے کالے　　کیوں لہر میں آئے ہو دولئے

ظرافت کے ساتھ ساتھ فحش گوئی کا بھی چسکا تھا مگر وہ ایسی نہیں ہیں کہ ان کو پڑھا جائے اور اس سے تنغض کی بجائے تفریح ہو لہذا نظر انداز کرتا ہوں۔

کٹر۔ عرف محمود۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ ایک غزل نمونہ کلام کے لئے لکھی جاتی ہے اور نہ نام معلوم ہے نہ کسی تفصیلی حال سے اطلاع ہے۔

ساقیا تجھکو قسم ہے کالئے استاد کی　　ایک جی سے خبر لے اس دل ناشاد کی

کالی بوتل سے پلا دے جلد اک جام شراب | کیوں خبر لینا بخوبی ہی مجھے حساد کی
گنڈیاں پیچھے لگی ہیں قفل ہے آگے پڑا | پاجامہ کی وضع تم نے نئی ایجاد کی
اسقدر کافی نصیحت ہے یہ کٹر کی سنو | چھوڑ دینا اب روش اس بغض بے بنیاد کی

کٹ کٹار۔ غازی پور کے رہنے والے تھے اور ظرافت کا رنگ نہایت بہترین کہتے تھے مگر افسوس کہ کسی طرح کلام دستیاب نہ ہو سکا۔ مکرمی شاہ نذیر صاحب ہاشمی نے وعدہ بھی فرمایا۔ مدتوں منتظر بھی رکھا۔ مگر وہ وعدہ وعدہ ہی رہا تاآنکہ آج مجھے تذکرہ میں صرف ان کے نام پر قناعت کرنا پڑی۔

کشنیز۔ بدایوں کے رہنے والے اور پیر کشنیز کے نام موسوم ہیں۔ مگر دراصل واقعہ یہ ہے کہ اس نام سے ایک فرضی دیوان طبع کرایا گیا ہے۔ اس کے مصنف غالباً ایک اور صاحب ہیں جنھیں میں جانتا ہوں مگر چونکہ کسی مصلحت سے انھوں نے دیوان کو اپنے نام سے مدوّن نہیں کیا۔ اس لئے میں اُن کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ بہرحال انتخاب دیوان یہ ہے۔

تیری قدرت ہی سے پانی بھی ہوا دو ٹکڑے | پشت پر نیل کے موسیٰ نے جو سونٹا مارا
ہنہناتا ہوا بھاگے گا زبس طائر روح | موت کا جب ملک الموت نے کوڑا مارا
توڑ دی پشت عدو میں نے پکڑ کر گردن | کہہ کے یا قادر و قیوم جو گھونسا مارا
بال گر جائیں گے اڑ جائے گی طبلی کشنیز | ملک الموت نے جب چاند پہ جوتا مارا

ہم نے محفل سے تری غیر کو ٹلتے دیکھا | یعنی شیطان کو جنت سے نکلتے دیکھا
اب خدا جانے وہ کھٹمل تھے کہ دل کے ٹکڑے | جو تڑپتے انھیں کچھ تم نے مسلتے دیکھا

وعدہ وصل کبھی یار کا پورا نہوا — روز گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے دیکھا

غیرت لالٹین رشک چراغ — یار کیا خوش جمال ہے میرا
میں نے بوسہ لیا تو روٹھے کیوں — تم بھی چومو یہ گال ہے میرا
ان کو میں نے چھوا تو بولا غیر — اے میاں اے یہ مال ہے میرا
آن کو لڑوا دیا رقیبوں سے — اک یہ ادنیٰ کمال ہے میرا
سب خمیری چپاتیاں میری — پر یہ اک شیر مال ہے میرا
دیکھ پروین کو وہ یہ کہتے ہیں — منہ کا تھوکا لگا گال ہے میرا

ایک دن کا ذکر ہے یہ ایک دن کل کا جرا — اک رقیب روسیہ نے مجھسے آکر یہ کہا
کون سا مینے کیا ہے جرم جسکی وجہ سے — وہ پئے آزار ہے دنیا کا ہر چھوٹا بڑا
کوئی بتلاتا ہے مجھکو بد خصال و بدمعاش — کوئی بتلاتا ہے الو کوئی کہتا ہے گدھا
کوئی بتلاتا ہے غنڈا کوئی کہتا ہے ذلیل — کوئی بتلاتا ہے شہدا اور کوئی چرکٹا
کسکو کیا میں نے کہا ہے کب ہوا کسکے خلاف — کسکا میں نے کیا بگاڑا ہے لیا کسکا ہے کیا
میں یہ بولا ہیں تو سب اچھائیاں تم میں مگر — بات اتنی ہے کہ ہو سو..... کے.....

کچھ خبر بھی ہے تجھے او مست خواب — غیر بوسے لے رہا ہے بے حساب
یہ حرمزدگی تو آن کی دیکھئے — خط طغرا میں لکھا خط کا جواب

کبھی نخرے کی چڑھائی ہے کبھی غمزہ کی — وصل کی رات ہے یا فتح مہماں کی رات
لیں بلائیں کبھی سرکی تو کبھی تدمونکی — لیلۃ الوصل بنی ردبلیات کی رات

جا کے تھانے میں رقیبوں نے لکھائی ہے رپٹ — کرتا تا ہی نہیں یار بہت ہے نٹ کھٹ
اپنے چہرہ سے اٹھایا جو نہی آنسے گھونگھٹ — بھتنیاں لینے لگیں سر کی بلائیں چٹ پٹ
جل رہے ہیں طپش عشق سے لاکھوں عاشق — یہ گلی ہے تری ظالم کہ کوئی ہے مرگھٹ
رہ الفت کی خرابی سے میں بچتا کیونکر — کھا کے ٹھوکر جو نہی سنبھلا تو گیا پاؤں رپٹ
کسقدر حضرت کشنیز بھی ہیں شوخ مزاج — نام معشوق کا رکھا ہے میاں رجا پٹ

ستیاناس ہو رقیبوں کا — ہیں یہی اس لڑائی کا باعث
ہے وہی قفل اور وہی کنجی — پھر شکھلنے کا کیا ہوا باعث
جوتے پڑتے ہیں کیوں تڑاق تڑاق — کوئی موجب سبب خطا باعث

کہتے ہیں کیا یار نے دنیا سے سفر آج — بے پر کی اڑائی ہے رقیبوں نے خبر آج
دینا ہی جواب انکی دریدہ دہنی کا — کرنا ہے حسینوں کو مجھے شہر بدر آج
جوتی ہے نہ ٹوپی ہے نہ کپڑا ہے بدن پر — لی حضرت کشنیز کی لونڈوں نے خبر آج

کیوں چھیڑے کسی کو ہو تم خرس بیاباں کی طرح — بات کرنا ہو کرو دور سے انساں کی طرح
آپ کا خرچ چلے غیر سے رشوت انکو لے — بیٹھنے دیجئے دروازے پہ درباں کی طرح
ڈورے ڈالے ہیں رقیبوں نے مٹھائی دیکر — پیچ در پیچ ہیں وہ سنبل پیچاں کی طرح
سنکے اشعار وہ کشنیز کے فرماتے ہیں — کھیت میں نظم کے ہل جوتا ہو دہقاں کی طرح

قابو میں طبیعت رہے یہ ہو نہیں سکتا — جب ایک ہی خانہ میں رہیں مادہ و نر ینگ
گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں نکیرین لحد میں — جاؤں تو کہاں جاؤں ادھر بند ادھر بند

کہتے ہیں شبِ وصل وہ شرمیلی ادا سے ‏ ‏ لا دو مجھے پنجاب سے ریشم کا کمربند

قیمت بتا رہے ہیں وہ بوسے کی دو ٹکے ‏ ‏ کیا کیا ہے اُن کو اپنے خریدار پر گھمنڈ
کمشنر ہمکو اپنی ٹٹیا پہ ناز ہے ‏ ‏ اس شہسوار کو جو ہے رہوار پر گھمنڈ

پھنسے بیطرح آکے وہ میرے گھر ‏ ‏ نہ بچنے کا موقع نہ جائے مفر
اسی دھن میں رہتے ہیں شام و سحر ‏ ‏ کہ چڑھ جائے ہتے کوئی سیمبر
گئے پیر کمشنر جب اُن کے گھر ‏ ‏ مٹھائی کے بدلے کھلائی مٹر
پٹا میرے وعدے میں کل شب رقیب ‏ ‏ بلا یوزنہ کی طویلے کے سر
حسینوں کے بوسے ٹکے سیر ہیں ‏ ‏ اسی پر وہ کرتے ہیں اپنی گزر
مزے سے گزرتی ہے قلاش کی ‏ ‏ نہ چوروں کا کھٹکا نہ رہزن کا ڈر
مزا تیرے بوسے میں آلو کا ہے ‏ ‏ نہ کچھ اسمیں گڑ ہے نہ اسمیں شکر
طلاق انڈین لیڈیوں کو دیا ‏ ‏ کہ اک میم کمشنر ڈالی ہے گھر

ملا ہے قسمت سے خوب جوڑا بٹیر تیری مرا کبوتر ‏ ‏ نیا تعلق نیا ہے رشتہ بٹیر تیری مرا کبوتر
ابھی تو نام خدا ہیں کمسن ابھی ہیں شرم و حجاب سے قرین ‏ ‏ مگر کہاں تک کرینگے پردا بٹیر تیری مرا کبوتر
یہ اسکی پیاری وہ اسکا پیارا یہ اسکی عاشق وہ اسکا شیدا ‏ ‏ وہ آن مجنوں یہ شان لیلیٰ بٹیر تیری مرا کبوتر

اُسکے گانے کی سنتے ہی آواز ‏ ‏ بزم میں سب لگے بجانے ساز
کبھی اوپر ہیں ہم کبھی نیچے ‏ ‏ خوب ہیں یا دہر کے نشیب و فراز
تھام کر رہ گیا میں دل اپنا ‏ ‏ نظر آیا جو وہ بتِ طناز

یعنی اندر سبھا کے ناٹک کے — باب اول کا ہو گیا آغاز
ہم نے دل نذر کر دیا فوراً — اُسنے جیب کاٹنے کو مانگی پیاز
اسی بندوق ایک نالی سے — میر کشنیز مار لائے قاز

کل جسنے جوتیوں سے حجامت بنائی تھی — پھر لیچلا ہے دل اسی پیمان شکن کے پاس
دو میموں میں ہے مری دولت بٹی ہوئی — کچھ اس دلھن کے پاس ہے کچھ اس دلھن کے پاس
کشنیز اسکی بے دہنی پر نہ جا میتو — گز بھر کی اک زبان ہے اُس بے دہن کے پاس

شہر میں کہنے لگے سب مجھے مسٹر کشنیز — دی تھی اسپیچ جو کل پارک میں پینے پر جوش

ان کو اگر ملال ہے میرے وصال کا — تربت پہ میری ڈھول بجانے سے کیا غرض
ساقی نہیں کلال نہیں پیر مغ نہیں — ان کو شراب وصل پلانے سے کیا غرض
کچھ لام لام زیر سمجھتے ہو تم مجھے — آخر مرا مذاق اڑانے سے کیا غرض
وہ چاہتے ہیں گانٹھ کا پورا نظر کا پٹ — اندھے سے کام ہے انہیں کانے سے کیا غرض

دشمن و دوست میں کچھ فرق سمجھتے ہی نہیں — انکی نظروں میں تو سب ایک ہے کھائی خندق
بزم میں دیکھا جو کشنیز کو بیٹھے تو کہا — کیسا بندر کی طرح بیٹھا ہے الو احمق

مڑوڑے ہاتھ دشمن نے یہاں تک — کہ چھکنا چور کر دیں چوڑیاں تک
رقیبوں نے کیا پٹ جھاڑ انکو — چرا کر بیچ آئے پاندان تک

وہ یہ کہتے ہیں ترے گھر میں چلوں گا تیرے سنگ — اور ترے گھر نہ چٹائی نہ تپائی نہ پلنگ
دونوں رخساروں پہ چھم آئے بال — ہو گیا ختم اُن کا حسن جمال
رکھ گئے موٹا سا دوش پہ ڈنڈا — میر کشنیز چاہیئے سسرال

یار کی گالیاں دورنگی ہیں — بعض میٹھی ہیں بعض کھٹی ہیں
کہیں فقروں میں آنیوالی ہیں — وہ بھی شیطان کی بھتیجی ہیں
ہے بڑھاپے میں شوق حوروں کا — شیخ جی کیا ہیں شیخ چلی ہیں
اللہ اللہ ایسی نازکی — جیسے ہم دودھ میں کی مکھی ہیں

نہ مرغی ہے نہ مرغا ہے نہ بچا ہے نہ انڈا ہے — تمھارے پاس ہے ہی کیا فقط ڈھانچا ہی ڈھانچا ہے

نہ لٹو کلڑے کر کے گھٹنے مرجاں — کہ اُدھڑی ہوئی ہے میانی تمھاری

ذرا میر کشنیز پگڑی سنبھالو — کہ اب سر پہ جوتا پڑا چاہتا ہے

وصل کی رات انھیں صبح تک سونے نہ دیا — جب ذرا آنکھ لگی ناک میں بتی کر دی
وصل کی رات بھی شوخی سے وہ باز آئے — پیستے پیستے کشنیز کی چٹنی کر دی

جب چلے دنیا سے دامن جھاڑ کر — شیخ کی داڑھی ادہ پیچ کر رہ گئی
عشق میں صورت ترے کشنیز کی — گھٹتے گھٹتے مثل بندر رہ گئی

خون عفت کا ہوا شیشۂ عصمت ٹوٹا — آپ نے غیبت کے ملنے کا نتیجا دیکھا
چوپا چاٹی ہی اگر رہتی تو چنداں غم تھا — رنج اسکا ہے انھیں دشمن نے ننگا کر دیا
جام وصال کے عوض بوسۂ لب عطا کیا — موت کا تھا مقدمہ ڈگری ہوئی نجارہ

کمترین — ان کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ میر حسن اور میر تقی میر دونوں نے اپنے اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ مگر نام نہ انھوں نے لکھا نہ انھوں نے۔ میر حسن نے لکھا ہے کہ ایک شخص نوکری پیشہ نواب عماد الملک کی سرکار میں ملازم تھا۔ اور اپنی استعداد کی موافق شعر خوب کہتا تھا۔ میر تقی میر لکھتے ہیں کہ ہزل کی طرف اسکے مزاج کا میلان بہت زیادہ تھا۔ کمترین نے ایک شہر آشوب بھی لکھا ہے جس کے یہ چند شعر تذکرہ میر تقی میں درج ہیں۔

تو خصم گن کر مشلچن نے کیے — تو بھی نہیں رہتی دو شاخہ بن بیٹے
پلائیں مفت نصرانی کو تاڑی — انگاڑی اصطبل کے جا پچھاڑی
یہ متصدی نہیں ملتے اگر بھانڈوں سے راتوں میں — تو کیوں پیسے کماتے ہیں یہ نقلیں کر کے راتوں میں
دیکھ پکوان والی کی فراخیں — خصم کے روبرو دیتی ہے شاخیں
تم بادشاہ پسند ہو ہم کمترین پیارے — کے سر جھکو دوگے نازک بدن پیارے

کمن — ایک بھنگیڑن کا تخلص یا نام ہے جو بازار بھرتپور میں بھنگ گھوٹتی تھی اور شب و روز مست رہتی تھی قدرت کی فیاضی نے طبیعت موزوں عطا کر دی تھی جو کچھ کہتی تھی خوب کہتی تھی۔ ایک شعر اس کا ملتا ہے۔

لے بوا میں نہ ہوئی حضرت شبیر کے ساتھ — زہر دیدیتی مرے شمر کو بس گھر کے ساتھ

کوثر۔ سید محمد حسین نام ہے لکھنؤ وطن ہے۔ ابتدائے عمر سے شعر و شاعری کا شوق دامنگیر رہا۔ اول اول کچھ غزلیں منشی بالکرشن صاحب قمر لکھنوی تلمیذ امیر مرحوم کو دکھائیں۔ اس کے بعد راقم الحروف سے مشورہ سخن کرتے رہے اور اب تک جب کوئی غزل کہتے ہیں تو سنا دیتے ہیں۔ اوائل میں نہایت خوش طبع رنگیں مزاج تھے۔ ظرافت سے طبیعت کو ایک خاص قسم کا لگاؤ تھا۔ اسی لئے ظرافت کے شعر بھی کہتے تھے۔ عطاری کی دوکان کرتے تھے۔ جہاں شہر کے اچھے اچھے نامی گرامی شعراء کا مجمع رہتا تھا۔ ہر وقت شعر گوئی اور شعر خوانی ہی کا مشغلہ تھا۔ بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ اور خود بھی طرحی مشاعرے کیا کرتے تھے۔ اردو ادب سے خاص دلچسپی تھی۔ اگرچہ علم کی تحصیل بہت معمولی تھی مگر اساتذہ فن کی صحبت نے ضروریات شعر سے باخبر کر دیا تھا۔ ایک دیوان رنگ قدیم میں کہہ کر جمع کر لیا تھا۔ مگر افسوس کہ عین شباب کے عالم میں مصیبت کا پہاڑ پھٹ پڑا۔ جسنے تمام لذتوں سے محروم کر دیا۔ کچھ امراض پیدا ہوے۔ اسی میں آشوب چشم ہوا بینائی نے جواب دیدیا۔ اور تمام عیش و سرور پر پانی پھر گیا۔ کوئی حکیم ڈاکٹر باقی نہ رہا کہ علاج نہ کیا ہو۔ مگر بالاتفاق سب نے جواب دیدیا کہ مرض لاعلاج ہے اب گوشۂ انزوا میں پڑے ہوئے اللہ اللہ کرتے ہیں۔ اور زندگی گذار رہے ہیں۔ ترتیب تذکرہ کے وقت یہ شعر دیئے تھے جو درج کرتا ہوں۔ روزانہ شام کو میرے پاس آتے ہیں اور تھوڑی دیر غم تراشی کرکے چلے جاتے ہیں عمر تقریباً ۳۴-۳۳ سال ہوگی۔

تمہاری فارغ البالی کا کیا کہنا ہے اے کنگھی بنے پھرتے ہو چھیلا سے نہ مونچھیں ہیں نہ داڑھی ہے

الٰہی کس طرح نکلے گی آخر وصل کی حسرت وہاں نازک نفس ہے اور یہاں اک اونٹ گاڑی ہے

ہمارا اور تیرا ساتھ کیا ہوگا بھلا واعظ
ترے قدح میں زمزم ہے مرے کلھڑ میں تاڑی ہے

ہوس سے آج خالی کوئی پیر انہیں ملتا
وہ کیلا ڈھونڈھتا ہے اب جسے کھیرا نہیں ملتا
لبوں سے ان بتوں کے ایکدن لذت نہیں پاتا
وہ مکھی ہوں جسے بازار میں شیرا نہیں ملتا

چلاتے ہیں ستم کے تیر سب پر حکمراں ہوکر
خدائی فوجداری کررہے ہیں وہ جواں ہوکر
پھر رہی ہے تری شمشیر جفا اے قاتل
اک جہاں میں ملک الموت کی اماں ہوکر
طائر دل نے بہت رنگ کھلائے انکو
کبھی الو کبھی مرغا کبھی ٹٹیال ہوکر
نقد دل ہار دیا ہم نے جوئے خانے میں
پھر گئی آنکھ فسوں ساز کی ٹیاں ہوکر

اسنے بے رحم کے ڈالا مجھے بس میں
دم کاٹ کے صیاد نے رکھا ہے قفس میں
تیغ ستم کا کوٹا ہے لیسنس لیجئے
چالان ہوگا ورنہ کسی روز آپ کا
رہتا ہے اسکی دم میں کوئی خط بندھا ہوا
اڑتا ہے جب کبوتر پاموز آپ کا
دنیا نہائی چشمہ فیض کرم میں آہ
میں ہی نہیں شرف اندوز آپ کا

کیودل ۔ عبد العلیم نام تھا ۔ شنہ میں جب راقم الحروف گڑھ مکتیسر میں رہتا تھا تو ان سے ملاقات ہوتی تھی ایک صوفی درویش منش آدمی تھے اساتذہ سلف کے ہزاروں ظریفانہ اور عاشقانہ شعر یاد تھے ۔ شعر و شاعری سے اتنا شغف تھا کہ میں نے جب کبھی ان کو دیکھا شعر ہی پڑھتے ہوئے دیکھا ۔ خود بھی شعر کہتے تھے مگر مزاج میں شوخی اتنی تھی کہ ہزل کا رنگ اختیار کرنا پڑا تھا ۔ کچھ شعر یاد ہیں درج کرتا ہوں ۔

جب سے ہوئے قلندر او چاند کی گہنائی ‏ — جس خورشید نے دیکھا اُسے چپت جمائی

یہ لیلی اور شیریں دونوں ہیں بہنیں ‏ — فرہاد اور مجنوں دونوں ہیں بھائی بھائی

کل بزم میں کچھ آنے کی اس طرح رکھائی ‏ — جب ہم کو چین آیا جب جا کے کھیر کھائی

چپاج مانگے ہے مصور کھلیں ابھی بھائی نہیں ‏ — اس لئے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں

سب ہجر میں تمہارے نالے ہیں عاشقوں کے ‏ — بلی کی میاؤں میاؤں کوّوں کی قاؤں قاؤں

گڑ میں ملا کے مجھکو وہ زہر دے رہے ہیں ‏ — اے دوستاں بتاؤ میں کھاؤں یا نہ کھاؤں

کھونٹا ۔ مجھے ان کا نام اور پتہ معلوم نہیں۔ مگر مرزا واجد حسین صاحب یاس نے اُن کے ایک دو شعر سنائے اور بتایا کہ یہ میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ یا ہیں۔ بہر حال میں نے سخت کوشش کی کہ اور کلام ملے یا نہ ملے کم سے کم ان کا پتہ ہی معلوم ہو جائے۔ مگر ناکام رہا۔ بلکہ معلوم ہوا تو یہ معلوم ہوا کہ یہ میرٹھ کے رہنے والے ہی نہ تھے۔ بہر حال یہ تخلص ہے اور یہ اُن کے کلام کا نمونہ ہے۔

ہائے تجھ بن چارپائی بھی ہے چپ ‏ — آج وہ آواز چرخ چوں نہیں

ہم نہ کہتے تھے کہ ہرگز ان پہ تھپ تھپل ‏ — لے کے دف کھانے لگا گھبرا جاتا رہا

حرف گاف فارسی
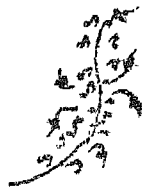
گرم۔ مظفر علی خاں نام تھا رام پور کے رہنے والے تھے صاحب تذکرہ گلستان سخن نے ان کو ظریف لکھا ہے۔ ایک شعر بھی ظرافت کے رنگ کا ملتا ہی ممکن ہے کہ اور کلام بھی اس رنگ کا ہو۔

حال عاشق کبھی پوچھے نہ ملائے چشم ۔ آنکھیں کیا چرنے گئیں ہیں تری اے آہو چشم

گمنام۔ شیخ احسان علی نام تھا ہاپڑ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے شیخصاحب مرحوم عمر بھر ایک ممتاز عہدہ سرکاری پر متعین رہے جب پنشن لیکر آئے تو ہاپوڑ میں منشی ابن علی مرحوم کے دم سے شعر و شاعری کا چرچا تھا۔ اور انھیں کی مساعی جمیلہ سے شعر و سخن کا بازار گرم تھا۔ مقامی شعراء کے علاوہ میرٹھ اور دوسری دوسری جگہوں سے بھی شعراء آتے اور یہاں کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ شیخصاحب بھی بعض بعض صحبتوں میں شریک ہوتے اور للچائی ہوئی نظروں سے شاعروں کو دیکھتے تا اینکہ ایک دن جاڑے کی شدت سے سورج بھی افق مشرق میں کانپ رہا تھا۔ شیخ صاحب ایک لوئی اوڑھے ہوئے منشی ابن علی مرحوم کے مکان پر پہونچے اور سب سے پہلے آغاز کلام اسی جملہ سے کیا کہ بھئی رفیق میں تو سمجھتا تھا کہ شاعری بھی ایک دشوار اور مشکل الحصول فن ہے مگر آج تو یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں رفیق مرحوم نے کہا کہ چچا بھلا آپ کی قابلیت کے سامنے شاعری کیا چیز ہے۔ کیا آپ نے

کبھی آج کچھ نظم فرمایا۔ رفیق مرحوم نے یہ جملے اس وجہ سے کہے کہ شہر کے شعراء میں ایک کہنہ مشق شصت سالہ سخنگو کا اور اضافہ ہوا۔ چنانچہ شیخ صاحب نے کہا کہ لو ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ فوراً اپنی رات کی کہی ہوئی غزل سنا دی جس کا ایک مصرع مشرق اور ایک مغرب کی خبر لا رہا تھا۔ ایک مصرع ایک فٹ کا تھا تو ایک ایک انچ کا۔ سراپا ناموزوں۔ رفیق مرحوم نے ہنسی کو ضبط کیا دل میں خوش ہوئے کہ ایک سامان تفریح ہاتھ آیا۔ داد دی۔ اور ایسی داد دی کہ شیخ صاحب بھی خوش ہو گئے پھر کیا تھا وہ پھر تک قصبہ بھر میں شہرت ہو گئی۔ دنیا غزل سننے کے لئے چلی آرہی ہے اور شیخ صاحب کو داد اور مبارکباد دے رہی ہے شیخ صاحب ہیں کہ اس افتخار پر پھولے نہیں سماتے۔ سلام کے لئے ہاتھ تک نہیں اٹھاتے۔ کہتے ہیں تو یہی کہتے ہیں کہ ہم تو سمجھے تھے شاعری بڑی مشکل چیز ہے۔ مگر لاحول ولا۔ واللہ کچھ بھی نہیں آخر کار فکر ہوئی کہ آپ کا تخلص کیا رکھا جائے عجیب و غریب شاعر کے لئے انوکھے انوکھے تخلص بھی تجویز کئے گئے۔ مگر خرابیاں بھی نکلتی رہیں اور مسترد ہوتے رہے۔ لفظ (گمنام) کی قسمت میں یہ شرف لکھا ہوا تھا کہ اس پیر کہن سال کہنہ مشق کا تخلص قرار پائے۔ اب کیا تھا غزلوں کا تانتا بندھ گیا اور یکے ہی روز دو دیگرے ہی آید کی مصداق بالکل صادق آگئی۔ احباب کے مجمع میں تجویز ہوئی کہ (چچا) کا کلام ضائع نہ ہونے پائے چنانچہ کلام کے جمع کرنے کی تاکید اکید عمل میں آئی۔ گمنام صاحب جو (چچا) کے بزرگ خطاب سے شہر بھر کے مخاطب تھے ہاپڑ کے بڑے بڑے مشاعروں میں شریک ہوتے رہے۔ راقم الحروف بھی جب ہاپوڑ جاتا اور بدنصیبی سے ملاقات ہو جاتی تو اس روز پہروں کلام سننا پڑتا۔ ہاپڑ کے عظیم الشان مشاعرے کا زمانہ آیا اور چچا صاحب نے بھی تیاریاں کیں چنانچہ عین مشاعرے میں انجان شاعر آپ کی شاندار سفید داڑھی

کو دیکھکر خدا جانے اپنے دل میں کیا کیا کہہ رہے تھے کہ آپ نے غزل پڑھنی شروع کی
ابتو مشاعرے کی رنگت ہی بدل گئی۔ مہذب لوگوں نے کسی نہ کسی طرح قہقہے کو روکا
اور ہمہ تن داد دینے میں مشغول ہو گئے۔ اور جن سے ہنسی ضبط نہ ہوئی انھوں نے
ظریفانہ داد دینے میں دل کی بھڑاس نکالی۔ چونکہ لوگ اکثر خاموش تھے مجمع احباب
کا مگار۔ آپ ہاتھ میں رومال لئے دونوں ہاتھوں سے دورویہ سلام لیتے ہوئے
چلے جارہے تھے چار پانچ سال کا عرصہ ہوا کہ انتقال کیا۔ اور صحیح گمنام ہوگئے
آپ کے کلام کی ظرافت یہی ہے کہ اس کے مصرعوں کو دیکھئے اور اس کی
ناہمواری سے لطف اٹھائیے اور برابر والی الابل کیف خلقت پڑھتے جائیے
نمونہ کلام میں وہ غزل لکھی جاتی ہے جو ہاپوڑ کے سنہ ۱۵ یا ۱۴ ۔ کے عظیم الشان
مشاعرے میں پڑھی گئی تھی۔

اے زیب تاج خلافت تمھارے نور سے سر پر عرش مخلل ہو گیا
اسم اعظم دافع رنج و محن شرک و بدعت کا قائل ہو گیا
ازل سے دل ہمارا رخ انور پہ مفتون و مائل ہو گیا
اس مضغۂ گوشت کو کواکب پر رتبہ فوق الفوق حاصل ہو گیا
صفحۂ مردمک چشم مضمون رخسار کی منزل ہو گیا
داغ جبیں سائی جانبازاں کا اکلیل مکلل ہو گیا
ہمنے نقد جان و مال وقف منظر کر دیا افلاس کا مل ہو گیا
لطف و کرم سے مرتبہ الفقر فخری کا خوب حاصل ہو گیا

ہماری تپ مفارقت کے معالجہ کو یہ نسخہ مکمل ہو گیا
رخ پر نور کی طباشیر جبیں کا تل دانہ ہیل معتدلہ ہو گیا

تنگدستی سے ہمارا حال بنظر خلقت مستبدل ہو گیا
اے رحمت عالم اب تو مکافات رشتی عمل ہو گیا

حاصل ہو لیاقت نعت کی دیر چرخ کو غیر ممکن ہے
یہ فخر ازل سے گمنام نازک خیال کو حاصل ہو گیا

حرف لام

لاا علم ۔ اس گوشۂ گمنامی میں رہنے کے باوجود بھی آپ اتنے مشہور معروف ہیں کہ ہر شخص آپ کو جانتا پہچانتا ہے اور دل سے آپ کے کمالات کا معترف ہے آپ کے چند شعر درج کرتا ہوں ۔ سب سے پہلے ایک واکھوسٹ (واسوخت) سنئے جو پوربیہ کے گنوار اور دیہاتیوں کی زبان میں کسی نے کہا ہے اور اس عہد گی سے کہا ہے کہ جواب نہیں ہے افسوس کہ باوجود تلاش بھی یہ پتہ نہ چل سکا کہ اس کے لکھنے والے کون صاحب ہیں ۔

کاکہی کبھو الا کے کا رکھنت چینت رہے	گاؤں ماں جاے کے کنکوت کھیت رہے
آپ پیٹہ ہم اساین کا سدا دیت رہے	اپنے مہتوں سے بخر بھیٹ بھی لے لیت رہے

کاہے جر جاے کرہیچ اب نہ تما کو ہوئے کے
ٹیہہ کی جھو نجھ ماں ہم بیٹھے ہیں الو ہوئے کے

جو کہی تم تے وہی ست گجو دھر جا نیو	ہمکا مسنیٔ نہ کھیو منیٔ کا ماکھس جانیو
تمکا تب کیا آپنا تم اپن گھر جانیو	اس کبھو کام نہ اب آپ کا نوکر جانیو

کھر پچ کی اور سے تنگی نہ دیہو تم افکا
تمکا سوخت ہے رکھیو چین سے ٹھکرائن کا

جیو لو سیاکل ہے بہت کاکہی اب اپنی کتھا	پیٹ تو ہوت ہمار وگ ہے بس منہی کا
کیسہ جُر پیروا ماں چھودن تے سنا صاحب کا	کھوب بالن ماں ملاتیل کا حلیمن اینچا

دھر کے موڑے پہ چمکدار پٹریا نکسن

جیسے تنجات ہے پھن کاڑھ کے کریاسن

کالھ دوئی کوس پہ ان کا جو سنا سب کام　　جیو ہاں آوا کہ کرن جائے صاحب کا سلام

چڑھ کے گھوڑے پہ بڑے ٹھاٹھ سے تھامن جو لگام　　گھوڑ کس پینگ بھرس کا کہی ہم تے کا نام

پاؤں دھر دین رکابن میں جو چھیلا ایسے

ہم چلے جات رہے راہ میں چھیلا ایسے

ایک بگیا ماں پڑی پال رہی کہس پورت　　بیٹھی اوہاں رہی اک کامنی سندر مورت

ناسب اب کا کہی بس رام نے ہے اس بھل صورت　　ہم جو دیکھا تو رہی دور تے ہم کا گھورت

دھر کے کس پیچ دہس ہمرا کریجن جیسے

میکو اکا ہے نہی ہے ناکہت ہن جیسے

پھر کہاں تاب رہی گھوڑے کو دن جھمرے　　من ماں یہ سوچ کہوا کیسے ملن جا جم سے

ہاے دیدی کہا اور کہو بیٹھ ہاں گرن بس ہم سے　　ہوئے گئیں گست عجب بوڑ گوا جیو گم سے

سیکوا حال یہ دیکھس تو بہت گھبراوا

بولا دوڑے کوئی ٹھاکر کے ہے مرچھا آوا

ہری چھاتی ماں لگی سانس چلے جب گھر گھر　　دوڑے گھبرائے مہا پال بھون بلبھدر

گوڑ میچس کو تو اور کو سنگھاوا انتر　　اور کو تو پیہ کہس چیت ماں آو ٹھاکر

ہم مدا کو جتن سے نہ جگائے جاگن

گر پڑا وا جو بہت پیٹ تلاے لاگن

ہم تلاے جو گئن جب تو وہ چنچل بد کھاؤ　　میکو دیتے یہ بہن کہہ کے رہے باری ات آؤ

پال تے کھینچ کے پلنگا تنی باہر تو بچھاؤ　　دہرے ٹھاکر کا تو ہم بوجھ گئن سب بتاؤ

سہی پلنگا پہ جب اہمیں تو بٹھائے پا آنکا

اُن کے بچپنن کا مجا کھوب چکھے با اُن کا

ہم تلاے سے بچھڑن باگ ماں پلکا پاوا　　تب تو دی چھیل چھبیلی کا تنک ملوا وا

پاس بیٹھاں نے اور نسے یہ ہم کہلاوا　　تم تو نگیا ماں ہوا کھوب کرت ہو کھاوا

ہم کہا اُنسے کہن آنکھ سے لگی نہ کرو

میکو اکا ہے کہن ہنسکے د لگی نہ کرو

دوس تو بیت گوا ہمکا ہوئین باتن بات　　جب گئے سورج لکتے اور تنک آئی رات

ہم کہا اُن سے کہ ہم تو بن اب گھر کا جات　　بولی رہ چلنے کی کچھ ہوت نہیں ہے ملیکات

اس نہ تم نہکی نہک کوڈ کا جیو جار کے جاؤ

جی کے اب کا کرینبے جات ہو تو مار کے جاؤ

اُن کی انکھین سے لگے آنس بہے جب جھر جھر　　پھر تو تھامے نہ تھا جیو کا مسوسا وہ دم

ہم کہا رو نہ جیو اپنا رہت ہے پھر پھیر　　ہاتھ چھاتی پہ رکھو آپ ہے نکست جھر جھر

ہو سکت اب تو ہے ! اٹھ کے جاؤ نکیسے

برو کیے تم رہے بھلا گوڑا اٹھا دب کیسے

پھر تو بس ریجھ گئین بیٹھ ماں مکا مارن　　اُٹھ کے پلکا سے گئین پالی ماں دنیا بارن

ہاتھ سے کے ہمسے انگوچھے کا بچھونا جھارن　　اور اس من کی مہا گا لاسے ہم پر ڈارن

ہم کہا اُن تے کبھو کام نہ ایسا دیکھیو

کھرچ آپن نہ کبھو ساتھو ہے سیدھا دیکھیو

بولے تم روج یہیاں کاہے کا آو اکرہیو　　اور پھر روج نہ تم آئے کے کھاوا کرہیو

ہوتو جا شرم سے کبھو منھ نہ دکھاوا کرہیو　　بیٹھو بس تم بھی بکو اس مچاوا کرہیو

میکو اپیر تلے جائے کے چوکا دیدے

دیدی کھٹیا تر سے چیرا ہیا لو اوکا دیدے

میکو اپھر کے سنجر ہمری ترپیڈ دیکھنے لاگ ۔ ہم کہا ہمری یہ مرجات ہی ساری بھاگ
چولھ آپن تو آگ بار کے اور لاے کے آگ ۔ جا کر دیہا میں جو کا نڈل کا ملے بھوجن ساگ

ہم چپت انکا کوئی بات کی ہکلیپھہ نہ ہوے
ان کی دیدی ہے نہ ڈہر دیدی کوئی چھینچھ نہ ہوے

سانجھ تو ہوئے گئی اب جا کے کریں اشنان ۔ آگے نٹتا ہے یہی ہم کا بنت ہیں وسان
آج کرمن مانہ تو پری کی لکھت ہی بھگوان ۔ سیر آٹھ ایک بہن کا ڈھولے تھرلاے لیپان

ہم اور تو ہم وی منئی بھوک ہے کم ہوئے جیسے
پن پیاؤ کے لیے اتنی رکم ہوے جیسے

بانٹ بھر ساتھ کے منہین کا دیا ہم جیٹھا ۔ اور کہا گاؤں ماں تم جاے کے سینکو بھونرا
گھوڑ کا پیر تے باگ ماں بندھولے دیہا ۔ آپ کوئیاں گیئن جاے کے نہاوا دھووا

بسترے پر جو پھرے کھوب لگا وا بیرا
ہم اور اوی دولوں جنے بیٹھ کے کھاوا بیرا

میکو اتنے میں جو کا سے کہس ہمسے پکار ۔ آئے بھوجن کرو ٹھاکر ہے رسوئیں تیار
ہمتو چوکا ماں گئے اور دیہا پنھین کا آنا ۔ گوڑ کا دھوئے کے پھر بیٹھ گئے پلتھی مار

میکو اپرس دہس ساگ و پوری جھٹ سے
ایک گھنٹے میں تو سمیٹ گئی سب ٹھٹ سے

پھر تو چوکا سے کھٹن جھاڑ کے چوتر باہر ۔ پیٹ پر پھیر کے ہاتھن کا ڈکارن ارار
پال ماں جا سکے اڑاین تنی سٹ سٹا نر ۔ گوڑ ھو پھیلا سکے پھر لوڑھ رہن پلنکا پر

اوی کہن آسکے لیٹ جو بنے سوئے رہی
ٹہلو تھوڑ کرو ہم بھی تنی سوئی رہی

ہوٹ پائن تو گرے لاگ کے پھرسے رہن ۔ پھر تو اس سوئین کہ دو بیٹون نہ جگاے جاگن

ادی مداہوت بھرے جو ذرا چیت بھن ٹینٹ مان ہری روپیا ہئے ٹوون لاگن

ہم کہا کا کریہو بولیں جو ہیتن ہیتہم

گوٹ لہنگا میں گرنٹے کی لگاتن ہیتہم

دس روپیہ رہیں بس ٹینٹ ہیں ہم کھولیا اور کہا لیو پران آج سیا دو لہنگا

پھر کہا اُن نے کہ ایہو جو ہلیبا تم کا بولیں ہم کا جنین یہ حال تو جانے دیدیا

سُن کے یو آنس تو آنکھن مان تنک بھر آئے

ہم مدا گھوڑے پہ اسوار بیٹھے گھر آئے

متفرقات لا اعلم

دختر کو تو ال ظالم ہے بیگنا ہوں کو ٹانگ دیتی ہے ر

انگوٹھی تو یوں مفت پائی نہوگی سناروں کو جیبا کٹ کھلائی نہوگی ر

کنجڑن کی ایک چھوکری ایسا اسکو دیکھ چکا وہ اسکو دیکھ بولی سر کی اتار لونگی

مالن کی بیٹی وہ بیٹی پیچھے بھی تنا کے بیٹھی سویا تھا پاس اُسکے جو چاہتی سو لیتی

دھوبن کی دوستی بیچ دل لگا بیٹھا ہے لنگے کو جانتا ہوں کہ جمنا کا پاٹ ہے

دم دیکے دم کو لے لیا اسلام کو دیکھئے دو آنہ پیسے دیکھئے اور ہمکو دیکھئے

وہ ہجر میں تمھارے پہ پہ پھٹ گیا جگر تم تم مدتیں گزر گئیں پہ پہ پاس تم نہ آئے

س س شعر دیکے پہ پہ پیٹر پر ق ق قمریاں ق ق قول کریں

پہ پہ پادشہ کے مزار پہ ر ر رنڈیاں ر ر رول کریں

....

یہ میری چیز ہے کیوں دل تمھیں دیتا تمھارے باپ کی ہے جان بتلا میری

یہ دختر رز حرامزادی مردار مینا بازار کی ہے رہنے والی

ایک گھونسا ایک مکا ایک جوتا ایک لات — فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

اے موئے میاں وصف تری موٹی کمر کا — ہاتھی کی کمر پہ قلم لٹھ سے لکھا ہے

مجھے دیکھو کہ میں بھی آدمی ہوں — جوانی کیا تمہیں پر پھٹ پڑی ہے

سمجھا کہ سر پہ رکھ کے مرا چاک لے چلے — دوڑا کمہار شیخ کی دستار دیکھ کر

چاندنی رات صنم چاند نرالا نکلا — رنڈیاں گھس گئیں بھڑوں کا دوالا نکلا

شنیدم شیخ جی در ضعف پیری — بہت سی کھا گئے روٹی خمیری

صدائے گوز آمد چوں نفیری — بہ و گفتم کہ مشکی یا عبیری

کہ از بوسہ دل آویز تو مستم

تری الفت میں تو ہم نے لٹایا خانداں اپنا — تری الفت سے باز آئے اٹھا لے پاندان اپنا

دختر درزن کا سینا دیکھ کر — جی میں آتا ہے کہ ململ دیجئے کر

انگیا لے درزن ہمارے جامہ کو تیار کر — کام ہے تجھ کو سنا بی آ ذرا سینے تو لگ ✓

دھوبن کی چھوکری نے کس گھاٹ جا اتارا — جب سے کہ دی ہے کندی تب سے ہے دل ہمارا

لڑکی کمہار کی نے ڈھنکا کے چشم و ابرو — دل چاک کر دیا ہے پھرتا ہوں لوٹا لوٹا

گوڑن کی چھوکری ہے مینے کہا نہ کیجئے — گھڑی کیا محبت پہ کس نے بھیڑ ماری

جب سے دیکھا دختر تیلن کا تل — تل پہ تل خون جگر پیتا ہوا

تا تا تم تو سنگدل ہو ہوس صبر گئے آئے — رچ پچ چاہیں تمہاری ڈ ڈ ڈبتا ہے یہ دل

دونوں رخسار عنایت کریا ایک بوسہ — اب مرے واسطے سرکار سے چندہ ہو چلے

سو بوسے گر دیئے ہیں تو دو چار دیجئے — تسبیح میں سو ہیں دانے شمار کے

دھمکا کے بوسہ لیجے رخ رشک ماہ کا — چندہ وصول ہوتا ہے صاحب دباؤ سے

سمجھا طالب بوسہ بگڑ کر بولے وہاں سے — پھر کیوں آتا ہے کہہ دو کیا یہاں خیرات بٹتی ہے

خال کو چوم کے بوسہ گل عارض کا لیا — میں حبش سے جو چلا جانب لندن نکلا

جو پہلے بوسۂ پستان یار لیتے ہیں
وہ دودھ پر کی ملائی اتار لیتے ہیں

جب سے کرائی جالی کی محرم پسند ہے
سونے کی چڑیا چاندی کے پنجرے میں بند ہے

بند محرم کے کھلے ہیں اس بنا غرور کے
اڑ گئی سونے کی چڑیا رکھ سکا مٹھ سے اڑ کے

قدرت خدا کی دیکھئے پستانِ یار میں
پیوند قالبے کا لگا ہے انار میں

چھوا سینہ تو بولے مسکرا کر
کہ پانچوں انگلیاں ہیں اب تو گھی میں

جوبن ترا ابھار رہے انگیا میں اسطرح
جسطرح اپنے جھونجھے کے اندر بیا ہے

رخ انور پہ ان کے ہے عیاں خال
یہ بیڑ صاف دودھ میں مکھی پڑی ہے

نہ گھبراؤ ابھی مرغ سحر سے
چراغوں میں ابھی بتی پڑی ہے

نہ کیوں ہو کم سنوں کی شربت دیدار میں لذت
مزا دیتا ہے جب پانی تلک بھی کورے برتن میں

ہے شب وصل بولو آہستہ
چارپائی بھی کان رکھتی ہے

مدت کے بعد پائی ہے ہمنے شب وصال
دو چار سو برس تو الٰہی سحر نہ ہو

یاد آتی ہے جو صورت کسی متوالی کی
گو مسلماں ہوں پہ کہدیتا ہوں جے کالی کی

تم کو لازم ہے پکڑو اب میرا
ہاتھ میں ہاتھ با محبت و پیار

خوب کروایا اب تو مت کروا
مجھکو رسوا سر کوچہ و بازار

حکم ہووے تو آج ماروں میں
کھینچ کر پیٹ میں عدو کے کٹار

ہے یہی آرزو کہ ہم بھی لگیں
تیرے قدموں سے مثل رنگ حنا

خوب پکڑا حضور نے سر بزم
غیر کا ہاتھ مجھکو سمجھا کر

کیوں جھجکتے ہو جب لپٹا لیا
ہاتھ گردن میں پیار سے آ کر

جی میں آتا ہے کہ رکھ لوں آپکے
عطر کا پھاہا لگا کر کان میں

ہولی خالی نہ جانے پائے بھائی
منہ کا ہے یہ حال جم رہی ہے کائی

ساقی کو یاد کر رہے ہیں سب رند | بل آنے پہ دیدیتے ہیں پائی پائی

بڑی کھینا رہوں کی جو چھیّا ہمرے شن پائن | بلوا بھیج کے نوّا کہ ہاتھن ہمکا بلوائن
بڑی خاطر سے دست ہمرا کپڑ کے لیگئے بھیتر | پچھنا وہ رسوئیاں والے کے کمرہ میں بچھوائن
گلوری دان چاندی کا کہن بھگوا سے لے آو | دساوری پان بھی منگوائے کے بھوجی سے لگوائن
کچوری پوری - ربڑی ال موکٹا اور برفی تیکونے | وہ بھوجی لوک ناطن سے وہیں چکوائے منگوائن
گزک چٹنی اچار ادرک بھی رکھن بھوجی پتا پر | پڑکیا اور پیڑیا گھر میں اپنے خوب پکوائن
غرض ہم کہہ سکت ناہیں بڑی خاطر بھی ہمری | ہمیں تو پیٹ بھر کے خوب اچھا کھانا کھلوائن
بدل لنگا دوپٹہ بھوجی کا دل ہاری بلوائن | ہمارے قرب ماں بٹھالے کے گانا خوب سنوائن
عبیر اور بکا سب کھار ہا بھر بھر کے کھتریا میں | ملن بھی آکے گارا ماں اور اپنو خوب بلوائن
منگا لس دار دمہوا کی بہت عمدہ سی اک بوتل | بڑے ہی شوق سے بھر بھر کے کلھڑ میں پلوائن

دہت تیرے عشق کے آزار کی ایسی تیسی | کون جھنجھٹ میں پھنسے یار کی ایسی تیسی
جو کہ غیروں پہ مرے اسکی محبت کیسی | ایسے بیہودہ دل زار کی ایسی تیسی
گھورنے کے لئے اچھے ہیں دکھانے کو علیل | یار کی نرگس بیمار کی ایسی تیسی
سوکھی روٹی پہ قناعت ہے ہمیں اے جانی | تم بغل میں ہو تو زردار کی ایسی تیسی
بات کرتے ہی وہ چنیا یا چپت دیتا ہے | ایسے معشوق بداطوار کی ایسی تیسی

ہوا اتنا میں لاغر لیٹے لیٹے مجھکو موت آئی | اُٹھانے کو جو لوگ آئے ملا مردہ نہ بستر پر
لاغر ہوں میں اتنا کہ نکلجائے جو چیونٹی | اٹکے نہ گلے میں یہ تن زار بھی میرا

. . . .

جب میں کہتا ہوں کہ گیہوں گس ڈھیر — ہنس کے فرماتا ہے یوں ہی ٹھیک ہے گرسا
غریبوں پہ مت ظلم کر اے ڈھیر — میں قربان جاؤں اگر کم ہے سیر
بتائیں تمہیں لالہ صاحب کہاں ہیں — یاں ونہم میں بیٹھے ہوتے ہیں غنچا
(ڈھور رہتی)
خسن کے سبب بند طاو سنی شد — کہ انگن میں بہوت ہیں پانی کے ریلا
(ڈھور رہی)
رسوئی میں کہتے ہیں کھانے بدذیق — بکریں کے قلیا پھر بن کے شوربا
(ذائقہ ور)
للن کے ذرا بخت عالی تو دیکھو — خسر فوت شد اور خسر یا لقا یا

لاآبالی مرزا لاآبالی کے تخلص سے اودھ پنچ سابق میں واقعات حاضرہ پر ظریفانہ شعر لکھتے تھے نہایت مشاق معلوم ہوتے ہیں ہر رنگ کے شعر آپ کے یہاں ملتے ہیں۔ چنانچہ سنہ ۱۳۴۰ھ کے ستمبر میں بارش زیادہ ہوئی اور ایک طوفانی سی صورت پیدا ہو گئی تو آپ نے ایک بڑا مسدس لکھا جس کے چند بند لکھتا ہوں۔

دریا اکھی ابر سے کیونکر پھسل پڑا — کیوں ابر بھی نہ اسکی برابر پھسل پڑا
بجلی گری ہے یا کوئی جوہر پھسل پڑا — اس شوخ سیمبر کا جو جوہر پھسل پڑا
سنہ چار کی کمر سے ستمبر پھسل پڑا

سڑکوں پہ دیکھئے تو گدھا کہیں پھنسا — چنگھاڑتا ہے اونٹ کہیں پر پڑا پڑا
گھوڑے کا دم ہے ناک میں تو تا نہیں فربا — ہاتھی بھی فیل خانے کے اندر ہی گر رہا
چوہا بھی اپنے بل سے نکل کر پھسل پڑا

گر چھپکلی کواڑ سے نکلی پھسل پڑی — بلی کہیں جو آڑ سے نکلی پھسل پڑی
ہرنی کہیں پہاڑ سے نکلی پھسل پڑی — چیونٹی بھی جب دراڑ سے نکلی پھسل پڑی
لنگور گر پڑا کہیں بندر پھسل پڑا

سبحان سنا کے کیچ میں مرغا اٹک رہا — ٹڈی زمیں پہ آ رہی ٹڈا پھسل پڑا

پڑی تو لت پتا گئی پڑا اڑنگ ہا   چلائی چیل پانی میں کوا اڑنگ ہا
چھتری پہ بیٹھے بیٹھے کبوتر پھسل پڑا

تیزی میں ڈاکیہ کوئی چٹ پٹ سے آ رہا   صاحب بھی آتے جاتے میں کٹ پٹ سے آ رہا
الجھا جولاہا یان میں او جھپٹ آ رہا   کوئی تو چیت گرا کوئی کروٹ سے آ رہا
بابو کہیں ڈھلک پڑا ماسٹر پھسل پڑا

کل ہم شریک ہونے گئے اک برات میں   پھسلن مذاق کرنے لگی بات بات میں
سمدھن لڑاکی بڑی سمدھی کے ساتھ میں   سالے سلج کی گتھو سی گئی لات لات میں
دولھا و دولھن کو لیکے سراسر پھسل پڑا

پلٹن پھر ایک باجہ بجانے میں آ رہی   بھانڈوں کی صف بھی باتیں بنانے میں آ رہی
یہاں ڈومنی جو راگ سنانے میں آ رہی   کبھی وہاں وہ بھاؤ بتانے میں آ رہی
باہر کوئی گرا کوئی اندر پھسل پڑا

کل شب جو بزم عیش میں دور شراب تھا   ساقی تھا ماہتاب قدح آفتاب تھا
بد مستیوں میں جوشش شوق شباب تھا   پامال بھی حیا نہ خیال حجاب تھا
اسپر گرا جو غیر وہ مجھ پر پھسل پڑا

پہلے تو جھٹکے ساقی پرفن نے ٹانگ لی   بھاگا جو ادھر ادھر تو برہمن نے ٹانگ لی
کیا رند میگسار کی چتون نے ٹانگ لی   پھر ہوش اور حواس کی آن بن نے ٹانگ لی
کل شیخ میکدے میں کر پھسل پڑا

شرارت کے متعلق اک بڑی نظم ہے اس کے بعض بند سنیئے۔

کیا شور ہے جہان میں کیسا ہجوم ہے   چل پھر کہیں روش کی ہے کیسی یہ دھوم ہے
حلوا پڑا اٹھا پکا ہوا بالعموم ہے   جاری ہر اک سمت اوڑے رسوم ہے
اس کل جگ میں پہنچے ہیں اطفال ہر گھڑی

آئی شبِ برات بہو ساس سے لڑی

پھرتے ہیں لڑکے آج مچھندر بنے ہوئے | کرتب عجیب دکھاتے ہیں بندر بنے ہوئے

نعرے لگا رہے ہیں قلندر بنے ہوئے | دریا میں آگ کے ہیں سمندر بنے ہوئے

چڑھ کر سناتی باد ہوائی ہے یہ نڑی

آئی شب برات بہو ساس سے لڑی

شوخی ہے چیرہ دستی شرارت کا راج ہے | زوروں پہ دل لگی ہے حماقت کا راج ہے

پایا نہیں مزاج جہالت کا راج ہے | آفت کا راج ہے یہ لیاقت کا راج ہے

غوغا یہ کر رہی ہے چھچھوندر پڑی پڑی

آئی شب برات بہو ساس سے لڑی

"مذہب کا سفر در وطن" ایک نظم ہے جو نہایت ہی خوب لکھی ہے۔

شور و غوغا کیا ہے یہ مذہب گیا مذہب گیا | کیوں گیا کیونکر گیا کس جا گیا اور کب گیا

گر گیا لندن کو تو وہ معدنِ تہذیب ہے | سمجھو یوں گنج شرف میں دین کا کوکب گیا

جاتے ہیں جدے کو مرکب ہیں ہزاروں کیا حرج | اک اُدھر کا گر کوئی یورپ کو بھی مرکب گیا

ساغر ہے نقد کوثر لیڈیاں ہیں نقد حور | کھل گئی جنت کی کھڑکی اب اگر دل لب گیا

ہم نہیں ہندو کہ جائے کھانے پینے سے دھرم | جانے دو گر چھوت سے دینِ سری یا دھب گیا

کیک کا ٹکڑا کوئی اترا اگر پیٹ میں | ہے یہ ارشادِ زباں اعلیٰ گیا اعذب گیا

کوٹ پتلون سے لفافہ ستر پوشی مدعا | یہ کہا کس نے لفافے سے بدل مطلب گیا

آئی گر تہذیب ہم میں کچھ خوشی آمد خوش شد | گر تعصب چل دیا اولیٰ گیا انسب گیا

بڑھ گیا ہے جوش قومی ہے ترقی کی سبیل | یہ بھی اچھا جوش ہے گو جوش مذہب گھٹ گیا

گرچہ ہاتھوں میں نہیں وہ لمبی لمبی تسبیاں | دل سے بھی گرچہ خیالِ فرض و واجب گیا

داڑھیاں منڈتی ہیں تو اس میں بھی ہے اک فائدہ | شاہدوں کے قلب سے اندیشۂ عقرب گیا

ہر جگہ کاغذ کا استعمال ہے بے پیش و پس
تھا کڑھب بھلا کاڈھب اچھا ہو ڈھب گیا

اب کہئے تو کیا نہیں یہ باسی سید
موجود ہیں نت نئی نواسی سید
کیوں شیخ مغل پٹھان نہ ہیں جنھیں ہما ہما
حجام ہوں میر اور مراسی سید
کیا خوش ہو کوئی شریف مہتر مسٹر
پھرتے ہوں جہاں ہیں جب اکھتر سید
مسٹر نہ بنے گا آن سے بہتر کوئی
صاحب ہیں چار اور مہتر سید

کہتے ہیں کہ کالے ہیں بڑے ہی بے شرم
یہ بات تو سچی ہے عجب ناک بھی ہے
ہوتے ہیں بڑوں کے بھی مقابل چھوٹے
اس میں تو حیا کھلی ہے اور باک بھی ہے
رشیا پہ منھ آنے میں اسکو کیا لاج
جاپان کو جو شرم ہو کہیں خاک بھی ہے
کٹ جائیگی ناک کیا جو ہوگی بھی شکست
منھ پر تو ذرا دیکھئے کوئی ناک بھی ہے
جاپان کی روس سے یہی ہے تشبیہ
نمرود کے پشہ کا قدم ناک میں ہے
گر ناک بھی ہوتی تو قیامت ہوتی
منھ پر جو نہیں ناک تو دم ناک میں ہے

لافقرہ - اودھ پنچ سابق کے ایک بے مثل ظرافت نگار ہیں حالات باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوسکے -

ایک چڑیا وہ یوں اڑے پھر سے
بال صیاد کٹ گئے دھر سے
سانچے تار و پود شوخی کو
ہزل گوئی کے خوشنما تر سے
وہ خفا ہیں تو کیوں منادیں ہیں
میری جوتی سے جوتی کے گھر سے
بلبلیں باغ میں چہک اٹھیں
میرے نالوں کے دلنشیں سر سے
مرگیا ہائے رے دل بسمل
لوگ آ آ کے دیتے ہیں پرسے

بزم رنداں میں حضرت واعظ | کیا ہی بیٹھے ہیں دیکھئے لڑتے
لاکھ پی پی پڑھائے غیر انھیں | ہم لنگا لائیں گے کبھی گرتے
واہ رے ہم کہ ہیں بارش میں | وہ چلے آئیں پانچ گھرتے

ایک تو ہم مزاج کے کڑوے | اُس پہ غصہ مرے پہ سو ڈرتے
ایسا سمجھیں کہ تم بھی یاد کرو | روز جیتے تو ہو بہت غرّے
دعویٰ پارسائی اور یہ منھ | واہ شاباش مرحبا ہرّے
کیا انوکھی غزل لکھی لاغر | شاعری میں بھی لاگ گھگرے

سمجھ میں نہ آئے کسی بیل کی | سناتا ہوں وہ نظم میں ذیل کی
مری شاعری کی بڑی دھوم ہے | نہ سمجھے جو کوئی نرا بوم ہے
پڑا ہے جہاں میں مرا غلغلہ | نہ مانے جو الّو کی دم فاختہ
بہار دو جہاں ہم چو من دیگرے | بفہم اشتر ہیچ و بے دانش خرے
سنان الف را چو شتر در گشتم | تلا سرا بہ دو زم مشتر بر گشتم
بگیرم چو در جنگ یک گرز داو | گریزاں شود مولوی گھانڈے اُو
بگلزار معنی چو من بلبلم | چرا پس نہ صد بلبلہ بلبلم
مرے بلبلانے میں یہ بات ہے | کہیں بات ہے اور کہیں لات ہے

نہ چھوڑا کھانسنے میں شیخ جی نے تند لب اسکا | یہ حال لب بھی پارہائے رب السوس ہیں گویا
کرتا صی ہے فٹ بھر کی تو منھ بھی ہے وہ ڈیڑھ ایچی | مگر ان شاعروں کو یہ تو نامحسوس ہیں گویا
دوائیں ان کی یہ اعجاز میں اکسیر ہیں بالکل | اطبا اشتہاری سب حب الملوس ہیں گویا

زباں جو کچھ بھی کہتی ہے یہ دانش کو سناتے ہیں — کھڑے دونوں طرف کانوں کے دو جاسوس ہیں گویا
یہ لو یادش بخیر آ ہی گئے وہ حضرت لاغر — یہی بے ننگ تو غارت گر ناموس ہیں گویا

پھل لگے قامت دلدار میں قہ قہ قہ — معدن لعل لب یار میں قہ قہ قہ
بلبلیں کرتی ہیں کیا باغ میں چہ چہ چہ — خندۂ کبک ہے کہسار میں قہ قہ قہ
کلیاں کھلتی ہیں ترے ہاتھ سے کھل کھل کھل — پھول ہنستے ہیں ترے ہاتھ میں قہ قہ قہ
ہائے وہ شوخ حسینوں کی شرارت باہم — ہی ہی اک وہ میں تھی دو چار میں قہ قہ قہ
بھول کر بھی جو دل زار ذرا ہنس دیتا — گونجتی گنبد دوار میں قہ قہ قہ
شوق مے نوشی میں سارے رندوں کی وہ ہا ہو ہو — بط مے کی بھی وہ ہر بار میں قہ قہ قہ
قہقہے ساقی و ساغر سے صراحی کے کہیں — قلقل و مینا و میخوار میں قہ قہ قہ
قمریاں ڈھونڈھتی ہیں سرو کو کو کو لب جو — پا بگل قید وہ گلزار میں قہ قہ قہ
فرط اندوہ میں مہتاب پڑی لوٹتی ہے — کسنے چن دی ہے یہ دیوار میں قہ قہ قہ
لپٹتے پیچ یہ مضحک ہیں الٰہی توبہ — باندھی ہے شیخ نے دستار میں قہ قہ قہ
گدگدا دیتا ہے رہ رہ کے مضراب ستار — دوڑ جاتی ہے جو ہر تار میں قہ قہ قہ
کھلتی کیسی مگر شوخ لبوں پر ہے ہنسی — کیا ہی وہ غنچہ گلزار میں قہ قہ قہ

ماجد۔ ان کی ایک غزل نظر پڑی جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی فحش گو ہیں۔ اسی غزل میں سے میں صاف صاف اشعار نقل کرتا ہوں ۔ جو الفاظ غیر مہذب ہیں ان پر نقطہ دیدیئے جائیں گے۔

لطف دیتا ہے مرا وصل میں شیدا ہونا	اور اس شوخ کا رہ رہ کے پشیماں ہونا
لطف تو جب ہے کہ ہوں دونوں ہم وصل کی	چاہیے تم کو مرے ساتھ مری جاں ہونا
صاف بتلاتا ہے کمسن بھی ہیں ناداں بھی ہیں	آنکھ ... کی درازی سے پشیماں ہونا
خوف ہے ان کو کہ ڈاکہ نہ پڑے صحرا میں	چاہیے چوت کے پھاٹک پہ نگہباں ہونا
وصل کہتے ہیں کسے سن لو اسے غور کے ساتھ	کسی خانہ کا کسی ... میں مہماں ہونا
غیر نے تجھ سے شب وصل ... کیا تھا	ایسے موقع پہ ضروری ہے ... خاں ہونا
کہہ سکا ایسی غزل ایسی کوئی ... جاؤں	ورنہ ممکن نہیں ماجد سا سخنداں ہونا

مبین۔ حافظ قطب الدین دہلوی کے صاحبزادہ تھے جن کی شوخی کلام بعض اوقات میں ان کے کلام کو حد ظرافت میں لے آتی تھی۔ نہایت نیک نفس خوش مزاج آدمی تھے تذکرہ گلستان سخن کی ترتیب کے وقت زندہ اور بخیریت تھے۔ نمونہ کلام بہت کم ہے زیادہ کلام اس رنگ کا دستیاب نہیں ہوا۔

نزع کے وقت جو وہ حور شمائل آیا	ملک الموت کو بھی غش مرے شامل آیا

ہے شیشۂ دل ٹکڑے ہر رند قدح کش کا ۔ میخانہ میں ماتم ہے ماہ رمضاں آیا

مجرد ۔ محمد پناہ نام تھا۔ دہلی کا رہنے والا نہایت خوش فکر خوش مزاج تھا فکر مضمون عالی تھی مگر کچھ طبیعت کا اقتضا اور کچھ لوگوں کا تقاضہ دونوں مل کر ہزل کہنے پر مجبور کرتے تھے عموماً مقطع ظرافت کے رنگ میں ہوتے تھے۔ اور کبھی کبھی پوری غزل اسی رنگ میں کہہ جاتا تھا۔ اور اسپر طرہ یہ کہ مشاعرہ میں پڑھتے ہوے کبھی نہ جھجکتا تھا۔ خود کو ذرا بھی ہنسی نہ آتی اوروں کو ہنساتے ہنساتے لٹا دیتا تھا نمونتاً ایک مقطع ملاحظہ ہو۔

اس چاند میں فلک کا مجرد سے گھر پٹا ۔ اس ماہ ہے نکاح کی جو رسم وراہ کی

محسن غالباً محمد محسن نام ہے خان پور ریاست بہاولپور پنجاب کے رہنے والے ہیں عرصہ تک بسلسلۂ ملازمت لکھنؤ میں مقیم رہے اب ریٹائرڈ ہو کر عرصہ سے اپنے مالوف میں مقیم ہیں ریختی گوئی میں ایک حد تک مہارت پیدا کی ہے۔ ایک دیوان چھپوایا ہے۔ جس کے دیباچہ میں جان صاحب سے مقابلہ کلام بھی کیا ہے۔ اور اس بات پر فخر کیا ہے کہ جان صاحب کے مقابلہ میں ہمارے کلام میں ایسے غیر مہذب الفاظ نہیں آئے ہیں جن کو دیکھکر کوئی متین سے متین طبیعت بھی نفرت کرے ہمارے نزدیک مصنف کا یہ دعوی صحیح ہو یا نہ ہو۔ مگر یہ کہنا ضروری ہے کہ ابھی تک یہ ریختی کی اس حد پر نہیں پہونچے جہاں جان صاحب یا اُن کے معاصر پہونچ چکے تھے۔ ان کے دیوان کو اُن اساتذہ کے مقابلہ پر لانا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ محسن اور مفتی دونوں تخلص سے متخلص ہیں انتخاب دیوان یہ ہے۔

ہوتا بسم اللہ سے آغاز ہے دیوان کا
راز سربستہ ہے باجی وہ در قرآن کا

ہے یاد بندی کو بھی وہ لٹکا پھر بگا بھڑوا دھندی ٹھگا
نہیں نگوڑے کا کچھ بھی کہ سکا ہو کوئی دشمن ہزار اپنا

بگاڑ ڈنگی ہیں بھی حال گھر کا وہ ڈالیں مجھ پر یا گھر کا
کھلا کے رنڈی کو مال گھر کا نکالیں مجھ پر بخار اپنا

ہر سانس کا ہیکو سوت ہے وہ ہماری ہر طرح تو وہ
نہیں موئی ہوتی غوص ہو وہ بگاڑا دشمن نے یار اپنا

کھیل سمجھا ہے سفر بھڑوا عدم آباد کا
حوصلہ دیکھو تو گوئیاں اس موئی ناشاد کا

کبھی کے گھر سے لگا کر بیٹھتے ہو پان تم
واہ کیا کہنا ہے مرزا آپ کی اس یاد کا

نند کی چالوں پہ چلکر آگئی ہیں چال میں
تھا سبب بیگم ہوا یہ رنج کی بنیاد کا

بات تو شیریں کی رکھ لی تھی ہزار ونیگ ہوا
گو بلا سے پھٹ گیا سر بھی میاں فرہاد کا

بیٹھنے پائے نہ تھے چوتڑ اٹھا کے چلدیے
خاک نکلے حوصلہ شوق دل ناشاد کا

جھوٹے کی لت بھی لگادی ہے نواب کو اوئی
زندہ در گور ہو باجی موا دشمن انکا

پچھلے ساون میں تو تھے سوتے گھر میں دولہا
دیکھئے اب کے کہاں ہو ہوا ساون انکا

دولہا بھائی پہ موئی ہو گئی ہو عاشق
گوندھتی ہار ہیں کیوں نام ہے مالن انکا

پھر گیا طبلہ بجانے آج گوہر جان کا
کیسا ننگا ہے نگوڑا باپ چندر بھان کا

ہوئے ڈھول خالی شیخ جی تم
خوب ہم نے بجا بجا دیکھا

گھروندے یوں تو بہت دیکھ ڈالے بیگم نے
مزا ملا نہ مگر شیخ جی کے گھر کا سا

نگوڑی وصل کی شب بھی ہوا نہ چین نصیب
لگا رہا ہوا کھٹکا موئی سحر کا سا

روٹی ممکن نہیں بھڑوے سے تو پکڑا کیسا
چھوڑو دیکھ نگوڑے کو اری روز کا جھگڑا کیسا

کالا منہ نوج ہو ایسا کسی بندی کو نصیب
داڑھی منڈا موا لگتا ہے بھجنگا کیسا

شوق سے آئیں وہ جب چاہیں تکلف کیا ہے
دولہا بھائی سے مجھے لے ہوا پردا کیسا

کسبیوں کی سی نہیں وضع تو بیچ ہو باجی
اری پاجامہ کی گوٹ میں لچکا کیسا

جس سر زمیں پہ جائے ہے آسماں نصیب
گوئیاں ری ایک سا ہی یہاں [illegible] نصیب

دیگی وہی کبوتری انڈے میاں کے گھر ۔۔۔ ہو جیں لنڈوری کو کہیں آشیاں نصیب

خام ہے یہ اُدھیڑ بن گیاں ۔۔۔ چھوٹتی ہے میاں سے کیسی کب

آج داروغہ کی کل ڈپٹی کی ۔۔۔ رہتی گوہر کو ہے بیگار بہت

لگائی جو بوسہ کی مرزا نے رٹ ۔۔۔ کہا باجی نے دتّا موئے دور ہٹ

انواسی ہے کوری نہیں گوری نہیں رنڈیا ۔۔۔ اسپر بھی ہے سرکار کی منظور نظر آج

دربدر بھیک ہی مانگے گا بوا میرے بعد ۔۔۔ یاد رکھنا یہ مری بات بوا میرے بعد

سایہ مرزا کا پڑ گیا جو کہیں ۔۔۔ ہو گئیں دیکھتے ہی اماں سُرخ

جیتے جی شرم نہ محسن کو جب آئی گوئیاں ۔۔۔ خاک آئے گی نگوڑی کو حیا میرے بعد

کیوں نہیں کہتے صاف مطلب کی ۔۔۔ میری جتر ہیں نگوڑے پیار کے لاڈ

ایک دو تین اوئی بوا حد ہے ۔۔۔ کسطرح اٹھیں چار چار کے لاڈ

اب نہ جائینگے چھنالوں کی گلی میں مرزا ۔۔۔ قسمیں کھاتے ہیں بوا رکھتے ہیں قرآں سر پہ

یہ رسیلا یہ رنگیلا یہ سجیلا ہو کر ۔۔۔ بھلکی والی پہ موا مرتا ہے مرزا ہو کر

روئی کپڑے کو بھی اینگم بوا احتاج ہو ۔۔۔ آگئی تھی چال میں ڈپٹی کلکٹر دیکھکر

کرے گا خاک موا بیوفا وفا کا لحاظ ۔۔۔ نہ بوڑھی اماں کی ہو جسکو التجا کا لحاظ

رنڈی نگوڑی کی فقط گھات کا لحاظ ۔۔۔ دن کا لحاظ ہے نہ انھیں رات کا لحاظ

مانا کہ ہم نے سوت کو کروا دیا حقیر ۔۔۔ یہ تو بتاؤ کس نے یہ جھگڑا کیا شروع

ایک کو نوکر رکھا یا ایک کو چھڑوا دیا ۔۔۔ ہیں مصاحب اُن کے کٹنے منہ لگے مردار حیف

ہے رنگیلی ترا بوڑھا میاں اللہ کی عطا ۔۔۔ پوپلے منہ کا خمیدہ ہوا گوشت عاشق

چمن میں جا جاکے رنڈیوں کو بلاؤگے یاں شراب کبتک ۔۔۔ کباب کھا کھا کے سوت کے تم کروگے ہم کو کباب کبتک

اجی وہ بالا نہ لاؤگے تم یہ ٹالا کبتک بتاؤگے تم ۔۔۔ کبھی تو گھر سے پہ آؤگے تم کروگے ہم کو کباب کبتک

موا فشے میں یہ خبر ہے ہیں پاؤں پٹی پیچھے سر ہے ۔ نہ روٹی کپڑا نہ گھر ہے نہ دو ہے پھر بھی ہیں دو خراب کب تک
پھر میرے سامنے وہی چھیل بل کی بات ہے ۔ رہ تو سہی لگاؤں تیرے بانکپن میں آگ
ہوئی بیخود شرابی یاد آیا ۔ اری لینا بوا گوہر چلا دل
نہ جھوٹ بولیں گے چار میں ہم ہیں دونوں کتنا ہزار میں ہم ۔ ہیں برق طبلے ستار میں ہم ہیں آندھی پانی بیار میں ہم
چپیں کھا کھا کے بوا چور ہوئے بیٹھے ہیں ۔ آج وہ سوت سے مغرور ہوئے بیٹھے ہیں
بوا مغلانی بھی کیا خوب ہے حقہ نہ چھوا ۔ موئی بیگم کو تو چانڈو بھی پلا لیتے ہیں
رنڈی کے چھوڑنے کو جو کہتی ہوں چھیڑ کر ۔ دیتے ہیں گالیاں مجھے ہنسکر جواب میں
ساون میں سوت کو نہ اگر دیں بوا طلاق ۔ پہونچا دوں میں ہال یہ نگوڑی جہاں کی ہیں

دل کو ترایا ہوا مجھسے بارا رات کو ۔ ڈھونڈھتا پھرتا تھا تکیے کا سہارا رات کو
بھیجا سالن گھی کا بگھار چوری کی الٹھیں ۔ دیکھو بھٹیاری نے پھر نخرہ بگھارا رات کو
چھوڑ کر زلف و تاریخ پہ بوا میں سو گئی ۔ وہ بچا یا ہی گئے اپنا دو تارا رات کو
رکھا جب مرزا نے ساغر کو ہری کے ہاتھ پر ۔ پی گئی لیکر موئی سارے کا سارا رات کو

پھر وانت آج شیخ سے لگو کے آئی مرنہ ۔ دیکھو تو گالوں کو ہوا انگلو کے آئینہ

کوشش کرو کہ مرزا سے بیگم کا ہو ملاپ ۔ گوئیاں ملانا بچھڑے دوں کا ثواب ہے
دم الجھتا ہے بوا سینے کی باتوں سے مرا ۔ مجھکو تو سوتی نگوڑی نہیں چھوڑ آتی ہے
تربت پہ آکے پھر مسی نے ماری جو ایک لات ۔ سو سو قدم پہ جا پڑے تختے مزار کے
میرے ہی سامنے موئی کسبی کا دل لگی ۔ بس بس نکل چکے مرے ارماں جانے دے
مجھے موجہ پھڑوا مارتا ہے ۔ بڑا بیدرد میرا مردوا ہے

دل اسکی تیغ ابرو پہ فدا ہے — وہ گورا لونڈا جو کپتان کا ہے
نہ مارو شیخ کو بے موت باجی — نگوڑا آپ ہی وہ مر رہا ہے
نہ نکلے گھر میں ڈولی کے بھی پیسے — بڑا نواب کا سالا بنا ہے
ننگی نگوڑی ہی باتیں بھی اور سب کے سامنے — کچھ تو حجاب پیارے میاں و میاں سے ہے
ساتھ لونڈے لئے پھرتے ہو یہ صحبت کیا ہے — لت نہیں ہے تو میاں ان کی یہ گت کیا ہے
پکارو دیں مجھے جب لیجلے وہ — بڑا ٹھاہو تی نگوڑی ماملا ہے
بناتا ہے مو ادل سے لیکے باتیں — بڑا محسن نگوڑا مسخرا ہے

محشر - عبد اللہ خاں نام - رام پور کے رہنے والے تھے ریختی کہنے اور اسکو پڑھنے میں کمال حاصل تھا - ریختی میں خانم جان تخلص کرتے تھے - میں نے اصل تخلص ہی یہاں لکھنا مناسب سمجھا - مولوی عبد الغفور صاحب نساخ نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ ان میں ایک بڑا عیب ہے کہ اوروں کے شعر اپنے نام سے پڑھتے ہیں - مگر افسوس کہ کوئی شعر ان کا نہیں ملا -

کہیں تم جو چلے میں کہیں کچھ آنسے نہ کہہ دینا — مری اچھی بوا یہ مردوے مطلب کے ہوتے ہیں

مشتاق اشتیاق احمد نام ہے - سلون ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں - گل باغ مراد مادہ تاریخ پیدائش ہے آپ کے والد حافظ سردار احمد ایک نامی وکیل تھے - مرنے کے بعد کافی جائداد چھوڑی جو تخمیناً ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ منافع کی ہے - اسی سے نہایت خوشحالی کے ساتھ بسر اوقات کرتے ہیں - اور محض اسی جائداد کی وجہ سے اس قصبہ میں قیام ہے - ورنہ آپ کا آبائی وطن نارہ ضلع الہ آباد ہے - فارسی عربی کے علاوہ انگریزی کی تعلیم الیف اے تک

حاصل کی۔ ۱۸۹۶ء سے شعر کہنا شروع کیا۔ جناب شیر مچھلی شہری سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔ آپ کی تصانیف بھی بہت سی ہیں جن میں سے بعض نہایت قابل قدر ہیں۔ دو دیوان عاشقانہ۔ ایک نعتیہ۔ دو مثنویاں ایک تاریخ سلون۔ افتخار الکلام دیوان قصائد قابل ذکر ہیں نعتیہ کلام میں اکبر کا رنگ پسند فرماتے ہیں اور انھیں کا تتبع کرتے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ہو چکی اندر سبھا اب ہے کسانوں کی سبھا — کیا زمینداروں کی قسمت میں الٰہی ہے لکھا

دکھلایا جیل ترک موالات نے مجھے — لیڈر بنایا میری حوالات نے مجھے

ان جلاہوں کے لیے اسکیم گاندھی چل گئی — لیڈر و سرکار میں بیٹھے بٹھلے چل گئی

امن ہے رخصت اگر قانون شکنی ہو کہیں — اینٹ سے اینٹیں بجیں غائب جو چپنی ہو کہیں

آپ کے دل میں اگر وقعت ہے میری رائے کی — کیجے سوراج کے خاطر حفاظت گائے کی

تباہی جسکی نہ ہو یہ بحر وہ سوراج ہے — ہند میں جو شے نہیں ملتی وہی سوراج ہے

جس زمانہ میں مقید ہوگئے تھے موتی لال — ق — اک محب خاص کو میں نے جو پایا درد مند

میں نے اس سے کہدیا یہ سچ سب بکا ہے — خود خدا رکھتا ہے اندر سیپ کے موتی کو بند

ایک نے پوچھا کہ اب ہے ہند میں کیا چیز سہل — کس میں شوکت آجکل ہے کس میں حاصل شان ہے

بے تکلف یہ دیا اس شخص کو میں نے جواب — آجکل لیڈر کا بنجانا بہت آسان ہے

مائل بہ ترحم جو ہوئے ہند پہ گاندھی — سوراج کے لینے پہ کمر آپنے باندھی

ہوئے کے شجر جڑ سے اکھڑ کر گرے لاکھوں — جب سال گزشتہ چلی ترمیم کی آندھی

مفید ان کو کوئی تعویذ گنڈا کیوں نہیں ہوتا — بڑی حیرت ہے ہم کو ان کے لڑکا کیوں نہیں ہوتا

نہ بولینگے کبھی خان اسلامی یہ گکڑوں کیوں — بتاؤ ہند پھر شدھی کا دریا کیوں نہیں ہوتا

ملتی ہے گرجا کی چھٹی ہم وہاں جاتے نہیں — ہے حجامت یا نہانا منحصر اتوار پر

مال میں پٹواری صاحب ہوتے ہیں اصل الاصول — ہے پولس پر کام سب موقوف چوکیدار پر

باپ کی ساری کمائی ہو گئی نذرِ بوٹ و سوٹ
بھوت کالج میں چڑھا فیشن کا برخوردار پر

مولوی صاحب نے اپنا الٹی میٹم دیدیا
ڈٹتے ہی لڑتے مسلمانوں نے بھی دم دیدیا

پاس کرنے اب لگی ہیں عورتیں بیرسٹری
نر سے مادہ کی عدالت میں ہے جنگ زرگری

اتبک یہ خواب دیکھتی ہیں ہوم رول کا
دشوار پھیلنا ہے مگر اس کی جول کا

راز کہہ رہی ہیں کچھ سوراج کا ستو ہے
پر مرے نزدیک تو دلی ابھی تک دور ہے

مرا سینہ بھی پالٹیکس کا اسوقت مخزن ہے
ادائیں ایسی سبھا رک کی ہوا عرفان اس میں ہے

ٹھہرو ہوٹل میں چھوڑو فکر سرا ہے
کبھو قہوہ پیو کبھی تم چاہے

یہ ترقی لارڈ کرزن کی بدولت ہو گئی
مونچھ کس گنتی میں ہے داڑھی بھی رخصت ہو گئی

آنکھوں کی روشنی کا یہاں بگڑا کھیل ہے
ان کو پسند یہ بھی مٹی کا تیل ہے

عورتوں سے ہند میں بے پردہ کیجئے ق
خوب ہے ان کو کھلے بندوں پھرایا کیجئے

آپکے ہاتھوں ترقی جو نہ حاصل ہو سکی
اپنا دستہ عورتوں کی اسکو دلا لیجئے

آپ اور ہم سے باتیں ہیں عذر کا دخل کیا
کرتا ہے کیوں کرایہ کا یہ ٹٹو بیچ میں

ساتھ غیروں کے ہیں یاں ہانی دیئے ہیں آج
ساتھ کو دل کم اڑے جس طرح مشٹو بیچ میں

لگ گئے گھوڑے تو ٹوٹا تسمہ موچی کا جناب
بجتا ہی پس گیا بیچارہ بدھو بیچ میں

یوں عذر تنگا و شفر ٹنگا بزم میں ہے بچا
مجمع تانگہ میں بیٹھے جیسے سادھو بیچ میں

اک طرف انگلش زباں ہے اک طرف ہے ناگری
پس رہی ہے بیچاری اردو بیچ میں

نہ سمجھیں آپ مجھکو میں جی کا اب سیسر ہوں
حقیقت یہ ہے میں بھی جی بجا کہنے کا خوگر ہوں

ترکوں نے بیشک کیا ہے یہ کمال
جو دیا اسلام سے پردہ نکال

ترجمہ خطبوں کا کرکے اسکو رخصت کیجئے
نہر سے عربی زباں بھی حج کرنے کو چلی

مجنوں ۔ شاہ مجنوں کے عرف یا لقب سے مشہور تھے پشن ناتھ جو شملہ کے

دیوان کے نواسے تھے خود یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ زندگی نہایت عسرت اور شوریدگی میں گزرتی تھی ننگے پاؤں ننگے سر پھرا کرتے تھے۔ شعر گوئی کا شوق تھا۔ اول اول میں حسرت تخلص کرتے تھے پھر حانی تخلص کیا۔ اور اس کے بعد میر انشاء اللہ خاں کی صحبت میں رہنے لگے اور مجنوں تخلص اختیار کیا۔ اپنے آپ کو میر تقی میر کا شاگرد بتاتے تھے۔ مگر بقول میر حسن کہ خر عیسیٰ اگر بمکہ رود نمونہ کلام یہ ہے۔

پھر اب یہ جو چلا ہے کل دوں قرار ٹھہرا — کہتا ہے مجھ سے چل بے تو کب کا یار ٹھہرا
بوسے کے بدلے گالی نے بیٹھا مجھکو چٹے — تو اپنے منھ سے آپی بے اعتبار ٹھہرا

مجید۔ یعنی منشی عبد المجید صاحب مجید۔ ناگپور کی مشہور و معروف دی ماڈرن تھیٹریکل کمپنی کے چیف ایکٹر ہیں۔ ایک غزل ریختی کی ملی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی اس رنگ کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں۔

سوسن تجھے ملنے کو بھی لجا ہی ملا شوخ — کیا تجھکو بنائے گا نگوڑا دہ موا شوخ
آیا مری لونڈی کو بھی کرتا تھا اشارے — کل وہ انھیں باتوں کی بدولت تو پٹا شوخ
ان دونوں میں رہتی ہی ہمیشہ سے لڑائی — کچھ منجھلی بوا شوخ ہیں کچھ چھوٹی بوا شوخ
یہ کس نے بتائی ہے چھچھوروں کی ملاقات — بھاتا نہیں اک آنکھ بھی مجھکو تو بوا شوخ
بل سارے نکالوں گی ہیں نکلے کیطرح سے — پاپوش سے ماروں گی جو ہٹتے وہ چڑھا شوخ
ہر ایک سے یوں آنکھ لڑا لیتی ہے نرگس — سہہ ہے نہیں آتی ہے ذرا تجھکو حیا شوخ
الفت جو مجید آسے تو تو بات نہ کرنا — وہ ایک ہی چلتا ہوا لچا ہے موا شوخ

محب۔ منشی برج بھوکن لال نام ہے قصبہ دریا آباد ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے ہیں منشی نوبت رائے لکھنوی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ ابتدا سے شعر و شاعری کا

کا شوق تھا - مگر طبیعت کا رجحان زیادہ تر ظرافت کی طرف تھا - منشی نوبت رائے صاحب کے انتقال کے بعد آپ ہی اپنے کلام پر نظر ثانی فرماتے رہے اور ۲۶ء میں اپنا دیوان بھی شائع کیا - آپ اکبر مرحوم کے رنگ میں شعر کہتے ہیں - اگر غور کیا جائے تو اکبر کا رنگ دراصل ایسا تھا کہ اسکا اتباع دشوار تھا - مگر افتاد طبیعت سے مجبور تھے - اسی طرف متوجہ رہے - محب صاحب نہایت نیک نفس اور خلیق زندہ دل آدمی ہیں - اور کلام میں تا حد مقدور شوخی وغیرہ کو مدنظر رکھتے ہیں - خود ہی فرمایا کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں اکبر نے یہ رنگ حسن کے ساتھ کہا اور ہندوؤں میں میں نے - ان کا یہ جملہ یقینی قرین صداقت ہے ایک مرتبہ راقم الحروف سے بھی ملاقات ہوئی تھی - اور خود جناب موصوف نے اپنا دیوان مرحمت فرمایا تھا - عرصہ سے آلام و مصیبت اور طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہتے ہیں اب مرض برص بھی شروع ہو گیا ہے عمر تقریباً ۵۰ برس ہو گی - دیوان کے علاوہ تاریخ دریا آباد بھی آپ کے نتائج افکار سے ہے یہ کتاب نہایت خوب لکھی ہے - دیوان کا انتخاب حاضر ہے ملاحظہ ہو -

کہتا ہے شوق ہم سے ہوائی جہاز کا　　بیکار ہے خیال نشیب و فراز کا

ہو گیا سہل سفر ریل کے باعث اے خضر　　رہبر شوق ہے اب عشق میں انجن اپنا
ہم غریبوں کے مقدر میں نہیں عیش لکھی　　اے محب تم کو مبارک رہے فیشن اپنا

آن سے باتیں کہاں تصویر میں تو یہ ہنر کھلا　　کشور الفت میں ٹیلیفون کا دفتر کھلا

شوہر مفلس کی چندیا کا ہے اب بچنا محال　　ہو گیا ہے شوق بی صاحب کو لیڈی ہیٹ کا
کوئی نٹ کہتا ہے ان کو کوئی بندر اے محب　　شغل جب سے ہو گیا جمناسٹک اور جمپ کا

تصور ہے مسوں کے مصحف رخسار زیبا کا — کسے ہے یاد قرآں کی کسے ہے شوق گیتا کا
نہیں ذوق عبادت شوق ہے راحت کے ساماں کا — خدا سے پھر گیا ہوں آجکل بندہ ہوں شیطاں کا
شگفتہ خاطری موقوف ہے ٹائپ کے حرفوں پر — کوئی شائق نہیں گلزار نستعلیق و ریحاں کا
مسوں کے لب میں بھی لطف حیات جاودانی ہے — خضر ہوٹل میں بھی بہتا ہے چشمہ آب حیواں کا
کیا صفائی مغربی مسہل سے آنتوں کی ہوئی — منھ پہ رونق آگئی گو پیٹ خالی ہوگیا
پارکوں میں گھوم لو کھا لو ڈبل روٹی محب — آخرش اک روز دنیا سے سفر ہو جائیگا
چلو جلسوں میں موٹر پر اڑو چندے دیے جاؤ — بغیر اس کے محب پبلک میں شہرا ہو نہیں سکتا
پسی جاتی ہے اب اولاد آدم غم کی چکی میں — بڑھا ہے پیٹ کا نرخ اور گھٹا ہے نرخ گندم کا
نوٹ سے بڑھکر نہیں دولت کوئی اس عہد میں — مل گیا جس کو یہ کاغذ کیمیا گر ہو گیا
گھلایا اسقدر اس شوخ کی بے اعتنائی نے — کہ اب ہم سے وفاداری کا گھڑا اٹھ نہیں سکتا
زباں کا ابتو دعوی ہر کس و ناکس کو ہے بھائی — نہیں پابند کوئی لکھنؤ اور دلی کا

دیکھکر لعبت لسبرٹی کو — طفل دل کیا ہی کھل کھلا اٹھا
وہ طمانچہ پڑا اگر انی کا — دل غریبوں کا تلملا اٹھا
بل کیا پیش کیبنٹ نے جب — اے محب شیخ بلبلا اٹھا

خوب ہے ابتو بلندی پہ ستارا اُن کا — چرخ پر اُڑکے پہونچتا ہے غبارا اُن کا
تیغ اصلاح سے کاٹیں جو گلا مذہب کا — میرے آگے نہ کرو ذکر خدارا اُن کا
طور پر حضرت موسی نے تجلی دیکھی — ہمکو لندن میں میسر ہے نظارا اُن کا

بابو صاحب ہیں مست ہوٹل میں — کون پرساں ہے بھائی دیبی کا

کیا خبر کیک کونسی ہے بلا   ہم سے پوچھو مزا جلیبی کا

اب اوور کوٹ کا زمانہ ہے   نام صاحب نہ لو رزائی کا
ڈانٹتی ہیں حسین لیڈی ہیپ   کون خواہاں ہو زیرپائی کا

ہر شے ہے گراں جنس شرافت کے علاوہ   بازار میں سستا کوئی سودا نہیں ملتا
ہنری کے تو شاگرد نظر آتے ہیں لاکھوں   ڈھونڈے سے کوئی ویاس کا چیلا نہیں ملتا

جامہ زیبی ہے وضع مغرب میں   کیوں نہ ہو ہمکو شوق چسٹر کا
کون پرساں بیاض نظم کا ہے   یہ زمانہ تو ہے رجسٹر کا

لاحول سے نفرت ہوئی اوور سے ہوا شوق   اب آپ سے ناخوش کبھی شیطان نہ ہوگا
کر دیا بدحواس چندوں نے   دھیان کسکو ہے وان اوپن کا
کیا اعتبار زندگی مستعار کا   چھہ سیر جبکہ بکتا ہے آٹا جوار کا
آسماں پر دماغ ہے اپنا   سر پہ جب سے ہے مغربی کنٹوپ

ملک و دولت کا کیا مس کو خدا نے لفٹنٹ   اور ہمیں بنک مصیبت کا بنایا ایجنٹ
بے شہرت یہی کافی ہے نہیں مال سے بحث   ایک تختے پہ یہ لکھوا دیجئے جنرل مرچنٹ
قرض لے لے کے مے عیش اڑائی ہے عجب   آج ہو آپکو ترقی کا مبارک وارنٹ

تیز کیا ہم سست دل ہوں اہل جرمن کیطرح   بھائی چھکڑا چل نہیں سکتا ہے انجن کیطرح

اب اسی میں سرخروئی آبرو داری کی ہے — بس انھیں کے رنگ میں مل جائیں پانی کی طرح
چھوٹے ٹائم ہیں کا ہے دائرہ اُن کی کمر — ناچ میں جو لوچ کھاتی ہے کمانی کی طرح

یار من شفق من تیرے القاب پسند — ہے فقط مائی ڈیر آج کل احباب پسند
کھپ گئی ہے مری آنکھوں میں ولایت کی زری — خفتہ بختوں کو بنارس کی ہے کمخواب پسند

چائے کے آگے پان ہے کیا چیز — چندے کے آگے دان ہے کیا چیز
گولڈ اسمتھ کی دیکھئے لائف — اس کے آگے پران ہے کیا چیز
عیش چاہو خوشامدی بن جاؤ — زر کے لالچ میں آن ہے کیا چیز
سیکھو انگلش فرنچ لیٹن اب — بھائی دیسی زبان ہے کیا چیز

کمیٹی و چندہ کی کوشش مبارک — یہ نزلہ مبارک یہ پیچش مبارک
ہوا شغل شیخ و برہمن میں باہم — یہ مضموں مبارک یہ بندش مبارک

ہر اک کی شان میں کہتے ہیں آپ ایسے ہیں ویسے ہیں — کوئی کاش اُن سے یہ پوچھے کہ حضرت آپ کیسے ہیں
تھیٹر میں وہ ہنستے ہیں تو اسٹیج میں روتے ہیں — جزاک اللہ ہمی در دالفت اسکو کہتے ہیں
نہ چھیڑیں بحث واعظ آجکل کے تیز طبعوں سے — کہ وہ ہیں وانٹ کمسرٹ کے یہ پولو کے گھوڑے ہیں

مدت سے مرگئے ہیں نئی روشنی پہ ہم — ابتک جلا نہ لیمپ ہمارے مزار میں
اس مفلسی و قحط کے قربان جائیے — گیہوں کے بدلے ملتا ہے لطف اچار میں
دل ہے وہی جو آئے مسوں کی جھپیٹ میں — دولت وہی جو مے بنے اور جائے پیٹ میں

وہی پہونچیں گے اب تو منزل تک ۔۔۔ جو کہ انجن کو رہنما سمجھے

بے ریل دو قدم نہیں چل سکتے آپ سے ۔۔۔ ہم لوگ اب تو کھنچتے ہیں انجن کی بھاپ سے

بجا اسکول کا گھنٹا جو ٹن سے ۔۔۔ تو اچھن آگئے ڈولی میں زن سے

نہ کام آیا مرے پر مغربی بوٹ ۔۔۔ بدن ڈھانکا گیا آخر کفن سے

مزار اپنا بنے گا پارک میں اب ۔۔۔ ہمیں کیا کام ہے باغ عدن سے

ترقی پر ہے اب چندے کا آماس ۔۔۔ مریض قوم کے دم پر بنی ہے

اور اسپر مفلسی کی سخت گلٹی ۔۔۔ کہ جس سے رگ شرافت کی تنی ہے

نام ہوتا ہے زمانہ میں محب دو ہی طرح ۔۔۔ چندہ دینے سے اور اخبار میں چھپ جانے سے

کیوں برا مانیں جو وہ کہتے ہیں ہمکو ڈیم فول ۔۔۔ یہ تو معشوقانہ شوخی ہے کوئی گالی نہیں

اب کیا قدر سخن کی شاعری کے میٹا سے ۔۔۔ اور ہوتے ہیں تو لدا سب سخنور سیکڑوں

مدارس کا رجحاں اب سکنڈری پہ ہے ۔۔۔ گیا وہ وقت گنگری و ریل کا کام نہیں

وہ وزن کھو کے بھائی ہم ڈھول ہو گئے ہیں ۔۔۔ پہلے تھے ٹھوس لیکن اب پول ہو گئے ہیں

دل احباب کو کھٹکا پڑا ہے فوجداری کا ۔۔۔ بڑا کھٹکا ہے اب گھر سے زیادہ جیلخانے میں

بھلا ان لڑکیوں کے حسن کیرکٹر کا کیا کہنا ۔۔۔ جنھیں مس صاحبہ اسکول میں تعلیم دیتی ہیں

تھیٹر کے نرالے سین اعلی سینری دیکھو ۔۔۔ نہ جاؤ بھولکر ہرگز جہاں پر رام لیلا ہو

مبارک ہو محب یہ آتش شوق ۔۔۔ گھر اپنا خوب پھونکو اور تاپو

تقریر پر عمل جو نہیں خود تو چپ رہو ۔۔۔ مینڈک کی طرح شور مچانے سے فائدہ

کیوں رتھ کا ذکر عاشق انجن سے کیجئے ۔۔۔ بھینسے کے آگے بین بجانے سے فائدہ

قیس کو دیوانگی میں تھا سگ لیلی عزیز ۔۔۔ عشق مس میں ہمکو پیارا آج اک بلڈاگ ہے

نئی ملت کا زاہد ہوں مزے جنت کے حاصل ہیں ۔۔۔ کہ سوڈا اور لمنڈ کم نہیں کچھ آب کوثر سے

بے نامہ بری اب پوسٹ آفس ہمکو کافی ہے ۔۔۔ نہ قاصد کی تمنا ہے نہ مطلب ہے کبوتر سے

بڑھ سکے خیرات سے ہے قوم کی خدمت نواب — بھیک دینے سے تو چندے کا سوال اچھا ہے
ہاں آغاؤں سے وعدے پر خوشی سے لیجئے — جب تقاضا ہو تو کہہ دیجئے کہ نالش کیجئے
تعلیم مغربی سے بھی پورے سے کھلے نہ ہم — بولے گئے جو بیچ وہ قسمت سے سر کئے
کھاتے نہیں پٹہ تاک کسی کے دباؤ سے — مجبور شیخ ہو گئے دم کے لگاؤ سے
گر نوٹ پاس ہو تو لے ساحلِ مراد — اب بیڑا پار ہوتا ہے کاغذ کی ناؤ سے

حقیقت یہ ہے کہ محب دریابادی کا کلام سراسر اکبر مرحوم کا تتبع ہے۔ مگر افسوس کہ ان کے کلام میں وہ اثر اور زندہ دلی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں طنزیات کا ایسا بے محل استعمال ہوا ہے کہ وہ واقعہ معلوم ہوتے ہیں۔ اور جن طنزیات سے وہ نواہی کا کام نکالنا چاہتے ہیں اُن سے اوامر مفہوم ہوتے ہیں۔ ان کے کلام میں قطعات۔ رباعیات۔ مثنوی وغیرہ بھی ہیں مگر ہم اسیقدر کافی سمجھتے ہیں اور اصناف کلام کا یہ تذکرہ متحمل نہیں ہو سکتا۔

م۔ ح۔ یعنی ماسٹر باسط صاحب۔ آپ بسواں ضلع سیتاپور کے رہنے والے ہیں اور دور موجودہ کے ایک نہایت خوش گو خوش مذاق شاعر ہیں۔ غزل خصوصاً نہایت عمدہ اور زبان کی حدود میں کہتے ہیں جس سے صحیح صحیح رنگ تغزل کا لطف آتا ہے۔ دوسرے لوگوں کی طرح آپ اسمیں فلسفہ اور تصوف کے مذاق کو شامل نہیں کرتے۔ جگر بسوانی سے اصلاح لیتے ہیں۔ مگر اسکا کیا علاج ہے کہ جناب جگر سے یہ خود اچھا کہتے ہیں راقم الحروف جناب باسط صاحب سے بھی بخوبی واقف ہے۔ اور کبھی کبھی جناب جگر صاحب کی غزلیں بھی سنیں میرے نزدیک دو جدا جدا راستوں کے چلنے والے ہیں۔ اور ایک کا دوسرے سے کوئی تناسب نہیں۔ باسط صاحب نہایت خوب کہتے ہیں اُن کی طبیعت

رنگینی - بیان میں آمد - بندش میں چستی برجستگی ہے اور اس کے برعکس جناب جگر کے یہاں خشکی - تقشف - پھیکاپن - بدمزگی - بہرصورت باسط نے اپنے اوستاد کی تربیت سے فائدہ اٹھایا اور خود نہایت عمدہ کہنے لگے - ذلک فضل اللہ الخ - آپ کبھی کبھی تفنن طبع کے لئے ظرافت کے اشعار بھی کہتے ہیں اور ظرافت میں ایک ہمہ گیری کی صورت پیدا کرتے ہیں - مگر افسوس ہے کہ باسط جس قدر رنگ عاشقانہ کو نہایت خوبی سے کہتے ہیں اوسی طرح ظرافت میں کامیاب نہیں ہیں - اسکی وجہ یہ ہے کہ دراصل وہ ایک متین اور مہذب آدمی ہیں - ظرافت کو ان کی طبیعت سے کوئی خاص نسبت نہیں ہے - ماسٹر باسط کسی اسکول میں اردو ٹیچر ہیں - شاعری کے بیحد شائق ہیں اکثر رسالوں میں غزلیں طبع ہوتی رہتی ہیں آپکی عمر اسوقت تخمیناً ۳۵ - ۳۶ سال کی ہوگی - نمونہ کلام یہ ہے -

حضرت دل جو کسی سے کبھی الجھے ہوتے ‏ جیتے گو رہتے مگر مفت کے مارے ہوتے

وہ بت تیغ نگہ سے سیکڑوں کو مار آتا ہے ‏ نہ تحقیقات ہوتی ہے نہ تھانہ دار آتا ہے

کہاں جائیگا آخر کرکے بربادی اپنے عاشق ‏ تری ٹم ٹم کے پیچھے میرا موٹر کار آتا ہے

خفا ہے اگر اے دل وہ بے تقصیر ہو جاتے ‏ اگر کٹ کر بندۂ درگاہ بھی تشہیر ہو جاتے

عدو کمبخت کو سودا ہے کچھ ایسا جدائی کا ‏ لئے سر پر پھرا کرتا ہے مٹکا بھرا پانی کا

مرغ دل دام میں گیسو کے پھنسا لیتا ہے ‏ تجھکو دلدار کہیں ہم کہ چڑیمار کہیں

کیا فرق ہے بتا دو لیڈروں میں مولوی میں ‏ دو شاخ ہیں قلم کی لکھتے ہیں پر الگ سے

جو دیکھیگا کوئی یوں بانکپن سے ‏ کٹ کر کھینچ ہی لونگا قتل سے

کھینچتا تصویر کیونکر دیکھکر رنگ جمال ‏ ہاتھ کانپا مرگئی نانی وہیں بہزاد کی

رنگ لائیں نہ عندلیب کی چکنی باتیں ‏ ہم تنبولی اسے سمجھے تھے وہ تیلی نکلا

بتنگ آمدم چوں شب ہجر اے دل ‏ طپیاں سوئے او چوں مچھر یا سیم

نشستم بہ محفل بہ دو رنجشیں — کھسکتے کھسکتے بہ گور یار رسیدم

ہاتھ آیا ہے ستمگر تو بڑے گھاتوں کے بعد — سب بتا دوں گا میں تجھکو بڑا کیا بات کے بعد

بوسۂ چشم طلب میں نے کیا رد و کد — ہنسکے فرمایا کہ منظور ہے پر بات کے بعد

بتوں کے عشق کا مجھکو پڑا ہے آجکل چسکا — حرم سے تجھکو جانے دو نہیں ہیں شیخ کے بس کا

ہم اپنی جان سے لے بت بہت بیزار بیٹھے ہیں — بھری برسات میں آکر یہیں ہوا ر بیٹھے ہیں

پلٹ کر بے ستوں سے یہ کہا اپنے تیر نے — سنا کچھ اور لے بیٹا وہ تیشہ مار بیٹھے ہیں

چھاتی منہ جرا اپنا سنو لیا آرزو دارم — تجھے جی کھولکر لینا بجگلیا آرزو دارم

لپٹ کر مورے سینہ سے تجھے سوگند الشو کی — تری میں توڑ کر دھر دوں لپلیا آرزو دارم

زنخداں سیب ہے عناب لب ہیں — بہت میٹھے ہو تم تو خود لی ہو

کمر سے تمکا لپٹا سے رہت ہے — رقیب ہر وسیہ کی اکر دھنی ہو

بہت نگٹے بہت تنکے بہت اینٹھے بہت اکڑے — تماشا بو سر محفل میں اُن کا چھیڑ کر دیدم

لٹا لو پاس تم ہمکا تمھیں سوگند الشور کی — نہیں تو اینٹھ کر جاؤں گے ہم لے سر کا مر جات

رہے بیٹھے بیٹھے تمسے پیت کا سوجھی تمکی اچھی — برا کرتا ہمیں یہ ہوئی گوا آزار مر جات

تمری الفت ماں بھلا کون دانہ ہوے ہے — گھر ماں بیٹھا ہے جو شخص سیانا ہو سے ہے

پان دشمن نہیں لیتا ہے تو دیتے کیوں ہو

منہ بیٹھا ہوئی ہے کوئی جیب ال[illegible] ہیے ہے

مخلوق ۔ تذکرۂ خوش معرکہ میں جو پٹنہ لائبریری میں محفوظ اور موجود ہے ان کا نام میر احسان علی لکھتا ہے مخلوق نواب تقی خاں ترقی کے یہاں قصہ گوئی کی خدمت پر مامور تھے۔ میر خلیق کے چھوٹے بھائی یعنے میر انیس کے چچا تھے۔ صرف دو شعر تذکرۂ انیس مصنفہ مرزا فدا علی خنجر لکھنوی سے دستیاب ہوئے۔ جو ریختی میں ہیں اسی سے گمان ہوتا ہے کہ مخلوق کا رنگ یہی تھا۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے لوگ بھی اس قسم کے شعر کہنے سے باک نہ کرتے تھے۔

اے دوا دیکھو اب ہو گا بڑا شر پیدا ۔۔۔ لو زناخی نے کیا اور نیا گھر پیدا

مردوں کو ترس رنڈیو پہ کیوں نہیں آتا ۔۔۔ میں مر گئی کمبخت اثر کیوں نہیں ہوتا

مذاق ۔ مرزا غضنفر حسین نام ہے جونپور کے رہنے والے ہیں۔ پچاس برس کی عمر کے آدمی ہیں ایک وقت میں مذاق اور ظرافت کے اشعار لکھنے کا بڑا شوق تھا۔ اور صفدر مرزا پوری کو اپنا کلام دکھاتے تھے معاصرین سے چوٹیں چلا کرتی تھیں۔ مگر اب عرصہ سے شاید بالکل اس رنگ کو ترک کر دیا۔ چنانچہ خود ایک خط میں لکھتے ہیں۔ مجھکو تو اب شعر و شاعری سے چنداں شوق نہیں ہے۔ بہر حال جو کچھ اشعار یاد ہیں وہ لکھتا ہوں مرزا صاحب نے اپنا مختصر حال بھی تحریر کیا ہے۔ جس میں خاندانی حالات زیادہ تر ہیں شاعری کے واقعات سے کچھ علاقہ نہیں اسیواسطے ان کو قلم انداز کرتا ہوں۔ صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ آپ کے مورث اعلی مرزا منور ل بیگ غازی خاں ایران سے بطلب شہنشاہ اکبر دہلی میں آکر سکونت پذیر ہوئے تھے۔ بعد چند سے منعم خان خاناں کے ہمراہ جونپور آکر رہے اور صوبہ جونپور کے گورنر لیفنے

ناظم مقرر ہوئے۔ بہت سے مواضعات معافی میں پائے اور محمد شاہ رنگیلے
کے عہد تک اسی طرح معافی میں رہے۔ مگر اب رفتہ رفتہ تمام علاقہ نکل گیا
کچھ جائداد برائے نام باقی ہے۔ ان کے خاندان میں سوائے مرزا صاحب
یا اُن کے والد کے کسی نے ملازمت نہیں کی اور دربار داری کے جھگڑوں
سے آزاد رہے اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

آتشک کے ہوئے یوں زخم بدن پر پیدا ‏ رات کو چرخ سے جسطرح ہوں اختر پیدا
عیش باغ ان کا ہے کرتے ہیں مزے بیراگیا ‏ خوش نصیب ایسے بھی ہونگے کہیں ہندو پیدا
شان اللہ کی ہے اسمیں اجارہ کس کا ‏ بیضہ زاغ سے ہوتے ہیں کبوتر پیدا
جھوٹ لگتا ہے ہر شیخ و برہمن سنکر ‏ تانیں سارنگی سے ہوتی ہیں جو ہر پیدا

یہ ذوق عشق تو دیکھو کہ قیس کے سر پر ‏ ہمیشہ ناقۂ لیلیٰ سوار رہتا ہے
چلے ہیں وہ سوئے گنگا نہانے کے دن ہیں ‏ اٹھائے بار نزاکت کہار رہتا ہے
شب وصال وہ ضد کرکے ہنسے کیا لپٹے ‏ یہاں معاملہ اکثر ادھار رہتا ہے
ہمارا اپٹ بہت ہی شکستہ خاطر ہے ‏ گلی میں آپ کی کوئی چمار رہتا ہے

یہ رنڈیاں نہیں جو گنگا ڈروں کی تاہیں ‏ انھیں کے واسطے یارو خراب ہم بھی ہیں

مزمل شاہ مزمل کے نام سے مشہور تھے۔ ایک آزاد مزاج وارستہ
حال فقیر تھے حافظ قرآن اور علوم ضروریہ سے آگاہ تھے۔ شاہ آبرو کے
معاصر تھے۔ نہایت عمدہ شعر کہتے تھے۔ اقتضائے زمانہ اور تفنن طبع کے لئے
کبھی کبھی ظریفانہ شعر بھی ان کے قلم سے نکل جاتے تھے۔ اس رنگ میں

ایک شعر دستیاب ہوا جو لکھتا ہوں۔

اے مرزل ناز کا گھوڑا کدا — شوخ بولا چل بے چل آگے سے چل

مست — مست خاں نام تھا قوم افغان سے تھے کبھی کبھی شعر بھی کہا کرتے تھے جسمیں اکثر ظرافت ملی جلی ہوتی تھی ایک شعر اسی انداز کا ملا ہے بدرج تذکرہ کرتا ہوں۔

نہ وہ بانکوں میں گنا جائے نہ شیر پنجہ کہو — خانہ جنگی تمہیں ہی ہے سدا مست کے ساتھ

مسٹر — سید ضیاء علی نام ہے بدایوں کے رہنے ہیں جناب قمر بدایونی کے شاگردوں میں ہیں۔ تحفہ ظریف میں آپ کا کلام چھپا ہے اسی سے چند اشعار منتخب کرکے نقل کرتا ہوں۔

رات یہ اندھیر کیا بزم بت پرفن میں تھا — غیر تو دالان میں تھے اور میں آنگن میں تھا
ٹھان لی تھی میں نے میں بھی جیلخانے جاؤنگا — جب سنا میں نے کہ وہ بت خانہ دشمن میں تھا
آج اسکی صوبہ داری کا معما کھل گیا — روٹی کپڑے پہ ملازم وہ کسی پلٹن میں تھا
سالٹ انسپکٹر کی دعوت توبہ توبہ الاماں — ایک مٹھی بھر نمک اک طشتری سالن میں تھا
کھا گئے یہ کہہ کے وہ ویگی و پوری پگ کی — وہ مٹنجن میں نہ تھا جو ذائقہ کھرچن میں تھا
ایک سی داڑھی تھی اور ایک ہی مونچھیں تو پھر — ظاہرا کیا فرق مولا بخش و رگھنندن میں تھا

یار تھا لیکن ذریعہ رسم کا حاصل نہ تھا — سائیکل اللہ نے دی تھی مگر پیڈل نہ تھا
کون سی ایسی برائی تھی جو دشمن میں نہ تھی — لُر نہ تھا چو کھٹ نہ تھا بودم نہ تھا پاگل نہ تھا
گارڈ صاحب نے برک میں رکھ کے چلتا کر دیا — یہ نہ سمجھے آدمی تھا میں کوئی بنڈل نہ تھا

کالی مرغی دیکھی ٹھاٹھ میں تو مجنوں نے کہا
مجھکو دھوکا ہو گیا لیلیٰ نہ تھی محمل نہ تھا

باپ ماں نے یاد نہیں شادی کی بٹرٹی لڈی
ورنہ جورو کی قسم کھاتا ہوں میرا دل نہ تھا

ٹھاٹ سے چلتے وہ میرے ساتھ بزم غیر میں
نعل جوتے کا لگا دیتے اگر میڈل نہ تھا

داغ دل کی روشنی دیکھی تو فرمانے لگے
گیس کا ہنڈا تھا مسٹر یہ تمہارا دل نہ تھا

مسٹر نے اپنے کسی دوست کے لئے سہرہ بھی لکھا ہے جس کے بعض بعض شعر بہت خوب ہیں۔

شیخ صاحب نے جو باندھا ہے کمر پر سہرا
ایک گز چھوٹا ہے دو گز کی برابر سہرا

تجربہ کار کو امداد کی حاجت کیا ہے
کہدو نوشاہ سے خود باندھ لے اٹھکر سہرا

کون کہتا ہے گیا وقت نہیں آتا ہے
پھر بندھا لوٹ کے نوشاہ کے سر پر سہرا

عمر کو دیکھ کے نوشہ کا ادب کرتا ہے
بے سبب پاؤں پکڑتا نہیں جھک کے سہرا

کہدو مالن سے کہ تھامے رہے لڑیاں مسٹر
رہ نہ جائے کہیں داڑھی میں الجھکر سہرا

مصحفی شیخ غلام ہمدانی نام تھا۔ امروہہ کے رہنے والے تھے۔ مگر عمر کا بیشتر حصہ لکھنؤ اور دلی میں صرف ہوا۔ شاعرانہ کمال اور علم و فضل میں معاصرین حتی کہ میر اور سودا سے ہرگز کم نہ تھے۔ بلکہ اگر بعض باتوں میں ان کو ان کے مشہور معاصرین پر ترجیح دیجائے تو قباحت نہیں ہے۔ تمام اصناف سخن پر قادر تھے۔ نہایت ذکی قوی الحافظہ زود گو تھے یہاں تک کہ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ غزلیں کہہ کہہ فروخت کرتے تھے۔ اور یہ دستور تھا کہ جہاں کوئی مشاعرہ ہوتا یہ بہت سے شعر اسی زمین میں کہہ کر رکھ لیا کرتے اور پھر گاہکوں کے ہاتھ حسب حیثیت شعر فروخت کر دیتے۔ دو تذکرے اردو و فارسی شعرا کے۔ اور چھ دیوان اردو ایک دیوان فارسی ان سے یادگار ہیں۔

مصحفی نے ابتدائی تعلیم پانے کے بعد دلی کا رخ کیا اور وہیں علوم رسمیہ
اور ضروری کی تکمیل ۔ مشاعروں اور شعر و سخن کے جلسوں میں شرکت کرتے رہے
مگر جب دلی کے عروج کا زمانہ رو بہ زوال ہوا اور اہل کمال ایک ایک کرکے اسکے
در و دیوار کو الوداع کہتے ہوئے ادھر اُدھر چلے گئے ۔ تو مصحفی کا بھی جی اکھڑ گیا
اور لکھنؤ چلے آئے ۔ یہاں آکر چند روز نہایت عسرت اور پریشان حالی میں
گزارے آخر کار مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار میں ملازم ہو گئے اور کچھ درماہہ بھی
مقرر ہو گیا ۔ اسی کے ساتھ ساتھ لکھنؤ میں ان کی شاعری کا سکہ جما اور دوسرے
باکمالوں کے ساتھ لوگوں کی زبانوں پر ان کا نام بھی آنے لگا ۔ پھر تو وہ مشہور
ہوا کہ نامی معاصرین ان پر رشک کرنے لگے ۔ حسد اور نفاق کی آگ لوگوں کے
دلوں میں بھڑک اٹھی ۔ چنانچہ جہاں تک معلوم ہو سکا واقعہ یہ ہے کہ مصحفی کبھی کبھی
ظرافت کے اشعار کہتے تھے مگر ہجو کے ناپاک اور گندے مضامین سے اپنی زبان
اور بیان کو آلودہ کرنا نہ چاہتے تھے ۔ لیکن زمانہ کے مشہور زمانہ ساز شاعر انشا کی بیجا
شوخیوں ۔ اور بد رنگیوں نے ان کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا ۔ اور وہ وہ کچھ کھلا کر
چھوڑا جس سے آج ان کو بھی ایک ہجو گوئی کا مشاق شاعر ماننا پڑتا ہے ۔

جیسا کہ بیان ہوا مرزا سلیمان شکوہ کی غزلیں ہمیشہ مصحفی بنایا کرتے تھے ۔ اتنے
میں وہ زمانہ آیا کہ انشا بھی لکھنؤ پہونچے انشا کو سب جانتے ہیں کہ وہ صرف شاعری تھے
زمانہ سازی اور بہروپ میں بھی اپنا جواب نہ رکھتے تھے حسب ضرورت نقالی کرنے میں
بھی ان کو کوئی عار نہ تھا ۔ رنگیلے ۔ دنیا بھر کے جلسوں میں شریک ہونے والے تھے
شدہ شدہ مرزا سلیمان شکوہ کی محفل میں بھی اُن کا گزر ہوا ۔ کون نہیں جانتا کہ عیش
و مسرت کے جذبات اس کلام سے اور بھی ابھرتے ہیں جس میں رنگینی ۔ شہدپن
فواحش ۔ رذالت کی چاشنی ہو ۔ انشا کے یہاں اسکی کیا کمی تھی انھوں نے مرزا

سلیمان شکوہ کو وقت بوقت اپنی سریلی آواز میں آسی لب و لہجہ کے ساتھ مختلف قسم کی شاعری کے انداز دکھائے - کچھ وجاہت ظاہری - کچھ انشا کی خوبصورتی کچھ نواب کی مصاحبت کی عزت کچھ بذلہ سنجی - ظرافت بازی - کچھ مزاج شناسی وغیرہ یہی چیزیں تھی جنھوں نے شاہزادۂ مذکور کو ان کی طرف زیادہ متوجہ کردیا غریب ثقہ متین - مہذب - جذبات حزن و انقباض ادا کرنے والے عسیر الحال تنگدستی فقر و فاقہ میں بسر کرنے والے - متین اور مہذب سنجیدہ بزرگوں کی آنکھیں دیکھنے والے بڑھے مصحفی کے یہاں یہ چیزیں اول تو تھیں کہاں اور اگر تھیں تو متانت علم - شرافت کے تودے کے نیچے دبی پڑی تھیں - نتیجہ وہی ہوا جو ہونا تھا — سلیمان شکوہ یا تو ان سے پھر گئے یا پھیرے نہیں تو انشا کی چکنی چپڑی خوشامدانہ باتوں کی طرف زیادہ مائل ہو گئے - کچھ تنخواہ بھی کم کردی - جس پر غریب بڑھے نے جلکر یہ شعر کہے -

چالیس برس کا ہے چالیس ہی کے لائق | تھا ورنہ کہیں دس یا بیس کے لائق
اے وائے کہ پچیس ابنائے پانچ ہیں اپنے | ہم بھی تھے کہیں ورنہ پچیس کے لائق
استاد کا کرتے ہیں امیر اپنے مقرر | ہوتا ہے جو درماہہ کہ ستائیس کے لائق

اسی واقعہ کے بعد سے انشا اور مصحفی میں ایک رنجش کی بنا پڑگئی - مگر ابھی یہ رنجش دلوں سے زبانوں تک نہ آئی تھی اتنے میں ایک تازہ واقعہ یہ ہوا - کہ انھوں نے ایک غزل کہی -

زہرہ کی جو آئی کف ہاروت میں انگلی | کی رشک نے جا دیدہ ماروت میں انگلی

اسی غزل میں بعض بعض شعر ایسے تھے جن پر سید انشا کو اپنے خاصے تمسخر کا موقع ملگیا - اور بڑھے کو خوب بنایا گیا - مثلاً ان کا مقطع تھا

تھا مصحفی یہ مائل گریہ کہ لیں از مرگ | تھی اسکی وہیں چشم پہ تابوت میں انگلی

انشاؔ نے اسکو یوں بنا دیا۔

تھا مصحفی کا ناچ چھپانے کو پس از مرگ | رکھے ہوئے تھا آنکھ پہ تابوت میں انگلی

پھر کیا تھا۔ بات کا بتنگڑ بن گیا ہجوؤں کا لٹھ ذرا اتنا کھچا کہ توبہ ہی توبہ۔
مگر ان سب کو نہ ہمارے تذکرہ کے لئے کوئی بڑا علاقہ ہے اور نہ لکھنا چاہتے ہیں دوسرے
تذکروں میں موجود ہیں وہیں سے دیکھ لیجئے۔ میں کچھ ظریفانہ رنگ کے شعر
لکھتا ہوں۔

دیکھا نہ میں نے ہند میں جب کہ پشاوری | لئے برنج اے مصحفی وہ اپنی پشاور گئی
کیوں نہ دل نظارگی کا جائے لوٹ | لکھنؤ میں حسن کی بندھی ہے لپٹ

آزاد نے لکھا ہے کہ ایک سقنی کو دیکھ کر شیخ صاحب کی شوخیٔ طبع کے منہ
میں پانی بھر آیا ہے۔ اس غزل کے چند ظریفانہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

پانی بھرے ہے یار وہاں قرمزی دوشالا | لنگی کی سج دکھا کر سقنی نے مار ڈالا
کاندھے پہ مشک لیکر جب قد کو خم کرے ہے | کافر کا نشۂ حسن ہو جائے ہے دوبالا
دریائے خوں میں کیونکر ہم تیغ قد نہ ڈوبیں | لنگی کے رنگ سے جب وہاں تا کمر ہو لالا

———— | ناچی ہے تری عالم لاہوت میں انگلی
———— | حایک کی گرفتار ہو جوں سوت میں انگلی

اس کے در پر میں گیا سوانگ بنا تو کہا | چل بے چل دور ہو کیا لیکے فقیر آیا
سرگرم سیر گلشن کیا خاک ہوں کہ اپنا | نزلے سے سو رہا ہے آپ ہی دماغ ٹھنڈا
چینے عاشق نہ کیوں اسکے موئے | کہ چشم شوخ اسکی ہے ممولا
جزاک اللہ بنایا تو نے صیاد | قفس میں از پئے بلبل ہنڈولا

انشا کی منہ زوریاں اور ستم ظریفیاں جب حد سے بڑھ گئیں تو انھوں نے یہ رجز کہکر انشا کو چڑایا انشا نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اور خوب جواب دیا۔

دانش پہ گھمنڈ اپنی جو کرتا ہے بہ شدت — وہ شخص ہے واللہ کہ مجنوں مرے آگے
میں گو نہ سمجھتا ہوں سدا اسکی صدا کو — گر بول اٹھے ادبی کی چوں چوں مرے آگے
قدرت ہے خدا کی کہ ہے آج وہ شاعر — طفلی میں جو کل کرتے تھے غاں غوں مرے آگے
موسی کا عصا مصحفی ہے خامہ مرا بھی — گو خصم بنے اسود افیوں مرے آگے

مصحفی کا ظریفانہ کلام اگر تمام دواوین سے انتخاب کیا جاے تو کافی تعداد میں نکل سکتا ہے گر مشتے نمونہ از خروارے سمجھکر چھوڑتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ ان کے کلیات کا ملنا بھی بہت دشوار ہے۔ مصحفی نے ایک طویل عمر پا کر سنہ ۱۲۴۰ھ میں بمقام لکھنؤ وفات پائی۔

م ۔ ع اودھ پنچ کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جب کانگڑہ میں زلزلہ سے نقصانات ہوے تو آپ کے عجیب و غریب خیالات کو اس طرح جنبش ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیے۔

کیا نہیں اس فتنۂ محشر کی ٹھوکر زلزلہ — پوچھ لینا اب کے جو آے بکرر زلزلہ
اے ستمگر تو دکھادے انکو چلکر زلزلہ — جو سمجھتے ہی نہیں آتا ہے کیونکر زلزلہ
اے عجب جاپان روس و مصر لندن چھوڑ کر — ہند ہی میں کیوں رہا کرتا ہے اکثر زلزلہ
آمد آمد پھر کسی پر کائی آفت کی ہے — پھر جہاں میں آنے والا ہے مقرر زلزلہ
ایک میں کیا ساری دنیا کا مقولہ ہے یہی — دو قدم رہتا ہے پیچھے آج ہمکر زلزلہ
اے بت کافر تری چالوں سے اکثر ہند میں — آتا جاتا ہے برابر زلزلہ پر زلزلہ
مضطرب دل تھم گئے دلدار لنگڑے ہو گئے — اب جہاں میں آئیگا کیا خاک پھر زلزلہ

چپکے چپکے آ سکے پیچھے ہاے بھولا شام کا ۔۔۔ صبح کو آیا کہیں راتیں گنوا کر زلزلہ
ہاں بہ تقریب سیاحت صوبۂ پنجاب میں ۔۔۔ آجکل آیا ہے شملے سے اتر کر زلزلہ
کعبۂ دل ڈھہ گیا اصنام ٹھنڈے ہو گئے ۔۔۔ اللہ اللہ اب کرے گوشہ میں چھپ کر زلزلہ
پاؤں پڑتے والا ہے اک حشر زا رفتار کا ۔۔۔ فتنۂ محشر سے ہے دو ہاتھ بڑھ کر زلزلہ

معروف نواب الٰہی بخش خاں نام تھا فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں بہادر والی کے چھوٹے بھائی تھے دہلی میں رہتے تھے۔ چونکہ اوائل عمر سے درویشوں اور اولیاء اللہ سے ملنے کا زیادہ شوق رہا اسوجہ سے آخر میں دنیا کو ترک کرکے طاعت وعبادت میں زیادہ مشغول ومصروف رہتے تھے شعر وشاعری سے اوائل عمر سے شوق تھا۔ نہایت مشتاق قادر الکلام تھے۔ آزاد نے آبحیات میں انھیں ذوق کا شاگرد لکھدیا ہے مگر یہ اتہام ہے ذوق سے ان کی مشق ہرگز کم نہ تھی بلکہ قابلیت علمی میں وہ ان سے زیادہ تھے ابتدا میں شاہ نصیر سے اصلاح لیتے تھے آخر میں وہ بھی ترک ہو گئی تھی۔ ان کی تصنیف سے دو دیوان ہیں جو طبع نہیں ہوے اور نہ امید ہے کہ آئندہ چھپ سکیں گے معروف نے سنہ ۱۲۴۳ھ میں دنیاے فانی کو خیرباد کہکر سفر آخرت اختیار کیا

معروف مرحوم کوئی ظریف شاعر نہ تھے بلکہ برعکس اس کے اپنے وقار خاندانی اور اپنی صوفیانہ روش کی وجہ سے وہ ایسی باتوں سے قریب قریب اجتناب کرتے تھے۔ گر اس تذکرہ میں ان کا نام نامی صرف اسوجہ سے لایا گیا کہ انھوں نے دیوانوں کے علاوہ ایک چھوٹا سا دیوان ایک سو ایک اشعار کا تسبیح زمرد کے نام سے ترتیب دیا ہے۔ جس میں التزام کیا ہے کہ تمام اشعار میں معشوق کی سبزہ رنگی کی تعریف کیجاے۔ اور اس صنعت خاص کو نباہنا کس

مرغوب سمجھا ہے کہ اپنی زندگی میں اپنے تمام احباب سے فرمایش کردی تھی کہ اگر کوئی محاورہ وغیرہ سبزی کا ملے تو ہمکو ضرور بتانا۔ اس میں اس قدر انہماک تھا کہ شاہ محمدی پاس کے ایک شاگرد بھورے خاں متخلص بہ آشفتہ نے کوئی شعر کہا جس میں ہری چگ (جو ایک جانور ہوتا ہے) کا لفظ آیا۔ نواب صاحب نے بھی اتفاق سے وہ شعر سنا چونکہ اسوقت تک ان کے یہاں یہ لفظ نہ آیا تھا لہذا اسو روپیہ دیکر یہ لفظ خرید لیا اور موزوں کیا جو آگے چلکر لکھا جائے گا چونکہ ہم اس سے پہلے آبنوس کے اشعار لکھ چکے ہیں جنھوں نے یہ التزام کیا ہے کہ کوئی شعر سیاہی سے خالی نہ ہو۔ اسواسطے یہ بھی ضروری سمجھا کہ تشبیح زمرد کے اشعار بھی نقل کیے جائیں۔ گو آبنوس کے یہاں ظرافت بھی شامل ہے اور اُن کے یہاں یہ کچھ بھی نہیں مگر صرف اس قسم کے اشعار بھی تفریح طبع کا سامان ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ صنعت جس کا شاعری میں التزام کیا جائے اور تشدد کے ساتھ اسپر قائم رہا جائے وہ خود بخود ایک قسم کی ندرت کے ساتھ ظرافت خیز ہو جاتی ہے۔

کسے تھا سبزہ رنگ اکلام بھر دو اپنے سینے کا
نشانی گر ترا ہوتا نہ چھلا سبز مینے کا

بسکہ سبزہ رنگ ہی قاتل مرا
نت ہرا رہتا ہے زخم دل مرا

کون یہ لیکے ہاتھ میں سبز کمان آگیا
ابروئے سبزہ رنگ کا پھر مجھے دھیان آگیا

سبزہ رنگوں کی جو میرا الفت میں آزاری ہوا
خلط صفرا یاں تلک بگڑا کہ زنگاری ہوا

حرف سبز اب تیرے منھ سے ہی نکلتا بیڈ ہے
سبزہ رنگ آج ہی تو زہر اگلتا بیڈ ہے

سبزہ رنگ آگے بڑھا تو جوتے ساتھ پیادے ت
کیا کہوں آڑ گئے طوطے مرے ہاتھ کے رات

قتل کی کچھ میرے سبزہ رنگ کو تدبیر آج
دل مرا چاہے ہی سیر سبزۂ شمشیر آج

سبزہ رنگوں کے فریبوں میں آیا جس طرح
عشق نے پھر سبز باغ اسکو دکھایا اس طرح

جبکہ طفلی میں اماموں کا بنایا تھا فقیر ۔۔۔ تھا اسی دن سے عاؔ گو سبزہ رنگوں کا فقیر
ولادت وہ تڑ توا ان سبزہ رنگوں کی صفائی پر ۔۔۔ پھسل جاتا ہے اکثر آدمی کا پاؤں کائی پر
سبزہ رنگوں کی صفائی پر ہیں یوں شیدا سبز ۔۔۔ دل میں جوں صوفی صافی دل کے ہو انوار سبز
کائی ملد وتم مجھے آگے خدا شافی ہے بس ۔۔۔ دل جلوں کو سبزہ رنگوں کی یہی کافی ہے بس
دھیان میں یوں ہوں سبزہ رنگ کے غرق ۔۔۔ جوں نشے میں ہو کوئی بھنگ کے غرق
تری سبزہ رنگ ایسی صورت ہے صاف ۔۔۔ زمرد کی گویا کہ مورت ہے صاف
سبزہ رنگو پہ نہ اپنا ہو کہیں جی مائل ۔۔۔ اس برس رنگ ہے نوروز کا سبزی مائل
کیوں عشق نہ سبزہ رنگ پہ دل سے مدام ہوں ۔۔۔ میں حضرت امام حسن کا غلام ہوں
آج یہاں کل وہاں گذرے یوں ہی جگ بیچ ۔۔۔ کھوتے ہیں سبزہ رنگ اس سے ہری جگ ہیں
اے سبزہ رنگ ہاتھ سے لے میرے پان تو ۔۔۔ یہ برگ سبز تحفۂ درویش جان تو
یہ حالت غم میں ہے ان سبزہ رنگوں کے مرے جی کی ۔۔۔ چمن میں زہر لگتی ہے مجھے آواز طوطی کی
سبزہ رنگوں سے محبت ہے مجھے ذات کی ۔۔۔ چاہتا ہوں ہر جگہ سرسبزی اپنی بات کی
اس بڑھاپے میں بھی کم ہوویگی لہری ہم سے ۔۔۔ سبزہ رنگوں سے چھنا کرتی ہے گہری ہم سے
یارب سبزہ رنگوں کے اب دل میں غم بھر آیا ہے ۔۔۔ کیجیو خیر اس بستی کی یہ سبز قدم پھر آیا ہے
ہے طراوت آنکھوں میں ہے دائم چھاتی ٹھنڈی ہے ۔۔۔ یاد میں سبزہ رنگوں کے دل کیا ہے سبزی منڈی ہے

مقصود ۔ مقصود بیگ نام تھا لکھنؤ کے رہنے والے اوباش مزاج شخص تھے ہزل گوئی میں مشاق تھے ۔ چنانچہ نواب مصطفیٰ خاں صاحب تذکرہ گلشن بیخار میں لکھتے ہیں " از سوقیان لکھنؤ است ۔ خرافاتش نہ سزاے آنست کہ دریں اوراق مذکور گردد ۔ اما چوں نوشتہ اند نوشتہ شد " ان کا صرف ایک شعر تذکروں میں ملتا ہے ۔

بوسہ لینے سے خفا ہوتے ہیں کیوں مشفق من ۔۔۔ بوسہ دینے سے ہے کہ دونوں کو مزا ملتا ہے

مقروض شاعر اودھ پنچ سابق کے ایک مضمون نگار نے اسی نام سے ایک تاریخ داغ لکھی ہے جو بجنسہ درج کیجاتی ہے۔ افسوس ہے کہ اِن کا نام و مقام کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ داغ کی ہجو کا سلسلہ تاریخوں کی صورت میں مدت تک اودھ پنچ میں قائم رہا تھا اسی میں سے ایک یہ ہے۔

کہتے ہیں لوگ داغ کی صورت — ایسی تھی جیسے زاغ کی صورت
نام گلزار داغ ہے جس کا — ہے وہ اک اجڑے باغ کی صورت
تم کہیں دو بھی شربت دینار — ہوں سراپا ایاغ کی صورت
ہائے بمغز ناریل کی طرح — سر بسر ہے دماغ کی صورت
اٹھ گئے ہائے داغ دنیا سے — غم سے کیا ہو فراغ کی صورت
داغ کے غم سے بزم ہستی میں — جل رہا ہوں چراغ کی صورت
چشم بد دور واہ کیا کہنا — میں نے دیکھی ہے داغ کی صورت

منیر۔ سعادت یار خاں رنگین کے شاگرد تھے آفتاب خاں نام تھا دہلی کے رہنے والے تھے ایک شعر اُن کا تذکروں میں ملتا ہے چونکہ بیاض سلسلۃ الظرفا میں بھی یہی شعر درج ہے اسواسطے صرف اسی شعر پر اکتفا کرتا ہوں اسی ایک شعر سے ایک ضعیف سا احتمال ہوتا ہے کہ یہ ظرافت کے شعر بھی کہتے تھے۔

جی چاہتا ہے زلف کا تیری بیاں کریں — شانے کے دانت توڑ کے اپنی زباں کریں

منخور۔ منشی اسد اللہ نام تھا۔ چھپیرہ جو ہگلی کے متصل ایک قصبہ ہے وہیں رہتے تھے منشی علی جان کے عرف سے معروف تھے۔ مولوی عبد الغفور نساخ کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ ریختی گوئی میں نہایت مشاق تھے۔ اور اس میں دوگانا

تخلص کرتے تھے چونکہ اصل میں بھی تخلص تھا - لہذا حرف میم میں اس کا ذکر کیا گیا

سو بہانے تھے گر آتے تو ہزاروں ڈھب تھے　　لاکھ صورت سے اجی بات بنائی ہوتی

کل اُنسے جو محفل میں کہا میں نے کہ غافل　　جینے کے ترے غم سے مجھے پڑ گئے لالے

سنتے ہی لگے کہنے وہ مخمور سبھوں سے　　لو اور سنو یہ بھی ہوئے چاہنے والے

رات کو اک نگوڑے نٹ کھٹ نے　　صحن میں پا کے بے حجاب مجھے

مچھیاں لیں گلے سے لپٹا کے　　پھر لیا زانوؤں میں داب مجھے

منتیں کیں ہزاروں قسمیں دیں　　کر کے چھوڑا مگر خراب مجھے

موج - خدا بخش ایک مشہور گویا تھا جو اکبر آباد کا رہنے والا تھا - مگر بیشتر حصہ عمر دہلی میں گزارتا تھا آخر میں لکھنؤ چلا آیا تھا - اور یہیں انتقال کیا - اسکو ظریف لکھا ہے - مگر اس کا کوئی شعر جو رنگ ظرافت میں واقعی ہو مل نہ سکا لہذا ایک شعر جو تذکروں میں درج ہے اور اس میں ایک ہلکا سا ظرافت کا رنگ ہے درج کیا جاتا ہے -

لاکھوں کٹوا دئے سر آن میں ہنستے ہنستے　　اے مری جان کوئی تو تو "مہری نے

مولانائی - اودیاق تخلو سے متعلق تھے اور کبھی ...ل است مرد و زن را

رہتے تھے - اپنے اشعار پر بڑا ناز تھا - مطایبات کہنے کا ...شاخه بود صد گردن را

قطعہ تذکرہ آتشکدہ سے نقل کرتا ہوں - ...پر توجہ دلائی اور اس کے

دی بہ حمام انپے غسل جماع　　گذشت ...ا - مہری نے برجستہ یہ

کیسہ ما لے با سرین چوں بلور　　بھر ما

چوں مرا بر رو فگند از اشتیاق | جملہ شہوت گشت در تن خو من
طرفہ ... بر سر ... م نہاد | کاش بودے ... او در ... من

مہتر۔ عبدالسمیع نام تھا۔ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ نہایت خوش تقریر نیک مزاج۔ بلند حوصلہ آدمی تھے۔ جس زمانہ میں تحصیل علوم فارسی وغیرہ سے فراغت پائی اور انگریزی کی طرف توجہ کی تو شاعری کا بھی شوق دامنگیر ہوا چنانچہ خود بیان کیا کرتے تھے کہ متعدد غزلیں کہیں۔ مگر دیکھا کہ کہنے والوں نے اتنا کچھ کہدیا ہے۔ کہ اسی رنگ میں شعر کہنا نہ صرف فضول ہے بلکہ متقدمین کا منھ چڑانا ہے اسی خیال کو پیش نظر رکھکر کچھ دنوں کے لئے شعر کہنا چھوڑ دیا ہے۔ مگر جذبات کا ابھار اور فطری ذوق دب کر رہا۔ اس طرف سے توجہ کم ہوتے ہی ظرافت کی طرف بہ نکلی۔ چرکین کا رنگ پسند آیا۔ اور اسی میں کہنا شروع کر دیا۔ مگر صرف تفنن طبع کے طریق پر اس مشغلہ کو جاری رکھا۔ نہ کبھی اپنے کلام کو جمع کیا اور نہ کہیں چھپوایا۔ چند روز کے بعد یہ بھی زہا بھر برسوں شعر کی نوبت نہ آتی تھی ۲۶ء میں ایک روز مسجد سے نماز پڑھکر نکل رہے تھے ی شخص نے چاقو مار دیا اور اسی میں فوراً جاں بحق ہوئے۔ ایک مرتبہ میں نے ا تو یہ شعر سنائے تھے۔ جو ابتک حافظہ میں محفوظ ہیں۔

و سے افسوس آجتک | سبزہ ہے سخ پہ یار کے اور صفا بھی نہیں
نے کے بعد بھی | بیت الخلا کے پاس ہمارا مزار ہو
بس وہ چھوکرا | جو لئے پھرتا ہے اپنے ساتھ پنچ ڈکرا

ں تھی شاہرخ مرزا گورگان کے زمانہ میں گوہر شاہ
ں۔ نہایت عقیل اور حسین و جمیل تھی۔ مطائبات

لکھنے کا بھی کافی شوق تھا۔ اور اپنے شوہر خواجہ عبدالعزیز کے ساتھ جو درباری اطباء کے زمرے میں ملازم تھے نہایت مذاق اور تمسخر کیا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ خواجہ مذکور آرہے تھے اور مہری اپنی بیگم کی مصاحبت میں بالاخانہ پر بیٹھی تھی بیگم نے خواجہ صاحب کو آتے دیکھکر اور خواصوں سے کہا کہ خواجہ کو جلد بلا لاؤ۔ چنانچہ خواصوں نے خواجہ سے جاکر کہا کہ جلد جلد چلئے بیگم صاحبہ یاد فرماتی ہیں۔ حکیم صاحب نے حالت اضطراب میں جو جلد جلد چلنے کی کوشش کی۔ تو گر پڑے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ خواجہ نے بیگم کے انبساط طبع کیوجہ سے دانستہ ضعف کا بہانہ کیا اور پیرانہ سالی کی حرکتیں کرنا شروع کیں بیگم بہت ہنسی اور مہری سے فرمایش کی کہ اس حالت کو نظم کرکے عرض کرے۔ مہری نے حسب الحکم یہ اشعار کہے۔

مرا با تو مہر یاری نماندہ است   دل مہر و وفاداری نماندہ است
ترا از ضعف پیری قوت و زور   چنانکہ پاے برداری نماندہ است

بعض تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ مہری کو سلطان شاہرخ مرزا کے بھانجے سے بڑی محبت تھی اور اس محبت پر لوگ ناجائز تعلق کا گمان رکھتے تھے۔ یہ قصہ ایسا مشہور ہوا کہ خواجہ عبدالعزیز کو بھی خبر ہوگئی۔ اور شدہ شدہ یہ خبر بادشاہ کے کانوں تک پہونچی چنانچہ شوہر کی استدعا پر بادشاہ نے مہری کو قید کردیا۔ مہری نے اسی حالت قید میں یہ رباعی کہی

شہ کندہ نہاد سرو سیمیں تن را   زیں واقعہ شیوں است مرد و زن را
افسوس کہ از کندہ نخواہد فرسود   پاے کہ دو شاخہ بود صد گردن را

ایک روز شوہر نے اپنے یہاں کی عیش و عشرت پر توجہ دلائی اور اس کے ساتھ ہی مہری سے اسکی بے وفائیوں کی شکایت کی۔ مہری نے برجستہ یہ رباعی کہکر خواجہ صاحب کو سنائی۔

در خانۂ تو آنچہ مرا شاید نیست — بندے ز دلِ رسیدہ بکشاید نیست
گوئی ہمہ چیز دارم از مال و منال — آرے ہمہ ہست آنچہ میباید نیست

اسیطرح ایک مرتبہ میاں بیوی میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ بڈھے شوہر کی زبان میں زور آگیا تھا جو چاہتا تھا کہتا تھا۔ مہری پہلے تو سب باتیں خاموشی کے ساتھ سنتی رہی مگر جب غصہ ضبط کی حدوں سے باہر ہوگیا تو یہ رباعی کہکر سنائی۔

شوئے زنِ نوجواں اگر پیر بود — چوں پیر بود ہمیشہ دلگیر بود
آرے مثلِ است آنکہ گویند زناں — در پہلوے زن تیر بہ از پیر بود

مہستی۔ گنجہ کی رہنے والی تھی نہایت شریف النسب تھی۔ بعض لوگوں نے اسکو نیشاپوری لکھا ہے۔ تذکرہ آتشکدہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ عورتوں میں ایسی شاعرہ کوئی نہیں ہوئی۔ سلطان سنجر کے مصاحبین میں منسلک تھی۔ نہایت زودگو حاضر جواب بذلہ سنج تھی۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ چلے کے جاڑے میں جب برف خوب گر رہی تھی۔ در و دیوار سفید ہو رہے تھے سرد ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ رات کے وقت کسی ضرورت سے بادشاہ نے مہستی کو تھوڑی دیر کے لئے باہر بھیجا۔ جب واپس آئی تو جاڑے کی وجہ سے سکڑ گئی تھی۔ بادشاہ نے مذاقاً کہا کہ اسوقت باہر کا کیا حال ہے۔ مہستی نے فی البدیہہ یہ رباعی نظم کر کے سنائی۔

شاہا فلکت اسپ سعادت زیں کرد — وز جملۂ خسرواں ترا تحسیں کرد
تا در حرکت سمندِ زریں نعلت — برگل نہ نہد پائے زمیں سیمیں کرد

اس کا کلام عبید اللہ اوزبک کے فتنہ کے زمانہ میں خصوصاً تسخیر ہرات کے وقت ضائع ہوگیا۔ اس کے مطائبات کا نمونہ یہ ہے۔

قصاب چنانکه عادت اوست مرا بگند و بکشت و گفت کیش است مرا

سرباز به عذر می نهد بر پایم دم میدهم تا به کند پوست مرا

قاضی چو زنش حامله شد زار گریست گفتا ز سر کینه که این واقعه چیست

من پیرم و ... من نمی جنبد ہیچ وین قحبه مریم است این بچه ز کیست

آنی که منو ہیچ کس تو چیزے نه دہی صد چوب مغل خوری و تیزے نه دہی

شنکے که از و روغن بزرگ گیرند گر بر شکمت نهند تیزے نه دہی

حرف نون

ناجی ۔ محمد شاکر نام تھا۔ بڑے حریف وظریف تھے۔ نادرشاہی لڑائی میں زندہ تھے۔ سب تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ زمانہ کے دستور کے موافق یہ ظرافت اور پھکڑ کے شعر زیادہ کہتے تھے۔ میر تقی میر اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں "جوانے بود آبلہ رو۔ سپاہی پیشہ مزاجش بیشتر مائل بہ ہزل بود معاصر میاں آبرو۔ بندہ باو یک دو ملاقات کردہ بودم شعر ہزل خود میخواند۔ دمردمانرا بخندہ می آورد وخود نمی خندید۔ مگر گاہے تبسمی میکرد۔ وطنش شاہجہان آباد جواں از جہاں رفت" اسیطرح میر حسن۔ اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔ "دراوائل سلطنت محمد شاہ مردے ظریف طبع بود اکثر از لطائف وظرائف مردماں را بخندہ می آورد وخود نمی خندید۔ مگر تبسمی میکرد" اسیطرح آزاد آبحیات میں لکھتے ہیں۔ "اہل سخن نے انھیں طبقہ اول کے ارکان میں شمار کیا ہے۔ امیر خاں جو محمد شاہی دربار کے رکن اعظم تھے یہ اُن کے نعمت خانہ کے داروغہ تھے مگر تیز مزاج اور شوخ طبع بہت تھے۔ راہ چلتے سے ابجھتے تھے اور جس کے گرد ہوتے تھے اُسے پیچھا چھڑانا مشکل ہوتا تھا۔ مندرجہ بالا بیانات سے اُن کی شوخ طبعی اور ظرافت مسلم ہوتی ہے۔ مگر کیسی مصیبت ہے ظرافت کے تذکرہ لکھنے والے واسطے کہ ایک شخص نے بھی ان میں سے ظرافت کا ایک شخص نقل نہیں کیا۔ مجبوراً انھیں متین اور مہذب اشعار میں سے کچھ ایسے شعر انتخاب کرنا پڑے جن پر ان کی شوخ مزاجی

کی مہریں لگی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اگرچہ وہ سراپا رنگ ظرافت میں نہیں ہیں۔
پھر بھی سب کچھ ہیں۔ گو کم ہیں مگر نمونہ کے لیے بہت ہیں۔

بے نواؤں سے نہ مل اے مو کمر مت پیچ کھا
مونڈ سر لڑکوں کو کرتے ہیں وہ اپنا بالکا

رکھے اس لالچی لڑکے کو کوئی کب تک بہلا
چلی جاتی ہے فرمائش کبھی یہ لا کبھی وہ لا

اگر ہو وہ بت کافر کبھی اشنان کو ننگا
بھنور میں دیکھکر جمنا اسے غوطے میں جا لگتا

نہ لڑکو یار کو کہ خط رکھاتا یا سنڈاتا ہے
مے نشہ کی خاطر لطف سے سبزی بناتا ہے

جو کوئی کچھ کہے پگھل جائے
شعر وہ ہے ہمارا موم کی ناک

ہمیں تو بوسہ نہ دینے کہا نہ کہہ کے دیا
جنھوں سے وعدہ کیا ہے انھیں جاچتے ہیں

جان ہے جیوڑا ہے دلبر ہے
پر یہ مشکل کہ طالب زر ہے

لب جان بخش آگے تیرے سخن
جو مسیحا کا نام لے خر ہے

جہاں دل بند ہو ناجی کا وہاں آوے خلل کیونے
رقیب لاولد ناصح گو یا لڑکوں کا باوا ہے

نازؔ سید حسن نام ہے۔ تکیہ ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں۔ دور موجودہ کے خوشگو ظریفوں میں ہیں۔ عاشقانہ اور ظریفانہ دونوں رنگوں میں شعر کہتے ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ اردو۔ انگریزی۔ اور قدرے ہندی جانتے ہیں جس زمانہ میں لکھنؤ میں قیام تھا۔ راقم الحروف کو اپنا کلام دکھاتے تھے اب دو تین برس سے نہ ملاقات ہوئی نہ کوئی کیفیت معلوم ہوئی۔ نازؔ ایک دوست آشنا۔ نیک مزاج۔ نیک نفس آدمی ہیں۔ لکھنؤ کے اکثر مشاعروں میں ہزل اور غزل دونوں پڑھا کرتے تھے۔ اب نہ معلوم ظرافت کہتے ہیں یا نہیں۔ ان کا کلام میرے پاس موجود نہیں ہے مگر تذکرہ تبسم گل سے نقل کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اور جو شعر یاد آئے گا وہ لکھ دیا جائے گا۔

ہزاروں اور اچھی اچھی چیزیں تھیں زمانے میں	مگر اس چوٹی والے کو میرا دل پسند آیا
اسی ٹی کے پیچھے کھیلتے ہیں یہ شکار اکثر	جناب شیخ کو انداز ریشائل پسند آیا
ہماری گردش قسمت لکھاتی ہے انہیں نامے	فلاور مل کو بھی انداز پیپر مل پسند آیا

قیمہ کرنے کے لئے پاس جو قاتل آیا	پاؤ بھر ساتھ میں لیتا ہوا فلفل آیا
فَعَلَ یفعل کی جب کہ پڑھی صرف کبیر	ساتھ مفعول کے پکڑا ہوا فاعل آیا
اب پلیڈر نہ کہو دو مجھے لیڈر کا خطاب	انچو کھدر کا انگرکھا بھی مرا سل آیا
ایک دانہ بھی ہے اس قحط میں ملنا دشوار	شکر کر شکر کہ ہونٹوں پہ ترے تل آیا

مجنوں میاں نے ڈھیلا جو مارا گھسیٹ کر	لیلی اچک کے پردۂ محمل میں رہ گئی

اسے وہ قتل کر دیتا ہے جس کا دل سے ملتا ہے	نصیب شوق کا میرے ہلاکو خاں سے ملتا ہے

سوال وصل پر ان کو حیا آئی حجاب آیا	مگر میں بھی بڑا ہی سخت تھا ہونٹ داب آیا
حسینوں نے عجب گلچھپ مچائی بزم رندانہ میں	لپک کر کھا گئے فوراً اگر کوئی کباب آیا
نزاکت کا غرور اچھا نہیں ہوتا ہے سن لیجئے	پکڑ کر ٹھونک ہی دونگا اگر مجھکو عتاب آیا
جوانی میں ہر اک صورت حسین معلوم ہوتی ہے	دلہن بنجائیگی جس دن گدھی پر بھی شباب آیا

سوز دل سے میں چراغ بزم ساقی ہو گیا	رات بھر جلتا رہا اور صبح ٹھنڈی ہو گیا
پھول رسالہ میں بھی اک تذکیر و تانیث کا	رات بھر مرغا رہا اور صبح مرغی ہو گیا
اس میں کمسن سے بحث پڑی جو بوسہ کی حجت	وہ لگی کہنے کہ او دل کیا نوابی ہو گیا

کل جو گڑیاں کھیلیں اُسنے لطف حاصل ہو گیا　　وہ مری بھاوج بنے میں انکی بھابی ہو گیا
اب انھیں یہ فکر ہے اسپر کریں کیونکر ستم　　اتفاقاً جو تہ کھانے کا میں عادی ہو گیا
اب اس بتِ کمسن نے ڈالی ناک میں جسکی نکیل　　اونٹ ہو وہ یا کہ عاشق ہو بلاقی ہو گیا
دیکھیں کیونکر کہیں آخر بتِ بے پیر سے　　وہ ابھی بچہ ہے اور میرا شادی ہو گیا

اس طرح کی بہار ہے اب دشت یار میں　　کرگدّ لگی ہو جیسے کسی سبزہ زار میں
لیلی کے قافلہ میں عجب اہتمام ہے　　مجنوں میاں ہیں اونٹوں کی اگلی قطار میں
مت جاؤ قافلہ کے لئے قبرِ غیر پر　　ٹانگیں پکڑ کے کھینچ ہی لیگا مزار میں
لیلی کے ساربان کے نخرے دیکھئے　　مجنوں میاں کے کان بندھے ہیں مہار میں
معلوم ہو گیا سبب اضطراب بھی　　وہ کودتے ہیں میرے دل بیقرار میں
دعوت کے ساتھ ہی مری اُلٹی بھی ہو گئی　　بینگن کے چھلکے ڈالے ہیں اُسنے بگھار میں

پیری پہ پیر کھائے وہ ماہرو ہمارا　　بندر کی نسل سے ہے وہ خوش گلو ہمارا
ملتا تو صرف تم سے شیک ہینڈ مانگتا ہے　　ہم سے پٹا کرائی کیا آبرو ہمارا
کسطرح سے عبادت اب ہو سکے گی واعظ　　دیکھا اُسے تو ٹوٹا فوراً وضو ہمارا

زاہد کا بھی بڑھاپا اچھا رہا بچپن میں　　کچھ فرق ہی نہیں ہے داڑھی ہی یا دہن میں
جب چار بج گئے تو بھاگے وہ وصل کی شب　　کیا سحر تھا الٰہی ٹن ٹن ٹناٹن میں

دشمن کے لئے تیار ہے بلی والا　　کیوں بنایا ہمیں اللہ نے مرغی والا
کیسا ناداں ہے کمبخت سمجھتا ہی نہیں　　توند کو کہتا ہے اک لوٹا ہے ٹونٹی والا

شب غم کی تیرگی میں یہ کہا کیا ہوں شب بھر — ڈبیا دیا سلائی فریاد رس الٰہی

راتدن احمق بنانے میں مرے مشغول ہے — آپ ہیں پادری بلیڈری یعنی خاصے فول ہیں

کیا قلندر رہگیا ہیں کیا مچھندر رہگیا — ریچھ پچھلے رکھتا تھا اب ایک بندر رہگیا

لیکے منڈی سے دیا پورا مجھے اچور کا — عاشقوں سے کام وہ لینے لگا مزدور کا

وہ بیوفا ہے مگر کتنا خاندانی ہے — کہ باپ بہشتی ہے ماں اسکی مہترانی ہے

اگرچہ اور بھی غم ہیں ہزار ہا مجھکو — شب فراق مگر سب غمونکی نانی ہے

ہر اک لچک میں ہے مضمر آل جوش شباب — کھنچی ہوئی بت سفاک کی کمانی ہے

یہ کس کے غم میں بنے سوگوار تم آخر — کہ سر کھلا ہوا ہے سارے آسمانی ہے

چڑھتے ہیں دو نے ہزاروں اسکے اوپر رات دن — وہ بت بدخو مزار شیخ مسدود ہو گیا

جب سے دشمن نے پڑھائیں پٹیاں اس شوخ کو — سچ تو یہ ہے میں تو بس اسدن سے اُلّو ہو گیا

تیرہ بختی میں ہماری داغ دل چمکے ہیں یوں — ناز جیسے اک سیہ اطلس پہ اُلّو ہو گیا

یہ ضعف کا عالم ہے کہ ہوں کہہ نہیں سکتا — مرتا ہوں مگر کو کڑوں کوں کہہ نہیں سکتا

پیرزن نے جب سنائی مرگ شیریں کی خبر — کوہکن کی یہ خبر سنتے ہی نانی مر گئی

خیال اُن کا رہتا ہے سر پہ سوار — اسی سے وہ مجھکو گدھا جانتے ہیں

سحر اُٹھتے ہی آہ کرتے ہیں روز — ترے غم کو ہم ناشتا جانتے ہیں

ہے معشوق میرا جو مجھسے بڑا — اُسے لوگ میری دوا جانتے ہیں

محبت اسکو کہتے ہیں محبت ایسی ہوتی ہے — جو نون کو تیرے پاجامے کی ہم کشمش سمجھتے ہیں
بلاتے بھی ہیں اور پھر بزم سے مجھکو اٹھاتے ہیں — مرے رونے کو کبھی آب دمے غرقش سمجھتے ہیں
اسی سے آگ لگتی ہے ہماری جان او تن میں — تری گرمی الفت کو ہم اک آتش سمجھتے ہیں
غرض یہ ہے کہ پھر ہر طرح سے جان دیتے ہیں — نہ ہم دانش سمجھتے ہیں نہ ہم کاوش سمجھتے ہیں

تاپے میں مجھکو بند کیا جب کہ دوست نے — رعنا سمجھ کے میں نے بھی شب بھر اذان دی
کی بال بال شرح ستمگر کے سامنے — منہ نچیں منڈا ہیں اس بہت خود سر کے سامنے

بچھڑ بنے ہوئے ترے در پہ پڑے رہتے — جس بات پہ اڑے تھے اسی پر اڑے رہتے
جوش جنوں میں باندھ دیئے انکے ہاتھ پاؤں — کھینچے سے وہ پٹے ہوئے شب بھر کھڑے رہتے
ان کے خرام ناز نے کی شوخیاں بہت — مرے جہاں گرتے تھے وہیں پر گرے رہتے
فرمائش اپنی جورو کی کرتا ہوں پوری سب — گھنگرو تو لا دیئے ہیں فقط اب کڑے رہتے

آزاد کیا ہے رنڈیوں نے — خسرو کا غلام ہو گیا ہوں

پروا نہیں ہے اطلس و کمخواب کی مجھے — کیا چیز ہیں یہ میرے دلربا کے سامنے
لیلیٰ نے سب ہمسایوں کو حکم دیدیا — کوئی نہ کچھ کہے مری میا کے سامنے
عشرت ہے ایک مجھکو تو غم ہیں ہزار لیلی — تولہ بھی کوئی چیز ہے ڈہیا کے سامنے
یوں بچھڑ رہا ہوں اس بت کافر کے آس پاس — بچھڑا ہے بچھڑا جس طرح گیا کے سامنے
تعریف کیا کروں تمہارے منہ ..... کی — سنترہ اوگا ہوا ہے گڑہیا کے سامنے

جب سے کچھ فارسی پڑھی ہے — اس روز سے تیل بیچتا ہوں
عاشق ہوں شباب پر تمہارے — اسواسطے بیل بیچتا ہوں
ہے محمل یار جو نظر میں — ارنٹوں کی نکیل بیچتا ہوں

کل بلایا مجھکو اپنے محفل مولود میں — میں چرا لایا وہاں سے چند ہنڈیاں کھیر کی
بھائی نے بھی تو پیا ہے ساتھ آخر ماں کا دودھ — کیوں بہن کے واسطے ترکیب ہے ہمشیر کی
زاغ نامعقول کہتے ہیں مجھے اے نازوہ — جب سے سہل میں یا ضرورت ہے انہیں انجیر کی

کیا بتائیں کہ ہیں رنج ہیں کیا لے ناز — یہی کیا کم ہے کہ کل رات کو افیوں نہ ملی
مست میں رات کو بیٹھا تھا کہ وہ آپہونچے — میں نے ڈھونڈی بھی مگر مجھکو لنگوٹی نہ ملی

سر منڈا کر ہاتھ میں تسبیح لیکر رات ناز — جانب میخانہ ہم پہونچے تو پٹولے گئے

بدلتی ہی نہیں عادت مری محبوب بھٹیاری — وہی کدو کا سالن ہے وہی بیگن کی ترکاری

بہت بیتاب تھی دل میں مرے حسرت جوانی کی — ملی بیت الخلا میں ایک لڑکی مہترانی کی
تری خاموشیوں نے تجھکو نظروں سے گرایا ہے — ادائیں تجھ سے اچھی ہیں ابھی تک تری نانی کی

سر میدان الفت عاشقوں کے خون پی پی کر — ٹماٹر بن گیا ہے یا چقندر ...... والا
یہاں جاڑوں کے موسم میں لنگوٹی بھی نہیں ملتی — وہاں پہنے ہوئے پھرتا ہے جمپر ...... والا

جو ہم خوشی سے کسیر وسا سر منڈلاتے ہیں ۔۔۔ تو کس غضب کی وہ آگ چیت لگاتے ہیں
اُسے وہ قتل کر دیتا ہے حسن ناداں جو ملتا ہے ۔۔۔ نسب معشوق کا میرے ہلاکو خاں سے ملتا ہے

نازنین ۔ تذکرہ نساخ میں ان کا نام علی بیگ لکھا ہے ۔ مگر تذکرہ صابر میں ایک عورت کا تخلص سے بیان کیا ہے اور یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ علی بیگ کا تخلص نہیں ہے چنانچہ لکھتے ہیں " غلط فہمان اداشناس کی نظر میں تخلص ہے مرزا علی بیگ نام جوان خوش اسلوب رستم توان بزور و قوت سہراب طاقت کا ۔ نازنینان کشور جمال اس کے حسن یوسفی پر اگر زلیخائی کا دم بھریں کچھ دور نہیں اور نازک نہالان گلشن حسن اسکے گل رخسار کی نازکی سے اگر آپکو غنچہ برگ ریز تصور کریں تو کیا عجب ہے ۔ اس کے خم کے آگے زور آزمایان زرش خانہ طاقت کا سر جھکتا ہے ۔ اور اس کے نعرۂ مردانہ کے سامنے شیر صولتان بیشہ شجاعت کا دم بند ہوتا ہے ۔ اور یاران ادافہم اور حریفان اداشناس جانتے ہیں کہ نازنین نام ہے اس حیلہ آفریں شعبدہ ایجاد کا نازو انداز و غمزہ طرازی و عشوہ سازی گاہ عشاق بے قرار سے لطف کے پردہ میں جان کا خواہاں ہونا اور گاہ اغیار نامحرم کی بغل میں بے تکلف سونا الخ " بہرحال یہ دہلی کے رہنے والے تھے اور استاد ذوق کے شاگرد تھے ۔ ریختی گوئی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے ۔ چنانچہ مولوی عبدالغفور نساخ نے ان کے کلام کو جان صاحب کے کلام پر ترجیح دی ہے ۔ یہ صاحب دیوان تھے ۔ مگر اب صرف تذکروں میں کلام ملتا ہے ۔ دیوان ناپید ہو گیا ۔ تذکرہ صابر کی ترتیب یعنی ۱۲۷۱ھ تک زندہ اور بخیریت دہلی میں موجود تھے ۔ ذوق سے ان کو خاص محبت تھی ۔ چنانچہ اُن کی وفات کا قطعہ تاریخ کہا ہے ۔ جسکے لفظ لفظ سے عقیدت اور محبت کا چشمہ جوش مار رہا ہے ۔

نہیں ناز نیں رنج کرتی کسی کا   گیا جب سے یار اور حسرت ہے کھوئی
بلا سے رکھوں شاد دل کو تو اپنے   اگر میں نے کنبے کی عزت ڈبوئی
خصم جیبا موا لونڈیوں کو رُلایا   کہ اس پردہ میں نام رکھے نہ کوئی
ولیکن مجھے کالوں سے ہے الفت   غم ذوق میں رات بھر میں نہ سوئی
لکھی اُن کی تاریخ اور یہ ہوا غم   میاں ذوق کو میں بوا آپ روئی

اسی رنگ میں قطعات نہایت عمدہ عمدہ کہے ہیں تذکرہ قطعۂ منتخب سے ایک قطعہ نقل کرتا ہوں۔

نازنیں اتنا بھی ہرجائی پنا   یہ تمھارے آ گیا کیا دھیان میں
روز اک ہگڑے کی ہیں مہمانیاں   روز رہتی ہو اسی سامان میں

نمونہ کلام ریختی یہ ہے۔

ہوئی عشاق میں مشہور یوسف سا جوان کا   بوا ہم عورتوں میں تھا بڑا دیدہ زلیخا کا
میں اپنے سر کو دھوتی ہوں بوا اور یہ تماشا ہو   موا بیٹھا ہے کیا خوش خوش کہ دن آیا تقاضا کا

کوئی بیٹھا ہو تجھے ہے کام اپنے کام سے   اے نگوڑے آدمی تو تو حیوان ہو گیا
سونا کبھی شوہر کو میسر نہیں ہوتا   عورت انھیں باتوں سے ترا گھر نہیں بستا
ایسا کسی قحبہ نے لبھایا تھا کہ شب بھر   لیٹا تو رہا پاس پہ کوسوں ہی نہیں تھا
میری نماز کھوئی اس مردوے نے آ کر   اٹھی تھی اے ددا میں کمبخت ابھی نہا کر
اے زناخی مردوا ہے بدگمان   تو نہ کر باتیں ہمارے کان میں
رات بھر وہی بات اور وہی چوماچاٹی   اے ددا ایسے نہ ہنسیے پڑا کانے تجھے
فوارہ کی طرح سے ذرا بھی نہ تھم سکے   تم ایک بوند پانی پہ کتنا اچھل چکے
دس گھر تو جھپٹ چکے ہیں کیا خاک کروں خصم   کس جا بٹھائے دیکھیے آسمان مجھے

نازک - دورِ موجودہ کے ایک شاعر ہیں جنھیں ریختی گوئی کا بدرجۂ اتم شوق ہے پرائیوٹ ایک مشاعرہ کرتے ہیں اور اسمیں مخصوص مخصوص اپنے احباب کو بلاتے ہیں جن میں خوب خوب دادِ ظرافت دیجاتی ہے۔ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ اب تک نہ اس رنگ کا کوئی کہنے والا کوئی آپ کو جانتا ہے اور نہ اُن لوگوں سے کوئی واقف ہے جو اس صحبت میں شریک ہوتے ہیں وہ اُس کو یہانتک چھپاتے ہیں کہ میرے اصرار کے باوجود بھی مجھکو زیادہ کلام نہیں دیا گیا - اور یہ نہ اجازت دی گئی کہ آپ کا وطن اصلی آپ کی لیاقت اور آپ کا نام تذکرے میں لکھوں تخلص ہی تخلص ہے گو آپ کا قیام فی زمانہ لکھنؤ میں ہے۔ مگر لکھنؤ آپ کا وطن اصلی نہیں ہے۔ آپ ایک بہترین شاعر ہیں۔ گو رنگ ریختی میں میرے نزدیک ابھی تک پختگی پیدا نہیں ہوئی ہے مگر اسیطرح مشق جاری رہی تو جلد آپ معراج ترقی پر پہونچیں گے۔

خدا بچائے بوا مردوئے دیدے سے ۔۔۔ کہ تاک جھانک لگاتے ہیں یہ نلیلیے

کوسا بچی کو تو دیدے ہی نکلوا لوں گی ۔۔۔ سات لالوں میں یہی ایک رہا ہے بنّو

چار میں بیٹھ کے کیا آنکھ اٹھائے کوئی ۔۔۔ طاق بھرنے جو اکیلی چلی جائے کوئی

انگلیاں بھونک کے آنکھوں نہیں جگایا شب بھر ۔۔۔ نوج نرگس کو بوا ساتھ سلائے کوئی

میں تو لوٹی ہیں بوا اصاف یہ کہدیتی ہوں ۔۔۔ سنجر سے کہہ دے ہمیں نوج یہ دن دکھائے کوئی

میں نگوڑی کہیں آئی نہ گئی اے بنّو ۔۔۔ پھر بھی لاکھوں مجھے الزام دیے جاتے ہیں

اکیلے رات کو کیوں آئے تم یہاں مرزا ۔۔۔ جو کائیں کائیں مچانے لگی موئی لیچ

نہ بیوی ایسی کہیں نوج ہو کوئی چھنیا ۔۔۔ اب انڈے دے کے بھی نکلا نیاگی موئی لیچ

بیٹوں والی پوتوں والی ۔۔۔ ہاتھوں میں چھلے کانوں میں بالی

دانتوں میں مسی دانتوں میں ہیرا ۔۔۔ ماتھے پہ افشاں ہونٹوں میں لالی

میں نے سب کو سمجھا ہے ۔۔۔ سب ہیں میری دیکھی بھالی

ناطق تخلص ہے میرے استاد مکرم مولوی سید ابوالحسن صاحب کا
وطن اصلی گلاوٹھی ضلع بلند شہر ہے۔ مگر اپنے کاروبار کے سلسلہ کی وجہ
سے ناگپور سی پی میں مقیم رہتے ہیں۔ مولانا عربی فارسی انگریزی اردو
ناگری کے منتہی فاضل ہیں اور لطف یہ کہ آپ کو تمام درسیہ کتابیں مستحضر ہیں
شاعری میں آپ استاد داغ مرحوم کے ایک مایۂ نازشاگرد ہیں اور اسی وجہ
سے زبان پر اتنی زبردست قدرت ہے جسکا جواب نہیں۔ محاورہ بندی کا آپکو
نہایت زبردست شوق ہے۔ اور اسمیں سوائے ذوق مرحوم کے شائد کسی
شخص کو کبھی اتنی کامیابی نہیں ہوئی۔ آپ کی غزلیں زبان میں ایسی ایسی
ہیں کہ دوسری جگہ اُن کی نظیر نہیں۔ زود گوئی کے ساتھ خوشگوئی اور سخن
فہمی آپ کا خاصہ ہے۔ غزلیات کے علاوہ نیچرل نظموں میں بھی آپ کو قدرت
حاصل ہے۔ نطق ناطق آپ کی نیچرل نظموں کا مجموعہ عرصہ ہوا کہ طبع ہوچکا ہے
عرصہ سے چونکہ آپکو سیاسی امور سے ایک گہری دلچسپی ہوگئی ہے۔ اسواسطے اب
اب مہینوں سے یہ نوبت بھی نہیں آتی کہ آپ کوئی غزل لکھیں۔ البتہ آپنے
دیوان غالب کی جو ایک شرح لکھی ہے وہ بہ تسلسل جلوۂ یار میں شائع ہورہی
ہے۔ راقم الحروف سے آپ کی قرابت بھی ہے ۱۹۰۸ء میں آپ سے نیاز حاصل
ہوا اسوقت سے آپ کی خاص عنایات اسی نیاز کے حال پر مبذول رہیں۔ گو
اب عرصہ سے خط و کتابت بھی متروک ہے۔ مگر بعد معنوی نہیں ہے۔ آپ ظرافت
گو مستقلاً نہیں کہتے۔ لیکن بعض مرتبہ اسکا بھی اتفاق ہوا ہے اسیوجہ سے اکثر غزلوں
غزلوں میں ظریفانہ شعر نکل جاتے ہیں جنھیں مہذب ظرافت کے دائرہ میں رکھنا
چاہیئے۔ چنانچہ ذیل میں کچھ اشعار اسی انداز کے لکھتا ہوں۔ آپ کی عمر اب
تقریباً ۵۵ سال ہوگی۔

آئے گا تو کیا گھول کے پی جائیگا دشمن — دیکھو تو ہمیں ہم بھی نہیں منھ کے نوالے
کچھ غیر کو ملجائے گا انعام وفا کا — اس شوخ نے کچھ ہمکو اڑھائے ہیں دوشالے
گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے بلطرہ — دشمن نے تو کچھوے کی طرح پاؤں نکالے
پہلے تو اڑے مجھ سے وہ آکر مرے بس میں — جب بس نہ چلا کچھ تو کہا صبر جو اسے

رنجش بے جا نکالی جائیگی — بے مروت کس سے پالی جائیگی
دھر لیا جائیگا واعظ چھیڑ کر — دختر رز کو توالی جب ہیگی

نکل دل سے جو تو عادی نہیں ہے کوتوالی کا — خدا کے گھر میں ہے کیا کام ایسے بے نمازی کا

ہمارے میکدے میں محتسب کا ڈر نہیں واعظ — کہ پہلے ہی یہاں حصہ نکل جاتا ہے قاضی کا

دسترس پاؤں تو دریا میں بھی چھٹے پاؤں کا — مار دوں ہاتھ اگر پاؤں کی آواز سنو

مذاق ہے یہ جفا کچھ جفا نہیں ہمدم — یونہی وہ دیکھ رہے ہیں ذرا ستا کے مجھے

ایک صاحب جو مولانا کو ہمیشہ دوستانہ نصائح کر کر کے پریشان کیا کرتے تھے آن کے لیے ایک شعر کہا ۔

یہ مقولہ ناصح مشفق پہ چسپاں ہو گیا — موتنا آیا نہیں اور اونٹ بوڑھا گیا

ایک مرتبہ مادران جنگ عظیم میں ایک قطعہ لکھا تھا جسکا ایک یہ شعر ہے ۔

آتی خبر صادق ہے اسوقت قسطنطین پر — ساری خدائی اک طرف جورو کا بھائی اک طرف

ناگپور میں ایک صاحب تھے جو بظاہر درویش تھے باطن کو خدا جانے کہ کیا تھا

اتفاق سے مولانا سے اور ان سے کچھ سخت باتیں ہوگئیں اور بڑھتے بڑھتے انجام دشمنی تک پہونچا۔ اسپر مولانا نے یہ رباعیاں لکھیں۔

دولت کا ہمیشہ ایک دستور نہیں — جز خوبیِ بخت ہمکو منظور نہیں
لگتی نہیں روز ہاتھ اندھے کے بٹیر — ہر شخص جو لنگڑا ہے وہ تیمور نہیں

بدنسل کی اصل پر نظر ہے کہ نہیں — ناطق کو نسبت کی خبر ہے کہ نہیں
دشمن کی کمینہ پن پہ حیرت کیا خوب — دادی ڈھرنی تھی وہ اثر ہے کہ نہیں

غدار ہے جب خم سے بڑھکر بدخو — ایماں کی مردود نہیں تجھ میں بو
بیوجہ ابوالحسن کا دشمن کیوں ہے — اولاد یزید ہے کہ ابن ملجم ہے تو

چند لوگ تھے کہ اُن درویش کی حمایت میں مولانا سے کاوش رکھنے لگے۔ مگر فوجی لوگ تھے جنگ جرمنی شروع ہوئی اور اُن سب کو جنگ میں جانا پڑا۔ مولانا کو ایک موقعہ ملا یہ رباعیاں کہیں۔

جو گولی سے مارنے کو تھے ناہنجار — وہ توپ کے منھ میں جا پڑے آخر کار
حق کے لئے ناطق سے عداوت تھی جنہیں — ہو جائینگے رفتہ رفتہ سارے فی النار

سچ بولنے والا آبرو کھوتا ہے — سچا جھوٹے ۔ روتا ہے
یہ سچ ہے مگر دیکھو تو پھر سچ ہے — سنو یارو جھوٹے کے منھ میں گو ہوتا ہے

نسبت۔ میر احمد علی نام تھا۔ نسبت تخلص فرماتے تھے۔ لکھنؤ کے مشہور و معروف ریختی گو تھے۔ جان صاحب کے معاصر تھے۔ بلکہ جان صاحب نے اپنے

دیوان میں جا بجا اِن کے کمال کا اعتراف کیا ہے - میں نے بھی ان کا دیوان دیکھا ہے اگرچہ لکھنویت اسمیں کافی موجود ہے رعایات لفظی کا گورکھ دھندا اسمیں اسقدر نظر آتا ہے کہ اس سے طبیعت گھبرا اٹھتی ہے - مگر پھر بھی جان صاحب کے کلام سے ان کا کلام نسبتاً اچھا ہے بعض جگہ حدود اعتدال سے بڑھ جاتے ہیں تو ریختی سے گزر کر فواحش کی خبر لاتے ہیں - بعض جگہ کلام میں ضرورت سے زیادہ پھیکا پن پیدا ہو جاتا ہے - مگر مجموعی حیثیت سے ان کا کلام بہت اچھا ہے - افسوس ہے کہ اسوقت میرے پاس دیوان موجود نہیں ہے - مجبوراً دو شعر تذکرہ نساخ سے اور باقی اپنی یاد سے لکھتا ہوں -

اے دوگانا وہ اگلی آنکھ نہیں — مجھ سے تیری یہ پھر گئی ہے آنکھ

بل ہر اک شخص سے جو کرتی ہے — کسی بانکے سے کیا لڑی ہے آنکھ

کیوں لال... والے کا تم لیتی نام ہو — مجری فجر نہ نام لو ابھی ٹھہری ہوا

محل میں خواجہ بادی نچھوٹنے پاوے — یہ حکم آیا ہے آنجناب عالی کا

بیٹھے ہیں ہر کسی کے پاؤں تم کیوں دیتی ہو خانم — بھلا سے شوق لے بی بی تمہیں جو گھبرا چکانے کا

...کیوں بڑی پھرتی ہو کیا ماموں ہوا — دیکھو کپڑا آکے ڈھانکو کیا تمہیں جی میں ہوا

بس چٹے سے جا اتنا سیلاپن مجھے بھاتا نہیں — ہو گیا تو اور ابھی سارا نہیں......

شمع جلواؤ لگی ہیں... میں تیری لونڈیا — جو ہیلا چاہتی ہے کہ مرا زیور پیدا

کہتی ہے انگلی سی گھر لیسا یا اس نے — کرتی کیوں اپنے بیٹے پہ ہی تو ستان تھی

چھاتیاں کھولے جو دالان چلی آتی ہو — اچھا بھینوئی سے بیٹا نہیں شرماتی ہو

نانی ماموں کہیں نہ ہوئے وہ دیکھو ہیں بچی کھاتی ہے — مجھے چھپا دو کہ نانی کے کلیجہ پر لوٹ رہا ہے

جاتا ہے وہ اندھیرے میں تکیے واسطے — ایسا نہ ہو میاں کہیں باندی چرالے شمع

کیلے کو دیکھ کر مرا جی کلبلا اٹھا — اے کیا شگفتہ نہ آئی تھی یا آن باغ میں یا

اوپر کے دل سے بنو یہ کہہ لیں نہیں نہیں — جب مر دوا ملے تو یہ دیکھیں نہیں نہیں

مجھکو یہ نسبت نہیں لاتیں ہیں تیری گھاتیاں — جب نہ تب آکر جو تو ملنے لگے ہو.....

نظر۔ جناب احسن لکھنوی کے بھائی ہیں غالباً مشاعروں میں بہت کم شرکت کرتے ہیں ایک غزل دستیاب ہوئی جو درج کرتا ہوں افسوس کہ زیادہ حالات معلوم نہیں ہوئے۔

لطف آجائے تو بوٹے سے کروں پا نہ جدا — سر جدا پاؤں جدا ہاتھ جدا شانہ جدا

پانی کے پینے کو رکھتا ہوں میں پیانہ جدا — کھچڑی پکاتا ہوں میں وہ جسکا ہو شرانہ جدا

دیکھ لو چاندی پہ ہے سونے کا پانی پھیرا — روشنی رکھتا ہے ملبوس شریفانہ جدا

آتی ہے جنگلی کبوتر کی غٹر غوں کی صدا — دور ہے بستی سے لے پیارے یہ ویرانہ جدا

عشق کمبخت نے دونوں کو بنایا پاگل — وہ سڑی ہوگئے میں ہوگیا دیوانہ جدا

پالسی مے کی بھرو لی پینے کو گھونٹوں گھونٹوں — ٹانک کی ٹانک ہے پیمانہ کا پیمانہ جدا

خال کو چاہتے مستی سے بہت دور رہے — دیکھ لو رہتا ہے عنقا سے بہت دانہ جدا

نظیر۔ شیخ ولی محمد نام تھا۔ آگرہ میں بیرون شہر روضہ تاج گنج کے قریب رہتے تھے اور معلمی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ نہایت خلیق وضعدار زندہ دل بزرگ تھے۔ جوانی میں نہایت شوقین تھے اور شہر کے تمام میلوں ٹھیلوں اور جلسوں میں شرکت کرتے اور ان کے تجربات سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے میل ملت میں نظیر نہ تھے بلکہ بے نظیر تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ صبح کو ملنے جاتے تھے تو شام ہو جاتی تھی۔ مذہب شیعہ رکھتے تھے۔ مگر اتنے بے تعصب اور نیک مزاج تھے کہ شیعہ سنی کی تفریق تو درکنار ہندوں سے بھی وہی ربط وضبط اور خلوص تھا۔

جو مسلمانوں سے تھا۔ اصل یہ ہے کہ ان کا مذہب حکماے یونان کے مقولہ کی مطابق صرف درستی اخلاق اور تکمیل صفات انسانی تھا۔ ان کو شیعہ محض اسی خیال کی وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے دوسرے سنی شعرا کی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعریف نہیں کی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں غلو اور مبالغہ کیا ہے۔ مگر بقول شہباز مرحوم مصنف زندگانی بے نظیر یعنی سوانح عمری نظیر" میاں نظیر جب مر گئے تو ہندو شاگردوں نے چاہا کہ اپنے طور پر ان کی موت پر اظہار تاسف کریں۔ نظیر کے خاندان کے لوگوں نے کچھ مخالفت کرنی چاہی تو اُن ہندوؤں نے کہا کہ اگر مخالفت کروگے تو گرو نانک شاہ کا حال ہوگا۔ کہ نصف چادر مسلمانوں نے دفن کی تھی نصف جلائی گئی تھی۔ اس تقریر پر وارثوں نے تعرض چھوڑ دیا۔ اور اُن کو اپنے طور پر نظیر مرحوم کی صلح کل کا خراج ادا کرنے دیا" جب نظیر کا انتقال ہوا کئی ہزار آدمی ہندو مسلمان جمع تھے۔ چونکہ ان کا مذہب اثنا عشری تھا بڑی دھوم سے نماز جنازہ حسب مذہب اثنا عشری پڑھائی گئی۔ مگر دو نمازیں پڑھی گئیں جبکہ دو اُن کے شاگرد اہل سنت تھے۔ انھوں نے الگ اپنا گروہ کرکے نماز پڑھی اور اوپر کی چادر ان کی پارچہ پارچہ کرکے اہل ہنود لے گئے۔ نہیں معلوم ہندو شاگردوں نے پارچے رکھے جلائے کیا کیے" روز دوشنبہ ۲۶ صفر ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۶۔ اگست ۱۸۳۰ء اور بقول بعض ۱۲۴۳ھ میں انتقال کیا۔

نظیر کے کلام میں تمام اصناف سخن یکساں طور پر پائی جاتی ہیں جن کو دیکھکر ماننا پڑتا ہے کہ وہ قادر الکلام اور جملہ اصناف بلکہ تمام رنگوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے نہایت زود گو اور پرگو واقع ہوے تھے بات بات پر بڑی بڑی نظمیں کہدینا ان کے نزدیک ایک معمولی بات تھی۔ اور لطف یہ کہ ہر مذہب کے موافق اور ہر مسلک کے مطابق شہر کی مشہور چیزوں۔ کھانوں۔ عمارتوں۔ میلوں۔ بازیگروں۔ تماشوں۔ وغیرہ کا ذکر دینا

کی بے حقیقتی - اور اہل جہاں کے طور و طرق کا تذکرہ - دولت - مفلسی - عیاشی - شبابینی
بھنگ چرس - افیون - وغیرہ وغیرہ کے متعلق بڑے زبردست نظمیں اُن کے یہاں
ملتی ہیں - ہندوؤں کے تہوار - دسہرے - ہولی - دیوالی - کنہیا جی کے جنم لینے کی
کیفیت بھی اسی جوش و خروش سے بیان کرتے ہیں جس طرح مسلمانوں کے عید
بقرعید - محرم شبرات کا ذکر کرتے ہیں - دونوں سے یکساں محبت - دونوں سے ایک
سا برتاؤ - دونوں سے وہی خلوص - وہی دوستی - با مسلمان اللہ اللہ با برہمن
رام رام پر عامل - لفظوں کی وہ افراط کہ ایک زخار دریا موجیں مارتا دکھائی
دیتا ہے - معانی کی وہ بہتات کہ شہوار موتیوں کا انبار نظر آتا ہے - بیان کی
سلاست ایسی کہ کہیں رکاوٹ کا نام نہیں - بندش کی وہ چستی کہ کڑی سے کڑی ملی
چلی جاتی ہے - تصویر کشی اور محاکات کا یہ عالم کہ جب تاج گنج کے روضہ کی تعریف
ہم پڑھتے ہیں تو ہماری آنکھیں اس کے ایک ایک نقش و نگار ایک ایک جالی کو
دیکھ لیتی ہیں جب ریچھ والے کی تعریف نظر آتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک قلندر
کان چھدوائے سر پر بڑا سا پگڑ باندھے ہاتھ میں موٹا سا سونٹا لئے - ریچھ کے بچے کی
نکیل پکڑے اسکو نچا رہا ہے اور اپنے سونٹے سے اسکو سدا رہا ہے - دنیا کی بے بقائی
اور عالم کی بے ثباتی کے اشعار سامنے آتے ہیں تو دل کو یقین آجاتا ہے - کہ روپیہ پیسہ
دھن دولت - مال و اسباب سب ہیچ - ہم - اور ہماری خواہشات لایعنی - ہماری
بود بے بود - ہماری ہستی عین فنا ہے - دیوالی کی تعریف پڑھتے ہیں تو ہماری آنکھیں
دیکھتی ہیں کہ در و دیوار پر چراغاں ہے - مٹھائی کی دوکانیں سجی ہوئی ہیں - مٹی کے
کھلونے بیچنے والوں کی دوکانوں کی دو طرفہ قطاریں لگی ہوئی ہیں - بھڑبھوسیے
کھیلیں بیچ رہے ہیں - دنیا کی رسم و رواج کے پابند رومالوں میں کھیلیں باندھ
باندھ کر لیجا رہے ہیں - جواری اپنے اکھاڑوں میں اترے ہوئے ہیں - چھوٹو آٹھ

سکے والوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ شوقین مزاج گھوم رہے بازار کی رونق کا لطف
اٹھا رہے ہیں۔ بعض بڑے اپنے بچوں کی انگلی پکڑے دکان دکان دکھاتے
پھر رہے ہیں۔ تماشائیوں کا ہجوم ہے۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی غرضکہ
اسی طرح ہر ایک نظم میں جزئیات سے بحث کرنا نظیر کا خاص حصہ ہے۔

گو بعض نقادوں کی رائے سراسر نظیر کے خلاف ہے۔ مگر یہ ایک صریح ظلم
ہے حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی سرزمین نے نظیر سے بہتر کوئی شاعر پیدا
نہیں کیا۔ وہی ایک شخص ہے جسے ایران کا سعدی اور انگلینڈ کا شیکسپیر کہہ
سکتے ہیں۔ وہ نظمیں جو آج نیچرل کے نام سے مشہور ہیں جن پر جدید طرز کا انحصار
ہے ان کا موجد نظیر ہی کو ماننا پڑے گا۔ نظیر کے انتقال کو سو برس سے زیادہ کا
زمانہ ہو گیا مگر اسکی زبان آج کی زبان ہے۔ اسکی بندش اتنی ہی چست ہے
جتنی ہونا چاہیے۔ اسکی مثنوی غزل رباعی اردو فارسی کا ایک درجہ ہے۔

نظیر کی ظرافت اگرچہ ہزل اور بعض دفعہ فواحش تک پہونچ جاتی ہے مگر
اس کے الفاظ و خیالات اسکو بے مزہ اور پھیکا نہیں ہونے دیتے۔ اسکی ظرافت
میں تصنع اور آورد کا نام نہیں ہے جس طرح اسکی صوفیانہ نظمیں اپنی روانی
وغیرہ میں لاجواب اور عدیم المثال ہیں اسی طرح ظریفانہ اشعار جس طرح انکا
درد ہے اسیطرح ان میں اثر ہے وہ اور لوگوں کی طرح نہیں تھا جو طبیعت کو
ظرافت گوئی کی طرف آمادہ اور مجبور کرتے ہیں۔ بلکہ طبیعت خود اسکو آکسانی اور
ظرافت کے وادی کی طرف لے آتی ہے۔ جس کا نمونہ جستہ جستہ درج کیا جاتا
ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نظیر کی نظمیں جب پوری پوری لکھی جائیں تب خاص
لطف آتا ہے۔ یا اگر ان میں سے اسکی ظرافت کا انتخاب کم از کم پورا کر کے
پیش کرنا چاہیے۔ مگر دونوں صورتوں میں معمول سے زیادہ طوالت ہے لہذا

بہت سے ہلکا اور کم انتخاب کر کے ہزلیات و فواحش کو نظر انداز کرتا ہوں۔

بڑھاپا

آگے تو پریزاد یہ کہتے تھے ہمیں گھیر آتے تھے چلے آپ جو لگتی تھی کہیں بیر
لو آکے بڑھاپے نے کیا اور یہ اندھیر جو دوڑ کے ملتے تھے وہ اب لیتے ہیں منہ پھیر

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

آگے تھے جہاں گلبدن اور یوسف ثانی دیتے تھے ہمیں پیار سے چھلوں کی نشانی
مرجائیں تو اب منہ میں نہ ڈالے کوئی پانی کس دکھ میں ہیں ہیں چھوڑ گئی ہائے جوانی

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

ہم بھی تھے جوانی میں بہت عشق کے بوٹے وہ کون سے گلرو ہیں جو ہم نے نہیں گھوٹے
اب آکے بڑھاپے میں کئے ایسے ادھوٹے پر جھڑ گئے دم اُڑ گئی پھرتے ہیں لنڈورے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کیا یار گیا ہے الٹ ہائے زمانا جو شخص کہ تھے اپنی نگاہوں کا نشانا
چھیڑے ہے کوئی ڈال کے داڑھی کا بہانا ہنس کر کوئی کہتا ہے کہاں جاتے ہو نانا

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

پوچھیں ہیں جسے کہتا ہے کیا پوچھے ہے بڈھے دیکھیں ہیں جسے کہتا ہے کیا دیکھے ہے بڈھے
بیٹھیں ہیں تو ہو دھوم کہاں بیٹھے ہیں بڈھے آویں ہیں تو یہ غل کہ کہاں آوے ہے بڈھے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

نظیر بلبلیں لڑاتے ہیں

کل بلبلیں جو نو دس قابو میں اپنے آئیں — اسمیں سے دو پکڑ کر کشتی میں دھر بھڑائیں
یہ شور سن کے خلقت دوڑائی دائیں بائیں — کوئی بولا واہ حضرت کوئی بولا واہ سائیں
سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

دس میں تو دو لڑ کٹ کٹ لڑتی تھیں کے گڑا — جب تیسری کو چھوڑا پھر تو ہوا جھگڑا
خلقت یہ آکے ٹوٹی چھوڑا اپنا اڈا — سر کی کسی کی پسلی ٹوٹا کسی کا ہڈا
سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

تھی تین کی یہ کشتی چوتھی کو اسمیں چھوڑا — اس نے تو آخر بچا کر تینوں کو دھر جھنجھوڑا
پھر تو یہ جھپکا آکر ان کشتیوں کا کوڑا — چھوٹا کسی کا ہاتھی بھاگا کسی کا گھوڑا
سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کر دکھائیں
اسطرح ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

اک کنکری جو ماری پڑھ ہمنے پھر فسونکی — کشتی میں گٹھڑی بندھ گئی ان چاروں بلبلونکی
سن سن کے چیخیں انکی لڑنے میں غرغوں کی — سب بولے واہ حضرت اچھی پڑھ کے پھونکی
سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کر دکھائیں
اسطرح ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

بھنگ کی تعریف

ہیں اس نشے میں ظالم سو رنگ کے دھڑاکے — کونڈی کی ڈگڈگاہٹ سونٹے کے سو کھڑاکے
گر دیکھنی ہیں تمکو کچھ عیش کے جھڑاکے — تو جھاڑ اپنے پنجے اور سر کو جھڑجھڑا کے
پی عاشقوں میں آ کر دو بھنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے

کیوں ہٹ بیٹھا ہے ڈالے کان میں غفلت کا تیل — خلق میں کیا کیا مچی ہے سبزیوں کی ریل پیل
کھول زلف عیش کو اور ڈال پیالے کا طبل — پھر چڑھا دے آسمان عیش پر عشرت کی بیل
کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

مرشد مولا سے پوچھا میں نے اے پیر زمن — میری کچھ لگتی نہیں لشر سے دل کی لگن
سنکے بولے وہ بتائیں ہم تجھے اس کا جتن — جا شتاب اور جلد سبزی لیکے آ کے وچار من
کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

اندھیری رات

جب یار چلا اوڑھ کے کالا سا دوشالا — کمبل کو ادھر میں نے بھی کاندھے پہ سنبھالا
یاں مل گئے اور دل کا بھی ارمان نکالا — منھ آ سکے رقیبوں کا کیا خوب ہی کالا
کیا وصل کی کھیتی ہے کرامات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

بوسہ لیا منھ موڑ الگ ہو رہے چپکے　　چھاتی سے لگا چھوڑ الگ ہو رہے چپکے
سینے کا وہ پھل توڑ الگ ہو رہے چپکے　　اغیار کا سر پھوڑ الگ ہو رہے چپکے
کیا وصل کی رکھتی ہے کرامات اندھیری

کل یار نے اور ہم نے جو پی مل کے گلابی　　اور عیش لگے کرنے جو ہو ہو کے شرابی
اتنے میں رقیب آگیا بو سونگھ شتابی　　گر چاندنی ہوتی تو بڑی ہوتی خرابی
ٹالے ہے سب آئی ہوئی آفات اندھیری

سوتے تھے جو ہم انہیں سنتے غیر کے کھٹکے　　چھپ چھپ گئے اٹھ دونوں وہیں نیچے پلنگ کے
ہم ہنستے رہے اتنے ڈھیک ڈھوے جو مارے　　کتنا ہی ٹٹولا جو اجالا ہو تو پاوے
چوری کی بھی رکھ لیتی ہے کیا بات اندھیری

بسنت

جب پھول کا سرسوں کے ہوا آکے کھلنا　　اور عیش کی نظروں سے نگاہوں کا لڑنا
ہم نے بھی دل اپنے کے تئیں کر کے نچنتا　　اور ہنس کے کہا یار سے اے لکڑ بھونتا
سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

تھے اپنے گلے میں تو کئی من کے پڑے ہار　　اور یار کے گجرے بھی تھے اگ ہون کی مقدار
آنکھوں میں نشے کے اُبلتے تھے ذہول ہا　　جو سامنے آتا تھا یہی کہتے تھے دلدار
روں کی بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

برسات کی بہاریں

جو کسبیاں جوانی جس تو نمیں پرتیاں ہیں　　سینوں میں لال انگیاں اور لال کرتیاں ہیں
نظر یں بھی بدلیاں ہیں دلیں بھی سرتیاں ہیں　　اک اک نگہ میں کافر بجلی بھی بھرتیاں ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو نوجوان ہیں اُنکی تیاریاں بڑی ہیں ہاتھوں میں لال چھڑیاں کوٹھوں اُپر کھڑی ہیں
اور وہ جو آشنا سے جھگڑی ہیں یا لڑی ہیں منھ کو چھپا پلنگ پر بجلی ہوئی پڑی ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی اپنے آشنا سے کرناز کا جھپٹا کہتی ہے ہٹ سکے کا فرچٹکی لے یا نہٹا
تجسے تو دل ہمارا اب ہو گیا ہے کھٹا تم آج بھی نہ لائے رنگوا مرا دوپٹا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں نے قول باندھا معمولی دینے پیسے کہتی ہیں شاد ہو کے یوں اپنے آشنا سے
برسات بھر تو ہل کے سنتے ہو جاں پیارے احمق ہو جو پلنگ سے اب ہوتے تو اترے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بھنگ

الفت کے زمرد کی کھیت کی بوٹی ہے پتوں کی چمک اسکی کمخواب کی بوٹی ہے
منھ جسکے لگی اُسنے پھر کا ہیکو چھوٹی ہے یہ تان کٹورے کی اس بات پہ ٹوٹی ہے

کونڈی کے نقارے پر خسکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق دن رات بجا ڈنکا

سخاوت و عشرت

یہ نعمتیں ہیں جتنی جو کچھ ملیں سو کھا جا تاش اور باد لے میں اک بار جگمگا جا
بابا بخیل مت بن داتا سخی کہا جا اک دم تو اپنا ڈنکا من مانتا بجا جا

دل کی خوشی کی خاطر چکھو ڈال بال دہن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

ریچھ کا بچا

کہتا تھا کوئی ہے میاں آو قلندر　　وہ کیا ہوئے اگلے جو تھامے تھے وہ بندر
ہم اُن سے یہ کہتے تھے یہ پیشہ ہے قلندر　　ہاں چھوڑ دیا بابا انھیں جنگلے کے اندر
جس دن سے خدا نے یہ دیا ریچھ کا بچا

روٹیاں

جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں　　پھولے نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں
آنکھیں پری رخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں　　سینہ اُپر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں
جتنے مزے ہیں سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

نوچی اور نائکا کی لڑائی

مرتی نہیں بہنا یہ گزرتی نہیں ڈھڈھو　　اور قہر خدا سے بھی یہ ڈرتی نہیں ڈھڈھو
لب اپنے ذرا بند یہ کرتی نہیں ڈھڈھو　　کیا سخت خرابی ہے یہ مرتی نہیں ڈھڈھو

ایسا جو مرے پاس لگے جائیگی چھاپنو　　اک روز مجھے گھر سے نکلوائیگی چھاپنو

سب کھا چکی اب مجھکو بھی کیا کھائیگی جھانپو ۔۔۔ وہ کون سا دن ہوگا جو مر جائیگی جھانپو

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آئی دہی آن ٹہلی ۔۔۔ آؤ پردیس کھیلیں ٹھالی سے بیگار بھلی

نگیلا - محمد یوسف نام ہے - قدیم وطن شہر جونپور رہے - مگر آٹھ نو سال کی عمر تھی جب ۱۸۹۱ء میں اپنے نانا محمد خضر خاں مرحوم اور اپنے ماموں محمد اسمعیل خاں رنگیلے مرحوم کے پاس جونپور سے بمقام مین پوری چلے آئے - یہیں تعلیم و تربیت پائی اور بعدہ اپنے نانا کے پاس محرری کا کام کرتے رہے - چونکہ رنگیلے مرحوم کی صحبت تھی اس واسطے شعر و شاعری کا شوق ہوا - اور مدتوں تک چھپا چھپا کر شعر کہتے رہے - مگر ابھی تک رنگ قدیم عاشقانہ میں شعر کہتے تھے - جب رنگیلے مرحوم کو خبر ہوئی تو وہی اصلاح دیتے رہے اسکے بعد ۱۹۳۰ء میں جب رنگیلے مرحوم کا انتقال ہوگیا تو اُن کے احباب نے نگیلے صاحب کو اُن کے ماموں کا رنگ ظرافت اختیار کرنے پر مجبور کیا - چونکہ برابر رنگیلے کی صحبت رہی تھی اور وہ رنگ اچھی طرح ان پر اثر کر چکا تھا اس واسطے انھوں نے ظریفانہ رنگ اختیار کرلیا - مگر عوارض جسمانی اور افکار خانہ داری نے پورے طور سے ادھر متوجہ نہیں ہونے دیا - پھر بھی آپ کا رنگ ظریفانہ غنیمت ہے اور دکم ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس رنگ کو تھوڑی بہت طبیعت سے مناسبت فطرتی ہے چنانچہ کلام کا نمونۂ انتخاب یہ ہے -

چلبلی طبیعت جب پھاندنے پہ آئی ۔۔۔ پھر کیا ہے پھر تو کچھ ہو خندق ہو یا ہو کھائی
اب راہ پر کسی کو تقدیر کھینچ لائی ۔۔۔ قسمت پھری کسیکی شامت کسیکی آئی
جب ایک کا بھی تم سے مطلب نہیں نکلتا ۔۔۔ لے لیتے ہو تو پھر کیوں بنا ہے مفت سائی

اپنی آنکھوں کا اسے سمجھیں نہ کیوں عشاق نور سوختہ پاپوش پائے یار کا انجن میں ہے
شیر بازاری کی کھرچن میں مزا تو ہے مگر ذائقہ کچھ اور بکری کے دودھ کی کھرچن میں ہے
ہے مری فرد خطا اللہ کی رحمت کے ساتھ عفو کا فرمان نتھی رشتۂ سوزن میں ہے
چلنے پھرنے میں نہیں محسوس ہوتا کچھ تکان جنس ہستی کا ذخیرہ گوٹے دامن میں ہے
مل نہیں سکتی جہاں میں اس مٹھائی کی مثال جو نکیلے یار کے سنبوسۂ بیسن میں ہے

پرند پھبکیاں پہ ظلم بے بنیاد رہنے دے نیام طیش میں شمشیر بادرزاد رہنے دے
چمن میں چار تنکوں سے بنا ہی آشیاں میرا بچا کر اپنی جھاڑو سے انہیں صیاد رہنے دے
رہے تو جب کبھی آپے میں اپنے ہوش میں اپنے نظر سے دور جب ساقی فیض آباد رہنے دے
زمیں اپنی اگر گوہاں کرنا چاہتا ہے تو تو اپنے کھیت میں کچھ روز میرا کھاد رہنے دے
مجھے تاڑی کے قطرے اگر دیتا ہے اے ساقی مرے دشمن کے پینے کو تلی میں گاد رہنے دے
اگر جاتا رہا تو پھر کھجانے کا مزہ رخصت نہ کر اسکا تدارک اسے بیماد رہنے دے

موچ کا رسا کمر میں ٹاٹ کی دستار ہے اس ادا کے بھیس میں کنجڑے کے میرا یار ہے
یہ نہ سمجھیں آپ ہستی ٹاٹ کی بے کار ہے یہ تو تاڑی خانہ کا اک شہر لیسنار ہے
چار میں ننگا اسے ہو جانے میں کب عار ہے بے حیا بھی کیسی بکی بے حیا تلوار ہے
یہ اگر سچ ہے کہ شملہ علم کی معیار ہے تو ستارہ علم کی تقدیر کا دمدار ہے
نوجواں اب بھی بڑھاپے میں ہمارا یار ہے یہ پرانی چال کا ٹھیلہ بھی موٹر کار ہے
پیار کرتے وقت تم کیوں کاٹ کھاتے ہو میں دوستی میں دشمنی کا کون سا بیوپار ہے
یہ لبادہ ہے پرانی چال کا اچھا لباس کرتے کا کرتا ہے اور شلوار کی شلوار ہے
فرق اتنا ہے مرا کرتہ ہو یا کرتی تری ایک ہے محروم دامن ایک دامن دار ہے

بانس کا ڈنڈا پرانا یا نیا جیسا بھی ہو
یہ پرانا اور بے لیسنس کا ہتیار ہے

کان پر دھرتے تھے تم تو ہاتھ ذکرِ غیر پر
زیرِ دامن اب یہ کس کا تحفہ کردار ہے

آباد ہے الّو سے ہر قصبہ ویرانہ
ہر کھونٹ نشیمن ہے ہر تار ہے کاشانہ

حرکت کا تری صدقہ اے لغزشِ مستانہ
ٹھلیا کا ہر اک ٹکڑا ہے غیرتِ پیمانہ

ساقی کی عنایت سے ہر مست خراباتی
ہے رقصِ مسرت میں سر پہ لئے میخانہ

دنیا میں زنانے کی مردانے کی ہستی ہے
آئینہ زنانہ ہے تصویر ہے مردانہ

بوتل ہے گلگوں کی ہے شیشۂ قارورہ
ہے اب تو چڑیل آسیب گھر تھا پریخانہ

کوئی بھی شبِ وعدہ حسرت نہ رہی باقی
لشانہ ڈبو دیتا اے ہمتِ مردانہ

جسطرح کمینوں سے رونق ہے مکانوں کی
آباد کیلیے ہے پاخانہ سے پاخانہ

دیکھو رہتے ہو کھلے بندوں بہت تم دیکھو
گرد گھما نہ کوئی دیکھ لے لٹو ہو جائے

اب طویلے میں نہیں آپ کے ٹانگن کوئی
آپ کے ٹھان کا اب تو مرا ٹٹو ہو جائے

آپ کے کھیت میں پڑتا ہے جو گھورا کوڑا
اسکی گرمی سے شکر قند نہ آلو ہو جائے

بے تلا پھر نہ رہے کوئی جگر کا ٹکڑا
ناوکِ ناز اگر دل میں ترازو ہو جائے

بیٹھا ہے بزمِ یار میں دشمن چچا کے ساتھ
بے شرم ہے چلیں پڑے بے حیا کے ساتھ

دشمن کو کہنہ مشق سواری پہ ناز ہے
منگنی ہوئی ہے جب سے کسی ٹانگہ کے ساتھ

صحبت سے بھاری پاؤں ہوا ہے جو آپ کا
شاید رہے ہیں آپ کسی فیل پا کے ساتھ

اک داغ دے کے چھوڑ دیا اسنے غیر کو
اب اور کیا سلوک کرے بے حیا کے ساتھ

ہے یہ بھی اک ہوا کہ زمانہ ہے آپ کا
دنیا بھی آپ کی ہے مگر ہے ہوا کے ساتھ

نکتہ چینی سابق اودھ پنچ کے پرانے فائلوں میں اس تخلص سے ایک صاحب ملتے ہیں جن کا پتہ کچھ ہے تو یہی ہے اپنی نظم کی تقریب میں کچھ عبارت بھی درج کی ہے "سائی ڈیئر مسٹر اودھ پنچ۔ گڈ مارننگ قران شریف جیسے آج کل کی نئی روشنی کے محاورہ میں الکران کہتے ہیں اسمیں یا کم سے کم سیل کے ترجمہ میں آپنے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ شعراء کی شان میں خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ یہ تو ہر میدان میں بھٹکتے اور سر مارتے پھرتے ہیں (الا انھم فی کل وادٍ یھیمون) اتفاق سے مجھے ایک شاعر کی بیاض مل گئی جسکی نقل ان سطروں کے ساتھ ہے اس سے ظاہر ہوگا کہ یہ کلام مجز نظام کسقدر سچا ہے۔ میرے خیال میں ان خیالات پریشان سے زیادہ کوئی سے اس کی تصدیق نہیں کر سکتی۔

غیرت نہیں اس سبب جئے جاتے ہیں ۔۔۔ جو کام نہ کرنا تھا کئے جاتے ہیں
لازم تھا کہ دنیا دو سے ڈٹے بیٹھے ۔۔۔ افسوس وہ آنسو ہی پئے جاتے ہیں

عزت سے مری پگڑی چل رہی ہے ۔۔۔ زباں وقت کی ہے بڑی چل رہی ہے
ہے کھٹ کھٹ میں اسکی کوئی ذکر مخفی ۔۔۔ یہ تسبیح کوئی پڑی چل رہی ہے
لگائی ہوئی چاک غفلت میں ٹانکے ۔۔۔ اگرچہ ہے سوئی جڑی چل رہی ہے
نہیں سیل سے ریت کی خوف اسکو ۔۔۔ ہے کیا ڈر اگر ہے جھڑی چل رہی ہے

کریا پہ بخشا سے پکا پلاؤ ۔۔۔ جو مٹے نہ ٹرے تو ہمکو بلاؤ
کریا پہ بخشا سے پکے ہیں آم ۔۔۔ نہ ہو پاس پیسا تو لو مجھے دام
کریا پہ بخشا سے پکے ہیں بیر ۔۔۔ کھلاتے ہیں ان کے کرو تم نہ دیر
کریا پہ بخشا سے پکی کھجور ۔۔۔ بلاتے ہیں کھانے میں ہمکو ضرور

کریما بہ بخشائے پکّے کباب   بلاتے ہیں کھانے کو تمکو نواب
کریما بہ بخشائے پکّے کٹھل   اسے کھا کے ہو جاؤ گے تم اچھل
کریما بہ بخشائے پکی ہے دال   اسے کھا کے ہو جاؤ گے کنبر پال
کریما بہ بخشائے پکی ہے نان   گئی واسطے جسکے مرغی کی جان
کریما بہ بخشائے ٹوٹی ہے ٹانگ   گزر کرتے ہیں در بدر بھیک مانگ
کریما بہ بخشائے ٹوٹے ہیں ہاتھ   نہ ہی سنگ بیوی نہ لڑکے ہیں ساتھ
کریما بہ بخشائے پھولی ہے آنکھ   ہٹ رکھ کے روٹی پہ آلو کی پھانک
کریما بہ بخشائے ٹوٹا ہے سر   کوئی آکے لے جلد میری خبر
کریما بہ بخشائے دھوتی پھٹی   مری عمر دنیا میں یونہی کٹی

ندارم غیر از تو فریاد رس   مزا آئے ٹپکے جو گنے کا رس
نگہدار مارا ز راہ خطا   کوئی مجھکو کھانے کا رستہ بتا
زبان تا بود در دہان جائے گیر   کھلا یا کرو مجھکو روٹی پنیر
حبیب خدا اشرف انبیا   پڑا مجھکو چسکا بڑا آم کا
سوار جہان گیر یکراں براق   کھلا دو مجھے ایک روشن طباق
چہل سال عمر عزیزت گزشت   بری ہے تری ابتلک سرگزشت
ہمہ با ہوا و ہوس ساختی   ہمیشہ نظر تاکتی جھانکتی
مکن تکیہ بر عمر ناپائدار   پہن کوٹ پتلون پھینک اب ازار
دلا ہر کہ بنہاد خوان کرم   نہیں اسکی پاکٹ میں دام و درم

بوجھ تھا سر پہ جو اتار آیا   سر پہ احسان بڑا ہے نائی کا

اشرفی ہے تو یوں نکاح ہوا — پر بندھا مہر ایک پائی کا
پیچھا جب چھوڑتی نہیں سڑی — چھوڑ و پیچھا نہ تم رنڈائی کا
ترشروئی نہیں ترے منھ پہ — ہے پیالہ بھرا کھٹائی کا

خدا کی مہربانی قبر میں میری سہیلی ہے — گھٹا چھائی ہے رحمت کی ہوا الٹی چلی ہے
شعر لکھتا ہوں اگر ملتی نہیں کوڑی کوئی — لے روپیہ کی تھیلیاں آتی نہیں دمڑی کوئی
پائی تھی ایک میں نے جو کتیا چلی گئی — مشہور یہ غلط ہے کہ قضا چلی گئی

نوائی — بابا سلطان قلندر کے نام سے مشہور تھا۔ شاہ عباس ماضی کے زمانہ کا ایک ظریف نکتہ سنج شاعر ہے حیدری خانہ چار باغ کا تکیہ اس کی سپرد تھا اور اسی میں بسر اوقات کرتا تھا۔ ایک قطعہ بطرز مثنوی ظریفانہ رنگ میں دیکھا گیا جو اس کے نام سے مشہور ہے۔

عربے در میان مکہ وشام — کسب اسباب می نمود مدام
بہر تحصیل مال وکسب ہنر — از حضر رخت بست سوئے سفر
مدتے سیر کرد وہیچ نیافت — باز سوئے مکان خویش شتافت
چندگہ راہ بادیہ بہ برید — تا بیک روزہ از وطن برسید
از کمر باز کرد انبانے — کہ درو بود یخنی ونانے
چوں بخوردن نشستاں سرمرد — عربے در رسید بادیہ گرد
بدوی چوں شنید بے طعام — پیش رفت وستادہ کردہ سلام
داد اورا جواب وگفت کہ — پیش من ایستادہ بہر چہ
گفت من چاکر سرائے توام — دشت پیمائے از برائے توام

گفت از خیل من خبر داری   بدوی در جواب گفت آری
گفت چون ست احمد آن بسرم   کہ ز ہجرش کباب شد جگرم
گفت از فضل و رحمت یزدان   باغ حسن ست خرم و خندان
گفت چون ست اورا احمد   گفت صد چون برابر احمد
گفت چون ست قصر و ایوانم   گر زعمش بر فلاک شد افغانم
گفت آن قصر دلکش و ایوان   داغ رشکے ست بر دل کیوان
گفت چون است آن سگے پرفن   کہ بود بر در شیر نر بہ من
گفت او خاک آستانہ تست   روز و شب پاسبان خانہ تست
گفت آن بارکش شتر چون ست   کز غمش دانم چہ جیحون است
گفت باوے کہ فربہ است چنان   کہ مساوی است پشت با کوہان
چون عرب قصہ را شنید تمام   با دل جمع کرد میل طعام
خورد چندان کہ سیر گشت از آن   بدوی را نہ داد و بست انبان
بدوی چون خساست او دید   بر خود از درد جوع مے پیچید
ناگہان دید کز کنارہ دشت   آہوے در رسید و تند گزشت
بدوی چون بدید آہو را   از دل خستہ جست آہ او را
چون عرب آہ دردناک شنود   گفت باوے کہ آہ بہر چہ بود
گفت ازیں بود کان سگ تو   گر نمی گشت صدقۂ سر تو
آہوک را نمی گذاشت کنون   کہ ازیں دشت جاں بر بیرون
گفت اے وائے آن سگ چون مرد   گفت از بسکہ خون اشتر خورد
گفت خون شتر کہ ریخت بگو   خاک بر فرق من کہ ہیچت بگو
گفت کشتند اشتر سہرہ ات   کہ دہند آب آتش ہمشیرہ ات
گفت اے وائے زوجہ ام چون مرد   ریخت ہستی حسیاں بخاک سپرد

گفت از بسکہ کوفت سر بزمیں | از غم نوت احمد مسکیں
گفت اے وائے چوں گزشت احمد | گفت قصرش بہ سر فرود آمد
چوں عرب قصۂ فراق شنید | خاک بر سر فشاند و جامہ درید
بعد ازاں راہ خیل خویش گرفت | بدوی ناں و گوشت پیش گرفت

نوح حافظ محمد نوح نام ہے نارہ ضلع الہ آباد مولد و مسکن ہے۔ آپ زمانہ موجودہ کے نہایت مشہور و معروف شعراء میں سے ہیں۔ داغ مرحوم کے شاگردوں میں نہایت معزز مانے جاتے ہیں۔ زبان نہایت عمدہ کہتے ہیں۔ محاورہ بندی میں اتنی کاوش کرتے ہیں کہ مشکل سے آپ کے یہاں کوئی شعر اس کے بغیر ملیگا۔ ملک کے مشہور مشہور مشاعروں میں آپ شرکت فرماتے رہتے ہیں نہایت خلیق اور زندہ دل ہیں۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بھی بہت کافی ہے آپ کے نام کے ساتھ ناخدائے سخن بھی شامل کیا جاتا ہے ممکن ہے کہ کہیں سے یہ خطاب ملا ہو۔ حضرت داغ مرحوم کی جانشینی کے بھی آپ مدعی ہیں اور اگر زبان و سلاست کے اعتبار سے آپ کو داغ کا جانشین کہا جاے تو بجز اس کے کہ چند دوسرے زباندان اور کہنہ مشق شاگردان داغ کی حق تلفی ہو اور کوئی حرج نہیں ہے آپ کے دو دیوان شائع ہو چکے ہیں اور اطراف و اکناف میں پھیل چکے ہیں آپ تفنن طبع کے طور پر اکثر ظریفانہ اشعار بھی فرماتے رہتے ہیں۔ چنانچہ سفینۂ نوح کے آخر میں کچھ ظریفانہ کلام دیا گیا ہے جس کا انتخاب لکھتا ہوں راقم الحروف کو بھی ایک دو مرتبہ آپ سے ملنے کا اتفاق ہوا اور آپ کی خوش خوئی و نیاس مزاجی کا معترف ہو گیا۔ آپ کا ظریفانہ کلام اکبر کے اتباع میں زیادہ ہے۔ اور اکثر جگہ اس اتباع کو نہایت حسن و خوبی سے نباہا ہے نمونہ کلام

یہ ہے

یہ جو خواہش ہے کہ ہم صاحب بنیں — بولنا ہر شخص سے کم چاہیے
میز کرسی لیمپ سگریٹ کتاب تو ہیں — گھر میں تصویروں کا البم چاہیے
رنگ گورا اور قامت بھی بلند — جسم بھی کچھ بھاری بھرکم چاہیے
کیسی غفلت اور کیسی کاہلی — فطرتاً تھوڑا سا دم خم چاہیے
اور اگر دفتر سے ہو کچھ واسطا — ایک گھوڑا ایک ٹم ٹم چاہیے

آج ساقی تجھ پہ کیا یہ رحمتِ یزداں ہوئی — پہلے خود لڑکی تھی اب دو لڑکیوں کی ماں ہوئی
منچلوں کو دائیوں کی وضع داری چاہیے — بادہ خواری کی جگہ اب شیر خواری چاہیے
مے کدے میں سونٹھ گڑ کا ہر طرف سامان ہے — دودھ والی بن گئے ساغر خدا کی شان ہے

خم کی صورت جام بھی چلنے سے عاری ہو گیا — پیٹ اُس کا اور اس کا پاؤں بھاری ہو گیا

لوگ کہتے ہیں فلاں صاحب کی اک لڑکی ہوئی — ہم یہ کہتے ہیں فلاں صاحب اک لڑکی کے ابا ہو گئے

اے بی جو نہ کہتے تھے بی بی کہیے — دائی جو نہ کہتے تھے سو بیگی کہیے
کم بخت ہو کوئی حرف تو کچھ حرج نہیں — ٹکسالی نہ کہتے تھے ٹکی کہیے

حضرت شیخ رہے بہت محتاج — خوش ہے پیرِ مغاں بہت گھر سے
غرض اعلیٰ سے بڑھ گیا ادنیٰ — خطر شرما گیا لونڈے سے

یہی اچھے برے ہر حکم انجام دیتا ہے　　اگر کوئی نہیں ہوتا تو کتا کام دیتا ہے

کہتا ہے کون ذکر رقیب و حبیب کر　　جورو کی مار کھا کے سعادت نصیب کر

جورو نحیف اس کو ضرورت دوا کی ہے　　شوہر ضعیف آرزو اسکو طلا کی ہے
مائل مزاج کیا ہو کسی اور چیز پر　　مرغی کڑک ہی مرغ ابھی ہے کریز پر

اے مری طبع رسا وقت مبارکباد ہے　　عمر میں اپنے خسر سے بھی سوا داماد ہے
عقد بوڑھے کا ہوا اک چھوکری سے شام کو　　مل گئی اچھی پلوری مرغ بے ہنگام کو

آج دستار فضیلت بندھ گئی　　سر نرالے طور سے ڈھانکا گیا

کیونکہ نبھے گی شیخ سے لیلیٰ کی رسم و راہ　　موٹا سلا ہے وہ بانس یہ چھوٹی سی کین ہے

الہ آباد کے ضلع میں دو پرگنے ہیں ایک کا نام کڑا ہے ایک کا نام کراری ان دونوں پرگنے والوں میں لڑائی ہوئی حضرت نوح نے یہ شعر لکھکر بھیجے

ہر آن دوستی ہے ہر وقت فوجداری　　پتھر ہو یا ہو لوہا اپنی جگہ ہے بھاری
کہنا دوستی نبھائیں آپس کیا بنائیں　　ان کا بہت کڑا ہے انکی بہت کراری

کیا لطف میل جول میں کیا تال میل میں　　بندوق کی صفت نہیں ہوتی غلیل میں
کرتے ہیں غیر جنس میں جو اپنی شادیاں　　وہ عطر کو ملاتے ہیں مٹی کے تیل میں

سنا ہے اب انھیں یہ مشورہ احباب دیتے ہیں
پرائی بدشگونی کے لئے کٹوادو ناک اپنی

کٹے دن میں یہ کہکر لیڈی پوں کے ساتھ سوتے ہیں
جو تم ہوا کی پوتی ہو تو ہم آدم کے پوتے ہیں
تصور جن مسلمانوں کو ہے لندن کی مسجد کا
عرب کے تخم کو یورپ کے بنگلے میں وہ بوتے ہیں

اس مس شیریں دہن کی گفتگو
مجھکو انگریزی مٹھائی ہوگئی
ہے نئی تعلیم کا یہ انقلاب
اپنی بی بی تک پرائی ہوگئی

تھی جوانی میں جو میڈم نان پاؤ
وہ ضعیفی میں ملائی ہوگئی

نوری - ملا حسین شاہ نام تھا - مشہد کے رہنے والے تھے - غزالی مشہدی کے ہمسن اور ہم بزم تھے - اکثر مشاعروں اور مطارحوں کی صحبت گرم رہتی تھی - نوری نہایت ظریف الطبع اور بذلہ سنج واقع ہوئے تھے - مگر اتفاق سے نہایت بدصورت تھے اسکی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اُن کے دانت اسقدر بڑے تھے کہ دونوں ہونٹوں سے گزر کر ٹھوڑی کے قریب آگئے تھے اور اُن کی صورت کو عجیب و غریب بنادیا تھا - اسی وجہ سے نوری دندانی کے نام سے مشہور تھے - صادق علی خاں اختر نے اپنے تذکرہ عالمتاب میں دندانی کی یہ توجیہ کی ہے کہ دنداں توابع خراسان میں ایک قصبہ ہے - مگر یہ صرف توجیہ ہے نوری کا کلام ضایع ہوگیا صرف یہ دو شعر تذکروں میں ملتے ہیں -

وصیتے است کہ بعد از وفات من یاراں
کنند لوح مزارم ز مہرہ دندانم
سخن چگونہ کنم پیش خلق کیں دو بیم
بیکد گر نرسد گر بلب رسد جانم

حرف واو

واحی۔ مولوی عبدالاحد نام تھا یوسف پور تحصیل محمد آباد ضلع
غازی پور کے رہنے والے تھے۔ آخر عمر میں اپنی اہلیہ کے تعلقات ورشتہ
داری کی وجہ سے خود بھی دہرتر پور تحصیل زمنیہ میں جا رہے تھے علمی قابلیت
بہت کافی تھی فاضلانہ استعداد رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کا حداثت
سن ہی سے شوق تھا۔ مگر اتفاق سے طبیعت کو ظرافت سے لگاؤ تھا واہی
تخلص کرتے تھے اور اسی رنگ میں شعر کہتے تھے۔ کچھ عرصہ تک یہ مشغلہ اسی
تخلص کے ساتھ جاری رہا۔ اتفاق وقت سے کسی ضرورت خاص کی وجہ سے
اسی ابتدائی شاعری کے زمانہ میں آپ کو دہلی جانے کی ضرورت پیش آئی اور طویل
سفر کے بعد وہاں گئے دلی کی رونق اور آب و تاب اس زمانہ میں جو کچھ تھی اسکا
بیان کرنا ایک امر تحصیل حاصل ہے۔ مگر یہ کہنا ضروری ہے کہ اس زمانہ میں
دلی کے مشہور معروف شعراء غالب مومن ذوق شیفتہ صہبائی وغیرہ زندہ
تھے دنیائے ادب میں اُن کے فضل و کمال کا ڈنکا بج رہا تھا۔ یہ ممکن ہی
نہ تھا کہ کوئی ادبی ذوق رکھنے والا آدمی وہاں جائے۔ جامع مسجد۔ ہمایوں
کا مقبرہ۔ قطب صاحب کی لاٹ دیکھے اور ان بزرگوں کی زیارت کو نہ جائے
بلکہ اکثر شوقین پہلے انھیں لوگوں سے ملنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ واہی
جب دلی گئے تو سب سے پہلے اپنے ضروری کاموں سے فراغت کی اور اس کے بعد

پتہ پوچھتے پوچھتے مرزا غالب کے مکان پر پہونچے مرزا غالب نہایت خلوص اور محبت سے ملے - اور اپنا کلام سنایا - اور کہا کہ جب تمکو اس مزخرفات کا اشتیاق اتنی دور سے یہاں تک کھینچ لایا - تو میں یہ کیونکر مان سکتا ہوں کہ تم خود کچھ نہ کہتے ہوگے سُنا و ضرور سُنا و - انھوں نے بھی انکار مناسب نہ سمجھا - اور وہی کلام سُنایا - مرزا نے تخلص سُنا - تو پہلے کچھ بزرگانہ انداز سے ہنسے پھر کہا کہ کیا تخلص رکھا ہے واہی - تباہی - بدلو - اس تخلص کو بدلو - مولوی صاحب نے کہا کہ حضرت میری عقل کی رسائی تو یہیں تک تھی اب آپ ہی کچھ تجویز کیجئے - مرزا تو ایک ظرافت مجسم اور ذکاوت کا پتلا تھے - ادائے تکلم اور انداز گفتگو سے تاڑ گئے کہ بدلنے کے لئے تو یہ میری خاطر سے بدل ہی دیں گے - مگر شاید دل سے نہ بدلیں - دوسرے یہ سوچا کہ ان کا کلام بھی اسی واہی تخلص سے مشہور ہو چکا ہوگا - لہٰذا اسکو اسطرح بدلنا چاہیئے کہ ہماری بات بھی رہجائے ان کو زحمت بھی نہ ہو ناگوار بھی نہ گزرے - چنانچہ کہنے لگے کہ اب واحی تخلص رکھو - حقیقت یہ ہے کہ اب تخلص کا مرتبہ زمین سے آسمان پر پہونچ گیا اتفاق سے کچھ عرصہ تک مولوی صاحب دہلی میں مقیم رہے اور مرزا کے یہاں برابر روزانہ آیا جایا کرتے تھے - انھیں دنوں میں مرزا صاحب نے یہ غزل کہی تھی -

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھسا کہیں جسے

مرزا صاحب نے یہ غزل ان کو بھی سنائی - سنا چکے تو ان سے کہا کہ اپنے رنگ میں تم بھی اس زمین میں غزل لکھو - انھوں نے پہلے تو انکار کیا - کہ استاد کی غزل پر غزل کہنا سوء ادب میں داخل ہے - مگر مرزا بھلا ایسے عذروں کے ماننے والے کب تھے وہاں تو ہنسی سے غرض تھی کسی طرح سے ہو - گھڑی بھر کے لیئے دل بہل جانے سے مطلب تھا - کچھ ہو کہو ضرور کہو - مولانا نے بھی الامر فوق الادب کو ملحوظ رکھکر امتثال امر کے لئے پانچ سات شعر کی غزل کہی جس میں ذرا شد کے ساتھ پھکڑ اور فحش بھی شامل تھا

اس کے بعد معافی مانگ کر سنانے کی اجازت لی - مرزا نے اجازت دی - انھوں نے غزل سنائی - مرزا نے داد دی اور فوراً ایک شعر خود کہکر کہا کہ میاں واحی یہ شعر بھی تو تمھارا ہی ہے واحی بھی نکتہ سنج اور ادا فہم تھے سمجھ گئے کہ یہ مرزا صاحب کا عطیہ ہے سلام کیا اور شعر اپنی غزل میں شامل کر لیا - شعر یہ تھا -

عیاشی سیکھنے کے لئے تجھکو چاہئے ۔۔۔ رنڈی وہ قحبہ پیر کہ دنیا کہیں جسے

واحی مرحوم نہایت شوخ طبع ظریف قابل اور قادر الکلام شخص تھے - آخر عمر میں مولانا شاہ عبد العلیم صاحب آسی غازی پوری سے صحبتیں رہتی تھیں - اسی وجہ سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شاہ صاحب سے اصلاح بھی لیتے تھے - مگر یہ غلط ہے انھوں نے ہمیشہ اپنے ذہن رسا کو اپنا استاد اور رہنما سمجھا - اور کسی کے سامنے کبھی زانوے تلمذ تہ نہیں کیا - ایسا البتہ ہوتا رہا کہ احباب میں سے جس کسی نے کوئی ظریفانہ شعر کہا وہ انھیں کی غزل میں شامل ہو گیا - واحی نے کافی عمر پاکر ۱۹۲۱ء میں بمقام دہر مرپور انتقال کیا - آخر عمر تک اسی وضعداری کے ساتھ زندگی بسر کی جیسی کہ جوانی میں کی تھی - نمونہ کلام مولانا سید سبحان اللہ صاحب رئیس گورکھپور سے جو کچھ دستیاب ہوا وہ حاضر کرتا ہوں -

میرا وہی رقیب ہے بھڑوا کہیں جسے ۔۔۔ ایسا ہی روسیہ ہے کہ کوا کہیں جسے

آئے طوفان جو وہ بت بہ تسلسل موتے ۔۔۔ ساری دنیا ہوتی آب اگر کل موتے

واحی کے گور سے یہ صدا صاف آتی ہے ۔۔۔ دہن تنگ وہ ہناک تنگ مری کٹ تک شہر آکر

بل دکھائیں جو کبھی آپ کے گیسوے دراز ۔۔۔ سانپ دہشت کے لگے خوف سے سنبل موتے

غسل کے بعد یہ قطروں کا تسلسل کیسا ۔۔۔ کیوں نہ حیرت ہو مجھے جب ہی کا کل موتے

ہو یہ معلوم ٹپکتی ہے قرع انبیق سے مے ۔۔۔ بادہ پی پی کے جو واحی یہ تامل موتے

قبر واحی کو سمجھتا ہے وہ اک ٹیلہ ہے ۔۔۔ کیا قیامت ہے کہ اس پر بہ تجاہل موتے

گڈ ناگدا رہی ہے چماری جو ناک پر — تحریر پڑھ رہی ہے یہ لفظ پر ناک میں

مجھکو ہوا گمان کہ مسجد میں بھوت ہے — ملاں نے کی شروع جو تکبیر ناک میں

واحی طرح ملی تھی مجھے آج بے طرح — دم آگیا مرا دم تسطیر ناک میں

واقف آپ کا نام سلطان احمد ہے - بسوان ضلع سیتاپور میں مکان ہے بارہ تیرہ برس سے شعر گوئی کا شوق ہے - نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں اور ہمیشہ دوسروں کے اشعار کی نہایت فراخدلی سے داد دیتے ہیں - جناب ریاض سے مشورہ سخن کرتے ہیں - اور کبھی کبھی اقتضائے طبیعت سے ظریفانہ شعر بھی فرما لیتے ہیں - مگر بہت کم - شطرنج بہت عمدہ کھیلتے ہیں - ملازمت سے طبیعت کو نفرت اور تجارت کا شوق ہے - اسیوجہ سے آپ عرصہ سے بیکار خانہ نشین ہیں - ایک ڈیڑھ سال سے کیمیاوی ترکیبوں کے ساتھ آپ جدید دھات جو سونے کے مماثل ہے تیار کرنا چاہتے ہیں - اگرچہ ابتک پوری کامیابی نہیں ہوئی - پھر بھی اپنی کوششوں میں آپ بہت کچھ کامیاب ہوگئے ہیں - راقم سے بھی عرصہ دس بارہ سال سے بے تعلقانہ ملاقات ہے اور جب آپ لکھنؤ تشریف لاتے ہیں تو اکثر ملاقات ہوتی ہے - نہایت نیک مزاج متحمل ظریف الطبع - خوش تقریر - اور علم مجلس کے ماہر ہیں - میں نے ترتیب تذکرہ کا ذکر کیا تو آپنے اپنے یہ دوتین شعر عنایت فرمائے تھے - وعدہ تھا کہ اور بھی کلام عنایت فرمائیں گے - مگر کچھ آپ کو یاد نہ رہا نہ کچھ مجھے اور یہ وقت پر یاد آگیا - واقف صاحب کی عمر اب تخمیناً ۴۵ - ۴۶ برس کی ہوگی - نمونہ کلام یہ ہے -

کر منتل کوٹ سے بہتر کوئی کشیری نہیں

عیش کرتے ہیں زمانہ میں یہ رنڈی زادے — مستقل ورڈ میں جنکے لئے قادر ہی نہیں

پیش رہتے ہیں ہر اک جا پہ قانون سالگٹ — ان بڑی بی کو بھی ملتا کوئی شوہر ہی نہیں

علم کی ہو گئی ہے وہ بھرمار ہیں برابر شریف اور چمار
بی اے کرتے ہیں مرغے کی دکان ایم اے بیچیں چاروں میں اچار

صحبت میں اپنی ایسے بزرگ آ پا کے ہیں بن واسن بھیجیں گے خود نہ ہمیں کیسے بنا کے ہیں

واہ۔ ایک مجہول الاسم تخلص ہے جن کے یہ دو تین شعر میرے پیش نظر ہیں

ہمارا خط لئے جاتا تھا وصی کے گھر پہنچا کبوتر کیا تھا میرا نامہ بر الو کا پٹھا تھا
ذرا میں بھی تو سن لوں کیوں مجھے محفل سے اٹھوایا نہ لچا تھا۔ نہ گنجا تھا۔ نہ کانا تھا نہ نکٹا تھا
نہایت شان سے میخانہ میں آیا کل اک واعظ بغل میں بوریا تھا کان میں مسواک تھی ہاتھ میں بدھنا تھا
خدا معلوم کیوں بدنام کر رکھا ہے دنیا نے نہ لیلی ان کی نانی تھی نہ مجنوں میرا دادا تھا

واہ۔ وحید الحسن نام ہے۔ ایک زمانہ میں کیننگ کالج لکھنؤ میں تعلیم پاتے تھے زیادہ حالات معلوم نہیں ایک غزل کے چند اشعار مل سکے۔

کبھی دیکھی جو صورت شیخ کی اس آفت جاں کی ملا کھانا نہ پانی ہم نے دن بھر خاک ہی پھانکی
ہمارے یار کی باد صبا اک مہترانی ہے صفائی روز کر جاتی ہے آ کر کوئے جاناں کی
دکھائی دور سے ارماں کی گٹھری ٹرھ کے مجنوں نے کبھی لیلی سفر میں پردۂ محمل سے گر جھانکی
شباہت چھوٹی آنکھوں نے تری تیتر کی سی پائی ہے ہوئی ہے گرم بازاری اسی باعث بٹیاں کی
خدارا کچھ جبہ سے سمجھا کے لیلا گھر میں تو اسکو بری حالت ہوئی ہے ہجر میں مجنوں کی ماں کی
منڈا کر داڑھی مونچھیں پاٹ کرتے ہیں دلبر کا ادھر تصویر پہنچاتا ہے کالج کوئے جاناں کی
وہ تتلا کر کبھی کچھ انھوں نے بات کی مجھسے خدا رکھے زباں اب کل ہوا ہے میرے ٹیاں کی
لدا پھرتا ہے دن بھر واہ کی ہر جان آفت میں کریں کیا یار کو جھٹ پٹ کی عادت ہے گھڑیاں کی

وجود سید محمد علی نام تھا۔ بنارس کے رہنے والے تھے۔ ہزل گوئی کے مشاق تھے۔ شاگردی کا سلسلہ صاحبقران تک پہونچتا ہے۔ صرف ایک شعر اُس کا گلستان سخن میں ملتا ہے۔

رکز نے جرف میں جب جھکایا — بتوں کی بندگی گویا ادا کی

وجاہت۔ آپ کا نام وجاہت حسین ہے۔ جھنجانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے اور ملک کے مشہور ادیبوں میں آپ کا شمار کیا جاتا ہے ۱۸۹۲ء سے شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا۔ اور ابتداءً وہی قدیم روش اختیار کی۔ مگر امتداد زمانہ کے ساتھ جیسے جیسے زمانہ کا رنگ بدلتا گیا۔ آپ کی طبیعت قدیم طرز تغزل سے متنفر ہو کر جدید رنگ کی طرف کھنچتی آئی اور سمجھ لیا کہ طرز قدیم کی شاعری لغویت سے کم نہیں ہے۔ اگرچہ یہ بات نفس الامر اور واقعہ کے سراسر خلاف ہے۔ مگر پھر بھی آپ کا عقیدہ وہی رہا۔ سنہ ۱۹۱۰ء کے بعد قومی اخلاقی اور ظریفانہ رنگ کی طرف توجہ فرمائی۔ اور اسمیں ایک حد تک کامیابی حاصل کرلی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۱۳ء میں آپ کا مجموعۂ کلام شائع ہو گیا۔ وجاہت صاحب ایک قابل ذہین اور طباع شخص ہیں زبان اردو سے آپ کو خاص محبت اور خلوص ہے۔ چنانچہ آپ نے زبان کے بارہ میں ایک نہایت مبارک اور مستحسن کوشش کی اور ایک رسالہ لکھا جسمیں لکھنؤ اور دہلی کی زبانوں کا فرق دکھایا تھا۔ گو بہ مقتضائے بشریت اسمیں بعض بعض اغلاط باقی تھے۔ مگر پھر بھی مستقلاً اور مجموعی حیثیت سے وہ ایک بہترین تصنیف ہے آپ نے مختلف اخباروں میں اڈیٹری بھی کی۔ چنانچہ مدت تک آپ زمیندار اخبار کے اڈیٹوریل اسٹاف میں بہ حیثیت اسسٹنٹ اڈیٹر کے کام کرتے رہے۔ اسوقت نہ معلوم کہاں ہیں۔ مشاغل علمی سے آپ کو نہایت

انس اور دلچسپی ہے۔ میں آپ کی قدیم غزلوں سے بھی ظریفانہ شعر چنکر پیش کرتا ہوں اور اُن اشعار کا بھی نمونہ دکھاتا ہوں جو آپ نے ظرافت کے نام سے نظم وجاہت میں لکھے ہیں۔ نمونہ کلام

واعظ اور سرسیّد

تظمین بر نظم اکبر مرحوم الہ آبادی

شہرہ جب اُن کے وعظ کا لوگوں میں ہو چلا — پھر تو وہ خود کو دل میں سمجھنے لگے ذرا
اب کیا تھا بڑھتے بڑھتے بڑھا ایسا حوصلا — سید سے جا کے حضرت واعظ نے یہ کہا

چرچا ہے جا بجا ترے حال تباہ کا

اے مرد آدمی یہ تجھے ہو گیا ہے کیا — شاید ترا دماغ ٹھکانے نہیں رہا
قسمت کا تو مقر ہے نہ قائل نصیب کا — سمجھا ہے تو نے تجبر و تدبیر کو خدا

دل میں خیال بھی نہ رہا لا الٰہ کا

کہتا ہے تو زبان سے دن کو تو قوم قوم — سوتا ہے خوب رات کو ہو ہو کے مست نوم
یاد خدا میں کوئی گزرتا نہیں ہے یوم — ہے تجھ سے ترک حج و زکوۃ و صلوۃ و صوم

کچھ ڈر نہیں جناب رسالت پناہ کا

تیری یہ رسم کیا ہے یہ تیرا ہے کیا رواج — سارے جہان سے تو نے نکالا نیا رواج
دنیا و دیں کا تیرے ہے بالکل جدا مزاج — اُسنے دیا جواب کہ مذہب ہو یا رواج

راحت میں جو مخل ہو وہ کانٹا ہے راہ کا

درس حدیث و فقہ میں کی زندگی بسر — کھوئی ہے ایک عمر بخاری میں بیٹھ کر
ہر سو نئی ہے روشنی اب تو ہے جلوہ گر — افسوس ہے کہ آپ ہیں دنیا سے بے خبر

دیکھا نہیں ہے رنگ جو شام و پگاہ کا

حجرہ نہیں مسجد دل میں رہے آپ عمر بھر　　یہ زہد خشک آپ وضو سے ہوا نہ تر
سب حال ہو عیاں جو ممنہ سے ہو گزر　　یورپ کا پیش آئے اگر آپ کو سفر

گزرے نظر سے حال رعایا و شاہ کا

یورپ کی لیڈیوں سے ہو صورت ملاپ کی　　چینی کی مورتیں ہیں عجب ٹیپ ٹاپ کی
ہوٹل میں جا ہیں سیر کریں کافی شاپ کی　　دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی

کم سن مسوں سے ذکر ہو الفت کا چاہ کا

خوش وضع خوش کلام خوش انداز مہ جبیں　　میں چند لفظ بھول گیا ہوں نہیں نہیں
دلدار دلستان و دلارام و دلنشیں　　نو خیز جامہ زیب گل اندام نازنیں

عارض پہ جن کے بار ہو دامن نگاہ کا

پڑ جائے پھر تو سایہ سے پریوں کا واسطا　　اندر کے بھی اکھاڑے میں آئے نہ یہ مزا
اس بے تکلفی پہ بھی اے مرد پارسا　　رُک کر اگر تو ہنس کے کہے ایک مہ لقا

دل مولوی یہ بات نہیں ہے گناہ کا

دنیا میں اس سے کوئی بھی اچھا نہیں ہے کام　　افسوس ہے کہ اسکو سمجھتے ہو تم حرام
پی لو ہمارے ہاتھ سے وہسکی کا ایک جام　　اسوقت قبلہ آپ کو جھک کر کروں سلام

پھر نام بھی حضور جو لیں قبلہ گاہ کا

ہم کیا ہیں

تابع احکام قرآنی ہوں میں　　پیرو دین مسلمانی ہوں میں
دیکھنا دھوکا نہ کھا جانا کوئی　　صبح کاذب کی درخشانی ہوں میں

معتکف حجرے میں رہتا ہوں مدام | معتکف یا قطب ربانی ہوں میں
آگیا نناوے کے پھیر میں | حافظ اسمائے یزدانی ہوں میں
نفس امارہ کا دشمن بن گیا | یہ جو روسی ہے تو حاپانی ہوں میں
کیوں نہ درد قوم کا دورہ اُٹھے | غمگسار نوع انسانی ہوں میں
ہوشیار اے اہلِ دنیا ہوشیار | افراد مکر کا بانی ہوں میں
یہ مری ریش مقدس واہ واہ | خضر ہوں الیاس کا ثانی ہوں میں
کام آجاتی ہے اس ٹٹی کی آڑ | اک مجسم شکل شیطانی ہوں میں
اے وجاہت ہے یہ مرا اصل حال | سچ یہ ہے ننگِ مسلمانی ہوں میں

ہندوستانی اور یورپین مس کی نوک جھوک

کہا جو لیا نے یہ بدرالنسا سے | کہ موجودہ تہذیب سے تم ہو عاری
نیا کوئی انداز تم میں نہیں ہے | پرانی ہیں ساری ادائیں تمہاری
سمجھتی ہو زیور کو زینت کا ساماں | خوشی سے اٹھاتی ہو یہ بوجھ بھاری
بناوٹ سے تم چاہتی ہو چمک | لگاتی ہو کپڑوں پہ گوٹا کناری
وہی کرتی انگیا وہی بند مجرم | چلی جاتی ہے حسن کی پردہ داری
لڑائی میں بڑھ کر ہو بھٹیاریوں سے | جلاتی ہو بیڈمب چھری کٹاری
نہیں تم میں مغرب کا کوئی قرینا | نئی روشنی میں چلن ہیں گنواری
ہو پردہ کے زندان میں تم مقید | تمہارا نہیں کوئی فعل اختیاری
مصیبت کے دن کاٹتی ہو جہاں میں | یہ جینا ہے یا نزع کی دم شماری
تمہیں جیتے جی مار رکھا ہے اُسنے | پڑے بھاڑ چولھے میں یہ ضعداری
کہا سُن کے بی بی نے لے میم صاحب | بس اب چپ ہو آئی اب میری باری

نئی روشنی کے نئے گیت گائے
بہت تم نے پڑھ پڑھ کے شیخی بگھاری

تماشا تو دیکھو کہ پردہ اٹھا کر
بنی پھرتی ہے میم میری بچاری

نظر پڑتی ہے غیر لوگوں کی ہردم
تمہارا یہ چہرہ ہے یا چاندماری

کیا کرتی ہو غیر مردوں سے باتیں
جھجکتی نہیں پاس تک شرمساری

ہوئی ڈولی اور بند گاڑی سے نفرت
پسند آئی بائیسکل کی سواری

نہ اتراؤ میموں کا سا بھیس کر
کہ صورت ہے کالی کلوٹی تمہاری

چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھولا
نہ کام آئی کوے کی کچھ ہوشیاری

خطاؤں کی شیدا ہوئیں عورتیں بھی
بیاہی ہے مسٹر اور مس ہے کنواری

ترقی کرو علم شائستگی میں
نہ چھوڑو مگر اپنی تم وضعداری

اسے کہتے ہیں لوگ تقلید بیجا
بناوٹ ہے یہ سادگی بھی تمہاری

کوئی آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا
حکومت کا میموں کی سکہ ہے جاری

ہے زیبا انھیں کے لئے بے حجابی
ہے شایاں ہمارے لئے پردہ داری

نہیں ملک میں رعب اپنا کچھ بھی
حکومت سے پھبتی ہیں باتیں ساری

مبارک انھیں مغربی پورٹ منٹو
ہمیں ایشیا کی پرانی پٹاری

جھکا ضعیفی میں قد شیخ کا
کبھی تیر تھا اب کماں ہو گیا

گڑے اسمیں عشاق کے دل بہت
ذقن ایک خونی کنواں ہو گیا

میاں لال ہیں میکدے کے شیخ
ان کے گھر کی دکان ہے گویا

خوبرو میرے دل میں رہتے ہیں
یہ حسینوں کی کان ہے گویا

تو اب کیوں زمیں کا سہارا نہ لے
یہ بڈھا بہت ناتواں ہو گیا

زال دنیا بھی ہے بڑی چنچل — ہے نیا ڈھنگ اس پرانی کا
آسماں بھی ہے پیر نابالغ — وقت دیکھا نہیں جوانی کا
نازسے ڈال لو بل ابرو میں — تیر چھ کس دو ذرا کمانی کا
قیس دیوانگی کی حالت میں — راجہ تھا بن کی راجدہانی کا
سوت کرتی ہے چاروں خانے چت — ہے رواں داؤ پہلوانی کا

مقتل میں غیر آ نہ سکا ڈر کے ہٹ گیا — بزدل نہیں تھا بڑھ کے لیوں مثلِ کٹ گیا
حاضر ہوا نہ حشر میں اچھا نبٹ گیا — اس غیر حاضری میں مرا نام کٹ گیا
نام رقیب میں نے لفافہ پہ لکھ دیا — کچھ غم نہیں ہے خط جو انھیں نے پلٹ گیا
واعظ کی گت بنائی تھی رندوں نے بیطرح — ق — یہ جانتے تھے اسکا لب اب یا ہے کٹ گیا
لیکن وہ دم چرائے پڑا تھا زمین پہ — رندوں نے پشت پھیری تو اٹھکر جھپٹ گیا

دل ہے برسات میں بھی پژمردہ — سوکھ کر یہ شجر ہرا نہ ہوا
ہم نے کتنی ہی التجائیں کیں — وہ مگر ٹس سے مس ذرا نہ ہوا

اب ٹھکانا ہے یہیں عشق کے دکھیاروں کا — کوچۂ یار شفا خانہ ہے بیمار دل کا
پاس شیریں تھا جو فرہاد نے کاٹا کہسار — ورنہ یہ کام ہے مزدوروں کا سماڑیں کا

قتل کر ڈالیں جو وہ مجھکو تو بیرے خون سے — تو سن عمر رواں بنجائے دلدل کا جواب
ہے خم محراب ابروے صنم کیا خوشنما — بحر عالم میں کہیں دیکھا نہ اس پل کا جواب
بعد مردن بھی رہیگی انکی باہم لاگ ڈانٹ — برہمن کے پھول ہوں گے شیخ کے قل کا جواب

جنت سے آئے حضرت آدم زمیں پر / نکلی ہوئی تھی پہلے ہی اُنکی وطن کی شاخ
دلچسپ ہے یہ پھولوں کی چھڑیوں سے کھیلنا / دولہا کے منھ پہ لگتی ہے جا کر دلہن کی شاخ

رندو چلو کہ شیخ کی پگڑی بکے گی آج / نیلام ہوگا پیرِ مغاں کی دکان پر

مرے دل کی پریشانی ابھی کچھ نامکمل ہے / ذرا تو گیسوؤں میں اور ابھی لمبان پیدا کر
حمائل ڈال رکھی ہے گلے میں اس سے کیا حاصل / اٹھا لے ہاتھ میں جسکو تو وہ قرآن پیدا کر
ترے گھر اب تو دشمن بھی چلے آتے ہیں بے کھٹکے / جو روکے دور سے غیروں کو وہ دربان پیدا کر

مر گیا میں تو ہنس کے وہ بولے / دم چرانے کے ہیں ہزار طریق

نہایت بے تکلف ہے آشناؤں کی صحبت بھی / اُدھر دو چار لیٹے ہیں اُدھر دو چار بیٹھے ہیں
ذرا میخانے میں دیکھو جناب شیخ کی سج دھج / کہ باندھے پُر تکلف لٹ پٹی دستار بیٹھے ہیں
عدو کی موت نے مبہوت کر دیا بالکل / وہ اُسکی قبر پر دھونی رمائے بیٹھے ہیں
کہا یہ شیخ نے زاہد سے سن کے ہجر کا ذکر / اسی پہ ہم بھی سر اپنا منڈائے بیٹھے ہیں

وہ میرے پاس آتے نہیں بھول کر کبھی / میں اُن کے پاس جاؤں تو کہتے ہیں دور ہو
کر ڈالو آج عشق کے مجرم کا فیصلہ / تم حسن کی کچہری کے صدر الصدور ہو
سنتے ہیں جو واعظ سے کچہری کی مذمت / سب رند یہ کہتے ہیں کہ سمجھیں گے خدا کو

مرغ کے ہمراہ دیتا ہے اذاں بھی زاہد / آدمی کوئی اگر ہو جانور اتنا تو ہو

باوا آدم خلد سے نکلے تھے ہم گھر سے ترے — قصہ کوتہ باپ کا پیرو پسر تھا تو ہو

لقد جاں تک لوٹ لیتے ہیں حسیں — عشق میں چنگیز خانی اور ہے

ملک عدم آباد میں ہے خوب حکومت — پرچہ کوئی نکلے تو وہاں سے خبر آئے

جان ہر بس دم کی بچی جاں نثار — ساتھ راجہ کے یہ رانی جائیگی

ضرور اس کے رخ صاف پر نقاب ہے ۲ جو قیمتی ہے وہ جزدان میں کتاب ہے

جنت میں بسر ہوگی نہ حوروں سے ہماری — سنتے ہیں وہاں کا تو رواج اور ہی کچھ ہے

نظام ملک جفا میں جو ابتری ہوگی — رقیب کو وہ مدار المہام کرلیں گے

سوڈا واٹر ہو کہ انگور و شیرہ کا نچوڑ — پیاس لگتی ہے تو پی لیتے ہیں ہم ہر پانی

سانپ زلفوں کے پال رکھے ہیں — وہ حسیں کیا ہے اک سپیرا ہے
مل گیا نامہ بر ہمیں سستا — ایک کوڑی کا ایک پھیرا ہے
چھانٹ کر کھا گیا قیس کو اک دن — سگ لیلیٰ کا نام شیرا ہے
دیکھی رفتار ابلق ایام — چاق چوبند ہے چھریرا ہے

حواس اُن کے جاتے رہے صبح وصل — مرے گھر نئی پھلجھڑی رہ گئی
جلے دل جگر جان جلنے کو ہے — یہ اب آخری پھلجھڑی رہ گئی
نہ ٹھہرا کوئی عشق کے دشت میں — وجاہت ہی کی جھونپڑی رہ گئی

دل ربا پچ کر نگاہ ناز سے — لے گیا بازی کبوتر باز سے

جان دی ہے ہم نے کوئے دلربا کے سامنے — تعزیہ ٹھنڈا ہوا ہے کربلا کے سامنے

وحید۔ کوئی صاحب بدایوں کے رہنے والے اور موجودہ شعرا میں سے ہیں۔ صرف ظرافت کی طرف میلان طبع ہے۔ یہ دو شعر جناب قمر بدایونی نے سنائے تھے۔ جو درج کرتا ہوں۔

ہوئی تکرار مجھ سے اور اُن سے رات میلے میں — میں کہتا تھا نہیں مل لو وہ کہتے تھے اکیلے میں
کہا میں نے کہ اک بوسہ کھٹا پکا مجھے دیدو — لگا کر لات وہ کہنے لگا سالا کھٹ پاکا

وصل۔ مرزا محمد اسحاق نام تھا حاجی ابراہیم خلف آغا قدیر اصفہانی کے بیٹے اور شرف الدین مائل لکھنوی کے شاگرد تھے۔ شعرائے متقدمین کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاریخ وفات باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوئی۔ بیشتر و اکثر حصہ عمر مرثیہ کہنے میں گزارتے تھے۔ مگر کبھی کبھی اقتضائے طبیعت اور تفنن کے طور پر شعر مذاقیہ بھی کہتے تھے۔ دو تین شعر مل سکے۔

لیا تک جو آغوش میں میں تو بولا — ارے چھوڑ کب تک ستاتا رہے گا
ہاتھ میں ہاتھ لے غیروں کا پڑے پھرتے ہو — ہم جو دامن پکڑیں تو آپ جھٹکنے جاتا

وصل کی شب میرا انگیا پر اگر ہو دسترس — میں یہ سمجھوں آگئی سونے کی چڑیا ہاتھ میں

وفا تخلص ہے نواب محمد عمر خاں صاحب بہادر خلف برق الدولہ بہادر رئیس اعظم حیدرآباد کا۔ آپ نہایت قابل اور مشہور نثر نویس ہیں چنانچہ عاشق ناشاد۔ ناصر حمید۔ گلزار وفا۔ وغیرہ ناول آپ کی تصنیف سے ہیں ایک نظم بعنوان۔ نئے تعلیم یافتوں کا فوٹو۔ آپ کی تصنیف سے نظر سے گزری۔ اگرچہ اس نظم کو کوئی ظریفانہ نظم کہنا غلطی ہے۔ مگر چونکہ اکثر جگہ بیان میں شوخی اور شگفتگی ہے اسی لئے اس کے بعض اشعار درج کرتا ہوں۔

عجب انداز سے کچھ آج ہم فریاد کرتے ہیں — نئی تعلیم والوں کی بیاں روداد کرتے ہیں

نئی تعلیم پا کر کالجوں سے جو نکلتے ہیں — صلاح قوم کی وہ ہر جگہ فریاد کرتے ہیں

بدل کر ٹھاٹ اپنا اسطرح گھر سے نکلتے ہیں — زمیں تک کانپتے ہیں بوٹ بھی فریاد کرتے ہیں

سگرٹ منھ میں تو سر پر ترکی ٹوپی ہاتھ میں ہنٹر — چڑھا کر آنکھوں پہ عینک نظر برباد کرتے ہیں

اگر رستہ میں ملجاتا ہے اگلی وضع کا کوئی — تو ہنس کر اولڈ فیشن کہہ کے اسکو یاد کرتے ہیں

کمر پر ہاتھ رکھکر جب کمیٹی میں کھڑے ہونگے — پکاریں گے کہ آؤ قوم کو ہم یاد کرتے ہیں

ترقی کر گئی ہیں غیر قومیں تم بھی اب جاگو — فصاحت سے بلاغت سے یہی ارشاد کرتے ہیں

یہ سب کچھ کہہ کے جب تقریر اپنی ختم کرتے ہیں — تو پھر جاتے ہیں میخانوں کو وہ آباد کرتے ہیں

پسند آتی نہیں ہے قوم کی صنعت انھیں کوئی — برانڈی اور چرٹ سے اپنے دل کو شاد کرتے ہیں

ڈرامے شکسپیر کے اٹھا کر دیکھ لیں سارے — کہ شاعر ہی زمین شعر کو آباد کرتے ہیں

حضور آداب تسلیمات کہنے پر تو یہ خوش ہیں — اگر بابو کہے کوئی تو بس فریاد کرتے ہیں

بظاہر شاعروں کی ہجو میں مصروف ہیں لیکن — بھلا کیوں نا دلوں سے اپنے دل کو شاد کرتے ہیں

نہ ہو جب تک چھری کانٹا یہ کھانا کھا نہیں سکتے — اگر چمچہ نہ ہو تو ہر گھڑی فریاد کرتے ہیں

پلاؤ اور مطنجن قورمے سے انکو نفرت ہے — ڈبل روٹی اور آلو ہو تو دل کو شاد کرتے ہیں

انھیں نفرت نہ کیوں ہو باپ دادا کے مذہب سے — کہ ان کو تو یہ ہر دم فول کہکر یاد کرتے ہیں

یہی تہذیب ہے تو ہمکو کچھ مطلب نہیں اُنسے — ہم اُن کی وضع پر بھی دور ہی سے صاد کرتے ہیں

حرف ہائے ہوز

ہاشمی گیارہویں صدی ہجری کا شاعر نصرتی کا معاصر ہے - مادرزاد نابینا تھا - مگر عقل و ذہانت اور طباعی میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا چنانچہ ۱۰۹۹ھ میں ایک مثنوی یوسف زلیخا کے نام سے لکھی جس سے اسکی ذہانت پر روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ زبان اردو کے شروع زمانے میں بھی یہ اسی طرح زبان پر قدرت رکھتے تھے جیسے کہ لوگ آج اسپر ناز کرتے ہیں - بہ لحاظ قدامت ریختی کا موجد انھیں کو تسلیم کیا جا سکتا ہے - نمونہ کے طریقہ پر ان کے اشعار جو درج کیے گئے ہیں وہ میں بھی ذیل میں لکھتا ہوں ہاشمی نے ۱۱۰۸ھ میں انتقال کیا اور آخر تک برابر یہ رنگ کہتے رہے -

اگر کوئی آکے دیکھے گا تو دل میں کیا کہے گا
مجھے بدنام کیا کرتے کہیں میں جا و نگی چھوڑو

رضا گر تجکو دیتے ہی کرینگی گھر میں جا وارد
اگر تجھ ہو وینگی فرصت صبح پھر آونگی چھوڑو

ہاسے واسے - تخلص تو خیر یہ کیا ہوگا - مگر اسی تخلص سے ایک منچلے شاعر نے اپنی طباعی اور ذہانت کے جوہر دکھلائے - اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں - جس زمانہ میں داغ مرحوم کا انتقال ہوا ہے - اُس وقت خدا معلوم اڈیٹر مرحوم کی ذاتی اغراض سے یا اور کسی سبب سے اودھ پنچ میں ظریفانہ تاریخوں کا وہ طومار بندھا تھا کہ سننے والوں نے کانوں میں انگلیاں

دے لی تھیں - جذبات ظرافت میں ایک حشر ونشر کا عالم برپا تھا - جس کسی کو خبر ہوئی - سو ضروری کام چھوڑے مگر داغ کے لئے ایک ظریفانہ تاریخ ضرور لکھدی - ادنہیں اکثر تہذیب کے درجہ سے بھی گر گئیں - مدتوں تک یہ سلسلہ جاری رہا چونکہ داغ مرحوم ایک مسلم الثبوت - استاد اور ملک کے نامور شعراء میں سے تھے - اس لئے اکثر حضرات کو اپنا صحیح نام وتخلص تو لکھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی - سمجھے تھے کہ داغ کے ایک دو شاگرد تو ہیں نہیں سب بے تعداد ہیں بے شمار ہیں - اگر ذرا بھی کسی کو معلوم ہو گیا تو آفت آجائے گی - اسی لئے عجیب وغریب تخلصوں کے ساتھ سب چیزیں لکھی جاتی تھیں چنانچہ اِن صاحب نے اپنے لئے ہائے واسے تخلص پسند کیا ہے - تاریخ میں امیر و داغ دونوں کو لیا ہے اور اودھ پنچ سابق مطبوعہ ۱۶ - مارچ ۱۹۰۵ء میں تھوڑی سی نثر کے ساتھ یہ تاریخ شائع کرائی ہے - ممکن ہے کہ اور بھی کچھ ظریفانہ کلام ہو - مگر مجھکو صرف یہی ملا - جو مع نثر نقل کرتا ہوں -

حضرت سنئے یوں تو لوگ روز ہی روتے ہیں لیکن بندہ درگاہ کا رونا کوئی ایسا ویسا معمولی محرم وحرم کی مناسبت سے نہیں - کیا معنی لوگ صرف دس دن محرم ہی میں سینہ کوبیاں کرکے روتے رلاتے سعادت دارین حاصل کرتے ہیں لیکن آپ جانئے ہمارے شہر میں سدا سہاگنوں میں بھی سال بھر تک محرم ہی محرم رہتا ہے اجنبی آدمی تو یہ جانتا ہے محرم ہے غم حسین میں لوگ ہلاک رہتے ہوں گے مگر حقیقت حال معلوم ہونے پر اپنی حماقت ہی پر رونا آتا ہے یعنی جس کو لوگ تابوت خیال کرتے ہیں وہ ہمارے شہر کا طاعونی مردہ ہوتا ہے - اور گھر والیوں کا رونا جو سوز و نوحہ سمجھا جاتا ہے صرف خدا واسطے کا رونا ہوتا ہے - علیٰ ہذا القیاس یہاں کی حالت دیکھئے میرے نزدیک رونا ایک معمولی مشغلہ ہے - اسی وجہ سے بھلا اور موقع کا کیا ذکر اللہ بخشے مرنے والی کے نام پر بھی میں نے دو آنسو نہیں بہائے - ہاں خوب

یاد آیا - عمر بھر میں صرف ایک بار رویا ہوں اور وہ بھی غمی میں نہیں - بلکہ شادی میں کب جب میں بنا تھا - بلنے سے یہ نہ خیال فرمائیے گا بنا بنا تھا - بلکہ اور لوگوں نے بنایا تھا - الحمد للہ وہ بگڑ گئیں میں آدمی بن گیا - یا اس مرتبہ حضرت داغ کے مرنے کا قلق ہوا - لوگوں کی شہرا شہری دیکھا دیکھی میں بھی روتا ہوں - ہاں اور سنئیے اگرچہ میں خاندانی شاعر نہیں اور نہ خدانخواستہ ملک کے مشہور شاعروں میں میرا شمار ہے - لیکن موزوں طبع ضرور ہوں اسوجہ سے ذرا نظم کہتے نوحہ پڑھتے ہوئے جھجکتا ہوں - اور پھر ایسے شہر میں جہاں کے تعیش اور خلقت کا یہ حال ہے دس دن محرم میں بھی شواہد پرستی سے باز نہیں رہتی بجائے غزل ٹھمری بٹھہ خیال کے غم حسین کے پردے مرثیوں کی اوٹ میں کھلم کھلا گانا سنتے سوز و ساز کے لطف چھیڑ چھاڑ کے مزے لوٹتی ہے - پس بندہ کبھی قیود شاعری کو سلام کرکے نوحہ یا حضرت داغ کی وفات کا قطعہ تاریخ لکھتا اور خوب جی کھول کے روتا ہے - اور اگر روتے نہ بنے تو بقول شخصے ع نہ گرفتار ہوں آتی نہیں فریاد مجھے -

روتا ہوں بھی روتا ہوں

دے گئے داغ امیر و داغ ہائے امیر وائے داغ	دل کو ہو غم سے کیا فراغ ہائے امیر وائے داغ
کس کو غزل سنائیے داد کمال سے پایئے	روئیے اور رلائیے ہائے امیر وائے داغ
کرتی ہیں نذریاں بیں چپکے ہیں اک شعر شوق	غل ہے بجائے یا حسین ہائے امیر وائے داغ
کام ہے اپنے کام سے ورنہ غرض سلام سے	کہہ سکے کوئی نظام سے ہائے امیر وائے داغ
وہ جو ہمیں ستائیں گے ہم بھی کسی کو چھیڑ جائیں گے	مر کے تو نام پائیں گے ہائے امیر وائے داغ
ہائے مجھے ملال ہے رنج و الم کمال ہے	غم سے برا یہ حال ہے ہائے امیر وائے داغ
بسکہ مرض تھا لادوا ہونا تھا جو وہی ہوا	وا یا اجل نے ڈھونڈ لیا ہائے امیر وائے داغ

اب نہ وہ روداد ہے ورنہ غزل ہی یاد ہے ۔۔۔ رنج یہ مستزاد ہے ہائے امیر وائے داغ
غم سے جو آپ میں نہ آئے سالِ وفات کیا سنائے ۔۔۔ کہتا ہے دل کہ ہائے ہائے ہائے امیر وائے داغ

داغ صاحب مر گئے شرم و حضوری رہ گئی ۔۔۔ کیا کہوں اک حسرتِ عرضِ ضروری رہ گئی
میرے دل سے پوچھئے صدمے ہیں کیا کیا جان پر ۔۔۔ مارے غم کے زندگی اپنی ادھوری رہ گئی
یہ خبر سنکر کوئی گھر سے ہمارے چل دیا ۔۔۔ میرے ذمہ اُن کی باقی کچھ مزدوری رہ گئی
مجھ سے گھبرا کے کہی ہاتف نے جلدی سے یہ بات ۔۔۔ سالِ تاریخ مسیحی ہے جو دوری رہ گئی
سر کتر کے لے گئے داغ اور از روئے قلق ۔۔۔ شاعری ہندوستان میں اب لنڈوری رہ گئی

ہجر آپ کا نام پنڈت تربھون ناتھ والد کا نام پنڈت بشمبر ناتھ صاحب سپرد تخلص صاحب برتھا حضرت ہجر ۱۸۵۳ء میں تحصیل جنسیا میں پیدا ہوئے۔ مگر زیادہ تر سکونت فیض آباد میں رہی۔ علوم مشرقی زمانہ کے دستور کے مطابق مکتب میں پڑھے۔ پھر متعدد جگہ انگریزی علم کی تحصیل کر کے کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف۔ اے۔ تک تعلیم پائی مگر چونکہ امتحان میں پاس نہ ہوئے اس لئے دل ٹوٹ گیا اور تعلیم کے سلسلہ کو ختم کر دیا۔ بعدہ تلاش معاش اودھ کے مختلف اضلاع میں گھوم کر گونڈہ میں مستقل سکونت کا قصد کیا تھا اور دو برس تک وہاں مسلسل رہے بھی۔ مگر گردش تقدیر سے زانو کا درد پیدا ہوا جس نے مدتوں پریشانی کا سلسلہ اور علالت کا تسلسل قائم رکھا تا اینکہ اسی کے علاج کے لئے فیض آباد آئے۔ آخرکار یہیں چھ ماہ بیمار رہ کر بعمر ۳۹ سال ۱۸۹۲ء میں انتقال کیا۔

بقول منشی سجاد حسین مرحوم سابق اڈیٹر اودھ پنچ اس اخبار کے سب سے پہلے قدردان اور خریدار ہجر تھے۔ ایک سال تک مختلف عنوانوں پر آپ کے مضامین اودھ پنچ

میں شایع ہوتے رہے۔ نہ صرف اودھ پنچ بلکہ ملک کے مشہور مشہور اخبارات و رسائل میں آپ کے نہایت معرکۃ الآرا مضامین شائع ہوئے اور پبلک نے مخصوص قدردانی کے ساتھ ان کو پڑھا۔

جیسے کہ آپ ایک کامل نثار تھے اسی صورت سے آپ کو شعر گوئی کا شوق تھا۔ حضرت قدر بلگرامی کے شاگرد تھے۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں فکر شعر کرتے تھے اور دونوں میں نہایت اچھے شعر نکالتے تھے۔ مگر زیادہ تر میلان طبع ظرافت کی طرف تھا۔ اسی سبب سے اکثر متین اشعار میں بھی یہ رنگ ظاہر ہو جاتا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ آپنے اپنے کلام کو کبھی جمع نہیں کیا۔ یہی سبب ہے کہ اب بمشکل سے چند شعر دستیاب ہو سکے جو درج ذیل ہیں۔

مرے ساقی چانڈو کا چھینٹا پلا — کہ ہستم اسیر کمند ہوا
مزا کرکرا ہو گیا دے حریص — ندارم غیر از تو فریاد رس
خوش از چانڈو بازی دگر کار نیست — و دریں گرم تر ہیچ بازار نیست
مدک چوں مس قلب را کیمیاست — کہ افیوں ہمہ درد ہا را دواست
جو تو چانڈو بازی کرے اختیار — شود خلق دنیا ترا دوستدار
یہ افیونیوں کی کمر خم نہیں — نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمیں
کمر خم ہوئی جھک گیا مغز و پوست — تواضع ز گردن فرازاں نکوست
مدک کش لگالے اگر دم سنبھل — نہ بد سوز او شعلہ در آب و گل
ادھر لاؤ حقہ لگاؤ نہ دم — کہ تا گر شود سر بسر کالعدم
جو افیوں پیئے ہے وہی آدمی — نہ زیبا نہ مردم بجز مردمی
میاں اب تو جلدی سے آ اٹھوں پہر — بغفلت مبر عمر در وے بسر

— بجز مردم شناسا کیا مرتبہ پایا ہے۔ تو بھی تفاقر اسکے موقع پر ایک صاحب

کی شان میں حالی کے مسدس کے طریق پر جو ایک نظم لکھی تھی اُسنے خصوصیت کے ساتھ شرفِ قبول حاصل کیا۔ جسکے چند بند تفنّنِ طبع کے طور پر ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں

سنبھل قومی اعزاز کے کھونے والے — زمانے میں تخمِ حسد بونے والے
جہالت کے چشمے سے منہ دھونے والے — خبردار او بے خبر سونے والے
گھٹا کی طرح چھا رہی ہے تباہی
تری قوم پر آ رہی ہے تباہی

عداوت کے شعلے کو بھڑکانے والے — جہالت کی زنجیر کھڑکانے والے
دلوں کو ضعیفوں کے دھڑکانے والے — نیا روز اک جوڑ بھڑکانے والے
یہ کیا سنّی شیعہ بازیاں ہیں
یہ کیا قوم میں رخنہ اندازیاں ہیں

اگر لکھنؤ میں تمہیں باخدا تھے — بڑے نیک طینت تھے پارسا تھے
اگر قوم میں تم ہی دھرم آتما تھے — بڑے پاک باطن تھے پارسا تھے
تو بہتر تھا گھر بار سب تیاگ دیتے
چلے جاتے کاشی میں سنیاس لیتے

یہ ذاتی تشخص یہ نخوت کہاں تک — یہ پندار یہ عجب و نخوت کہاں تک
یگانوں سے اپنے یہ نخوت کہاں تک — یہ بیٹھے لڑانے کی عادت کہاں تک
ذرا کھول کر کان سن اس سخن کو
ہے در پیش چہ آخر ش چاہ کن کو

ہدایت خواجہ ہدایت اللہ کے عرف سے مشہور تھے ممکن ہے کہ یہی نام کبھی ہو۔ شاہ طہماسپ اور شاہ عباس ماضی کے اصطبل خانے کے داروغہ تھے

شعر و شاعری میں شہر بھر میں مشہور تھے۔ شدہ شدہ یہ خبر بادشاہ کے کانوں تک پہونچی پوچھا کہ کیوں ہدایت تم شعر کہتے ہو۔ انہوں نے اقرار کیا۔ جہاں پناہ نے کہا کہ اگر شاعر ہو تو سکندر نامہ نظامی کے وزن پر کم سے کم پانچ سات شعر بے معنی کہکر ہمکو سناؤ۔ انہوں نے کہا کہ حضور پانچ سات شعر کیا معنی اگر حکم دیجئے تو خمسہ نظامی کے جواب میں ایک بے معنی خمسہ کہدوں۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ کام بہت مشکل ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگرچہ مشکل ہے مگر حضور کے اقبال سے غلام آسانی کے ساتھ اس فرض کو ادا کر سکتا ہے حضور انعام مقرر فرمائیں۔ بادشاہ نے ہر بیت کے صلہ میں ایک عباسی دینے کا وعدہ فرمایا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی شرط کر لی کہ اگر کوئی شعر بامعنی خمسہ بھر میں نکل آئیگا۔ تو ہر شعر کے عوض آپ کا ایک دانت توڑ دیا جائے گا۔ ہدایت نے اقرار کر لیا اور اسکے بعد قلیل عرصہ میں ایک خمسہ مہمل کہکر نذر گزرانا۔ تمام خمسہ میں تین شعر بامعنی نکلے اُسکے بدلہ میں وعید کے موافق تین دانت اکھڑوا دئے گئے۔ اور بقیہ اشعار کے جلدو میں وعدہ عطائے یک عباسی فی شعر پورا کر دیا۔ چنانچہ اُس کے سکندر نامۂ مہمل کے تین شعر یہ ہیں۔

اگر عاقلی بخیہ بر مو مزن | بجز پینہ بر نعل آہو مزن
بر غم ملک ترکتازی مکن | بآہنگ ما ہیچ بازی مکن
کہ نعل از تبسم مربا شود | بصبر آسیا کہتہ حلوا شود

نمونہ ہفت پیکر مہمل

خاش بر مدعائے گوز مکن | رخنہ در ہر جوال دوز مکن
دم بخجر ظلوم زندہ سبیل مزن | سائباں بر سر خلیل مزن

———

نمونہ شیریں خسرو مہمل

منہ چوں میل سر در پائے خشخاش | مکن چوں سر مہ دان جائے نقاش
بیاباں وقت گل دروازہ دارد | کلید بوریا آوازہ دارد
نہ تنہا دوستی در کاہدان است | کہ این نادان جائے عاشقان است

ہدہد۔ ان کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ اودھ پور ریب وطن۔ مگر جس زمانہ میں دلی کی شاعری عروج پر تھی اور باکمالوں کا مجمع اس کے وقار و عزت کا ضامن ہو گیا تھا اسی زمانہ میں کسی خاص وجہ سے یہ اپنا اصلی وطن ترک کر کے دلی چلے آئے تھے اور کہیں حکیم آغا جان عیش کے مکان کے قریب آ کر رہے۔ اس زمانہ میں مکتبی بڑا چلتا دھندا تھا۔ کچھ لڑکے لئے اور پڑھانے بیٹھ گئے۔ پڑھاتے رہے۔ مگر اسی طرح جیسے پہلے لوگ پڑھایا کرتے تھے۔ اتفاق وقت سمجھئے یا شامت اعمال کہ ایک روز کسی لڑکے کو مولانا نظامی کی مشہور تصنیف سکندر نامہ کا سبق پڑھا رہے تھے۔ ادھر سے حکیم آغا جان عیش گزرے چلتے چلتے کان میں ان معانی اور مطالب کی بھنک پڑ گئی جو میاں جی اپنے ہونہار شاگرد کو بتا رہے تھے۔ حکیم صاحب تو خود زعفران زار تھے سنتے ہی ٹھہر گئے۔ پھر تو کھڑے ہو کر پورا سبق سنا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ ذہانت کے عجائب خانہ کا منظر سامنے آ گیا۔ جو مطلب سنا عجیب و غریب۔ جو معنی کان تک پہونچے انوکھے۔ اب کیا تھا۔ سامان تفریح یا روحانی غذا ہاتھ آ گئی چپکے سے ہاتھ کا اشارہ کر کے ایک لڑکے کو الگ بلایا اور تاکید کر کے کہہ دیا کہ آج اپنے مولوی صاحب سے ہمارا سلام کہنا اور کہہ دینا کہ آپ سے کچھ ضروری کام ہے بلایا ہے۔ یہ کہہ کر چلے گئے۔ ادھر لڑکے نے حکیم صاحب کے الفاظ آموختہ کی طرح مولوی صاحب

کو سنا دیئے دوسرے روز حکیم صاحب سے ملنے کے لئے گئے۔ حکیم صاحب نے باتوں باتوں میں لیاقت علمی کا حال معلوم کیا تو دنوں میں پول کھل گئے۔ پس پھر کیا تھا۔ اچھی ایک چڑیا ہاتھ لگ گئی حکیم صاحب نے پھر پوچھا کہ کیوں بھلا جناب کو کچھ شعر و شاعری کا بھی ذوق ہے یا نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کیا مشکل ہے نہیں ہے تو اب ہو سکتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اچھا آپ غزل کہئے تو آپ کو مشاعرے لے چلیں۔ انھوں نے مشاعرہ کی صورت پوچھی۔ حکیم صاحب نے وہ صورت بھی کھینچ کر دکھائی دوسرے ہی دن یہ حکیم صاحب کے تعمیل ارشاد کے لئے ایک کھوسٹ کا کہرا غزل کہہ لائے۔ مولوی صاحب کی کہی ہوئی غزل حکیم صاحب کے لئے کشت زعفران تھی اسمیں کچھ اپنا تصرف کر کے بالکل دیوار قہقہہ بنا دی۔ آئے دن مشاعرے ہوا ہی کرتے تھے۔ کسی مشاعرے میں اپنے ساتھ لے گئے۔ مولوی صاحب کا ہدہد تخلص قرار دیا گیا۔ مگر مشاعرے کے روز ان کی جو وضع تھی یعنی لو کدار ڈاڑھی۔ گھٹا ہوا سر۔ اس پر عمامہ۔ بالکل کٹھک بڑھیا معلوم ہوتے تھے۔ حکیم صاحب تو ظرافت کے نباض تھے کہنے لگے کہ مولوی صاحب کوئی ظریفانہ تخلص رکھئے انھوں نے جواب دیا کہ تجویز کر دیجئے۔ انھوں نے وضع قطع کے موافق ہدہد تجویز کر دیا۔ انھوں نے منظور فرما لیا۔ انھوں نے مشاعرے میں ان کی پوری پوری تعریف کر کے موجودہ تخلص کا اظہار کر دیا۔ ظریفوں کی خصوصاً اور سامعین کی نظریں عموماً ادھر متوجہ ہو گئیں۔ جب غزل پڑھی تو وہ چل پوں مچی کہ حکیم صاحب کیا۔ مولوی صاحب بیک خوش ہو گئے۔ اور مشاعرہ کی واہ واہ سبحان اللہ نے وہ منظر دکھایا کہ عمر بھر نہ دیکھا تھا۔ چند روز کے بعد حکیم صاحب کو ایک اور مذاق سوجھا۔ بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ کہلایا اور انہیں دربار میں لے پہونچے۔ اور جہاں پناہ کے سامنے وہ قصیدہ پڑھوایا۔ جس میں کے چند شعر یہ ہیں۔

جو تیری مدح میں میں چونچ اپنی وا کر دوں — تو رشک باغ ارم اپنا گھونسلا کر دوں
جو آکے زیر کرے میرے آگے موسیقار — تو ایسے کان مروڑوں کہ بے سرا کر دوں
جو سرکشی کرے آگے مرے ہما آکر — تو اسکے نوچ کے پر شکل نیولا کر دوں
میں کھانے والا ہوں نعمت کا اور تیرے لیے — فلک کدہ ہے مقدر میں باجرا کر دوں

بادشاہ سلامت نے قصیدہ بڑے غور سے سنا۔ مشکل سے اس سے پہلے کوئی ایسی مدح سنی ہوگی۔ باغ باغ ہو گئے۔ اور فوراً طائر الاراکین۔ شہپر الملک۔ ہدہد الشعرا منقار جنگ بہادر خطاب دیا اور سات روپیہ ماہوار چگے کے لئے مقرر کر دیئے۔ پھر تو ہدہد کے چند روز میں اور ہی ٹھاٹ ہو گئے۔

ایک دفعہ برسات زیادہ ہوئی۔ مکانات گرے۔ حویلیاں تباہ ہوئیں۔ انھیں میں میاں ہدہد کا بھی مکان نذر سیلاب ہو گیا۔ انھوں نے حکیم صاحب سے کہا۔ حکیم صاحب نے کہا کہ شہر میں سیکڑوں مکان پڑے ہیں کیا ان میں سے ہدہد کے گھونسلے کو کوئی جگہ نہ ملے گی دیکھو کوئی بند و بست کئے دیتے ہیں۔ جھٹ پٹ ایک عرضی نظم کر دی۔ پوری درخواست اب کہاں ملتی ہے بعض شعر یہ تھے۔

جز ترے شاہنشا کہہ کس کے آگے روئیے — کس سے جا کے کہئے یہ غم کو ہمارے کھوئیے
تجھکو ہے حق نے کیا ملک سخن کا شہسوار — ہیں بجا کرتے سمند طبع کے یہاں لو لئے
حیف آتا ہے کہ فن شعر میں کیوں کھوئے عمر — کاش کے ہم سیکھتے اس سے بنانے بولئے
سنگلاخ ایسی زمیں ہو دیکھ ایدل تا کجا — فکر کیجئے صرف آہیں اور پتھر ڈھوئیے
رشتۂ عمر شہنشاہ جہاں ہووے دراز — یا خدا کھلتے رہیں جبتک جہاں میں ہوئیے
دیجئے اسکو بھی زمیں تھوڑی کہ بن کر گھونسلے — مارتا پھرتا ہے ہدہد ٹاپک ٹوئیے

ایک دفعہ تنخواہ کے لئے دیر ہو گئی۔ انھوں نے ایک درخواست نظم کر کے نذر گزرانی

اب درخواست کا پتہ نہیں۔ مگر نتیجہ معلوم ہے کہ تنخواہ مل ضرور گئی۔

راجہ دیبی سنگھ خانسامانی کی خدمت پر مامور ہوئے تو مبارکباد کے طریق پر یہ شعر لکھے۔

جہاں میں آج دیبی سنگھ تو راجوں کا راجہ ہے | خدا کا فضل ہے جو ملو میں تو آپ راجا ہے
سلیماں نے ہی تیرے ہاتھ میں دی رزق کی کنجی | تو سرداروں کا سردار اور مہاراجوں کا راجا ہے
شکم اہل جہاں کے سب ہیں شکرانے بجا لاتے | دعا میں ہے ترا جا کر گنبد گردوں پہ باجا ہے
کسی کو دے نہ دے تنخواہ تو مختار ہے اسکا | مگر ہدہد کو دیدے کیوں کہ ہدہد نکما جا ہے

حکیم صاحب ہمیشہ ہدہد کے لئے ظرافت کا سرچشمہ کھود کھود کر مضامین کے دریا بہاتے رہتے تھے اور ہدہد کے مذاق سخن کو سیراب کر دیتے تھے۔ بعض شعر یہ ہیں۔

ہدہد کا مذاق ہے نرالا سب سے | انداز ہے اک نیا نکالا سب سے
سر دفتر لشکر سلیماں ہے یہ | اڑتا ہے سخن میں بالا بالا سب سے

راست آمیزوں کو نفرت ہے کج آمیزوں سے | تیر نکلا جو کماں سے تو گریزاں نکلا
آشیاں سے جو غزل پڑھنے کو ہدہد آیا | غل پڑا پیش رو ملک سلیماں نکلا

حکیم صاحب نے ساتھ ہی ساتھ ایک اور دو لگی کی۔ غزل میں دو ایک شعر ایسے بھی رکھ دیتے تھے جنمیں معاصرین پر چوٹیں ہوا کرتی تھیں۔ مثلاً جب غالب پہ چوٹیں کیجاتیں تو ہدہد سر مشاعرہ کہتے کہ یہ غزل مرزا غالب کے رنگ میں ہے پوری غزل پڑھ جاتے نہایت چست بندش اور رنگین الفاظ ہوتے۔ مگر معنی ندارد۔ بعض شعر یہ ہیں۔

مرکز محور گردوں بہ لب آب نہیں
ناخن قوس قزح شیشۂ صہبا نہیں

مرحوم خود ایک ظریف اور زندہ دل آدمی تھے اُن پران باتوں کا کیا
ہنستے اور ٹال دیتے۔ مگر اور لوگوں نے ہد ہد کے جواب کے لئے ایک شخص کا
تخلص باز رکھا۔ اور مشاعرے میں لائے۔ باز نے اپنی بازی دکھائی اور مشاعرہ کو
بازی گاہ بنا دیا۔ مگر قبول خاطر لطف سخن خدا داد ست۔ بیچارے باز کے شعروں
میں سے ایک شعر بھی مشہور نہ ہوا۔ اور میاں ہد ہد نے جو اُسکے جواب میں غزل کہی
اس کے کئی شعر اب بھی لوگوں کے نوک زبان ہیں۔

جسے کہتے ہیں ہد ہد وہ تو زنتیبو نگا دادا ہے
مقابل تیرے کیا ہو تو اگر جہ کی مادہ ہے

گر اب کے باز تری میدان میں آئی سامنے میرے
تو دم میں پر نہ چھوڑوں گا یہی میرا ارادہ ہے

مقرر باز جو اپنا تخلص ہے کیا تو نے
ہوا معلوم یہ اس سے کہ گو تیر آکشادہ ہے

ادب لے بے ادب اب تک نہیں تجھکو خبر اسکی
کہ ہد ہد سب جہاں کے طائروں کا شہزادہ ہے

جب دو دو چونچیں ہو گئیں تو چند روز میں باز اڑ نچھو ہو گیا۔ اور ہد ہد نے پالا
جیت لیا۔ مگر یار لوگ فکر میں لگے ہوئے تھے انھوں نے ہد ہد کے مقابلہ کو ایک
کالا بھجنگا تیار کیا اور زاغ تخلص رکھا۔ ہد ہد نے اسکی بھی خبر لی چند روز میں
وہ بھی ففرو ہو گیا اسی زاغ کے لئے انھوں نے یہ شعر لکھے تھے۔

چون آیا ہے عدو اپنے بدل کوے کی
اسکی ہے پاؤں سے تا سر وہی خو کوے کی

وہی کالا کالا وہی کیں کیں وہی ٹیں ٹیں اسکی
بات چھوڑی نہیں بال کے سر موکوے کی

پہلے جانا تھا یہی سب نے کہ کوا ہوگا
پھر جو معلوم کیا ہے یہ بہو کوے کی

بن کے کوا جو یہ آیا ہے تو اے ہد ہد شاہ
دم کتر دینے کو کچھ کم نہیں لو کوے کی

غرض کہ باری باری سے جو جو جانور ہدہد کے مقابل ہوتے گئے اس نے مارے چونچوں کے سب کا بھرکس نکال دیا۔ اور آخر وقت تک بادشاہ کے یہاں سے وہی آذوقہ جاری رہا۔ جو ایک دفعہ جاری ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ ادھر اُدھر سے بھی کچھ نہ کچھ مل رہتا تھا۔

حیرت پنڈ ۔ عبد الکریم نام ہے مارہرہ ضلع ایٹہ کے رہنے والے ہیں۔ زمانۂ حال کے خوش فکر ظریف شعراء میں سے ہیں مگر افسوس کہ کلام زیادہ نہ مل سکا صرف ایک شعر ہدیۂ ناظرین کر سکتا ہوں۔

ہم جو کم ہے عیاش فیض تنگدستی ہے ۔۔۔ ورنہ۔۔۔۔ واسے تیری کوئی ہستی ہے

خواجہ محمد شریف نام تھا۔ مرزا غیاث بیگ کے باپ اور نور جہاں بیگم انیسہ جہانگیر بادشاہ کے دادا تھے نہایت ظریف خندہ پیشانی بذلہ سنج لطیفہ گو تھے۔ شاہ طہماسپ ماضی کے زمانہ میں زندہ و سلامت موجود تھے ایک ضخیم دیوان ان سے یادگار رہے۔ مگر ناپید ہے اسی لیے ان کی ظرافت کے پورے پورے نمونے نہیں دیئے جا سکتے صرف ایک قطعہ نمونتًا درج کیا جاتا ہے۔ جو اس وجہ سے کہا گیا تھا کہ ایک مرتبہ سلامی اور کلامی نے جو دونوں بھائی تھے اور مشہور شاعروں میں گنے جاتے تھے خواجہ مذکور کی تعریف میں بہ امید انعام ایک قصیدہ کہا۔ خواجہ نے انعام دیا اور یہ قطعہ نظم کر کے ان کو سنا دیا۔

دو چیز ست بدتر ز تیر حرامی ۔۔۔ سلام سلامی کلام کلامی

باوجود تلاش کے مجھے ان کا نام و مقام معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ ایک مجموعہ ہزلیات میں ایک غزل ظریفانہ رنگ کی دستیاب ہوئی۔ مگر افسوس ہے کہ

فواحش سے سرتاپا لبریز ہے ۔ اس لئے صرف دو تین شعر صاف لکھتا ہوں۔

جتنے ہیں اسرار ہو جائیں گے تجھ پر منکشف ۔۔۔ اے منجم جب فنا فی ..... تو ہو جاییگا

خوش گپی میں دل لگی یوں ہی اگر ہوتی رہی ۔۔۔ اے ہزل کامل غزل گوئی میں تو ہو جائیگا

میم صاحب نے نہا کر جو بنائے گیسو

جرم سنگین تھا باندھے گئے زنجیر میں ہاتھ

حرف یا

یار۔ محمد رفیق تخلص ہے۔ اصلی وطن ضلع پرتاب گڈھ میں ہے۔ مگر چونکہ بسلسلۂ ملازمت ان کے والد کا قیام لکھنؤ ہی میں رہا۔ اسی وجہ سے اوائل عمر سے یہیں رہتے رہے۔ اب دو تین برس ہوئے کہ ان کے والد کا انتقال بھی ہو گیا مگر اس شہر کی دامنگیر خاک نے وطن جانے کی تب بھی اجازت نہ دی اب بھی یہیں محلہ حسین گنج میں رہتے ہیں اور مری کمپنی میں ملازم ہیں شعر و شاعری کا مدتوں سے شوق ہے۔ ہشیار تخلص ہے اور راقم تذکرہ کو اپنی غزلیں دکھاتے ہیں۔ کبھی کبھی ظرافت بھی کہتے ہیں اُسوقت یار تخلص کرتے ہیں۔ نہایت نیک طینت سلیم المزاج پابند صوم و صلوٰۃ متشرع ہیں اب تقریباً ۲۸ برس کی عمر ہوگی۔ چند شعر رنگ ظریفانہ درج کرتا ہوں۔

جوان کو جھکتا ہے کہتا ہے انکو وہ شیریں لبوں میں آپکے شکر کا کارخانہ ہے
نگل کے چھوڑینگے مجھکو وہ ایکدن اے یار میں تو بلا چلا ہوں اُن کا بڑا دہانہ ہے

ادا ہن کی دونالی سے وہ سبکو قتل کرتے ہیں نہ چوکیدار کا غم ہے نہ تھانیدار کا ڈر ہے
نتیجہ کیا ہے آخر محتسب اس لاٹھی ٹھینگے سے مرے حصہ میں ٹھینگا ہے ترے حصہ میں کیا سر ہے
ملا ہے جان دیکر بوسہ اُن کے لال گالوں کا بہت میٹھا سہی لیکن بڑا مہنگا چقندر ہے
اٹھا کر لیگیا آئینہ اُن کے قصر عالی سے بڑا اب بندر نہیں اپنے نصیبے کا سکندر ہے

ہم نے الفت کا حسینوں کی نتیجا دیکھا — موت کی دھار میں بہتا ہوا پیسا دیکھا
ناز دیکھا ترا نخرا ترا اٹھا دیکھا — کیا کہیں ہم کہ شب وصل میں کیا کیا دیکھا

بس یہی طائر دل کی ہے نشانی اے یار — ہجر کی شب جو رہے ڈھونڈھ یہ الو ہو کر

خانہ بر دوش اُسے کہتے ہیں اے زلف دوتا — اپنے کندھے پہ اٹھاتا ہے جو چھپر اپنا
بڑی آوارہ ہے یہ دختر رز بھی اے یار — ڈھونڈھ کر چھوڑتی ہے آپ یہ شوہر اپنا

لیلیٰ کی اماں نے یہ مجنوں کے ابا سے کہا — آپ سمجھا لیجئے گا اپنے برخوردار کو
یہ حسینان جہاں ہیں مالکان نقد دل — انسے بیشک ٹیکس لینا چاہیے سرکار کو

یاسمن۔ ایک شاعرہ تھی جسکا نام چنبیلی تھا۔ یاسمن نام کی مناسبت سے تخلص اختیار کیا تھا۔ سید انشا کی کنیز تھی۔ جوان العمر تھی۔ مگر مرد کی صحبت سے ایسا قدر متنفر تھی کہ اُس کی طرف کبھی رخ بھی نہ کرتی تھی۔ مگر سید انشا نے بموجب اتباع شریعت اسکا نکاح کر دیا تھا۔ حالانکہ جس شخص سے نکاح ہوا تھا وہ شخص نہایت معقول اور معقولیت پسند تھا۔ مگر چونکہ چنبیلی بالطبع مرد کی صحبت سے متنفر تھی اس لئے اس کی صحبت راس نہ آئی اور نکاح کے تیسرے روز بغیر کسی عارضہ کے فوت ہو گئی۔ اس عورت کی طبیعت نہایت موزوں تھی اور عاشقانہ شاعری کے علاوہ کبھی کبھی ظرافت بھی کہتی تھی۔ چنانچہ اس کا ایک شعر مل سکا۔

دختر رز سے رات صحبت تھی — شیخ جی کا مگر وضو نہ گیا

ہیں۔ عبدالقادر نام تھا۔ دہلی کا رہنے والا۔ اور وہاں کے نہایت مشہور و معروف پہلوانوں میں تھا ایک مرتبہ اپنی پہلوانی کے غرور میں کسی شخص سے لڑا۔ اگرچہ وہ شخص زور میں اس سے زیادہ نہ تھا مگر چونکہ فن کشتی سے اچھی طرح واقف تھا اسی لیے اسپر غالب آیا۔ اس معرکہ میں پچھڑنے کے بعد اسپر ایسی غیرت کا غلبہ ہوا کہ شہر چھوڑ کر نکل گیا اور پھر کبھی عمر بھر دلی میں نہ آیا۔ شعر و شاعری سے بھی شوق تھا اور بہ سبب کم علمی کے اکثر ظریفانہ شعر کہتا تھا۔ چند شعر یہ ہیں۔

کہہ دو رقیب سے کہ وہ باز آئے جنگ سے	۱	ہرگز نہیں ہیں یار بھی کم اُس دبنگ سے
پھرتے ہو بل بنے ہوئے تم کچھ دبنگ سے	۲	مطلب نہ نام سے ہے غرض ہے نہ ننگ سے
لب کا بڑھا دیا ہے مزا خط سبز نے	۳	ساقی نے [illegible] مے صافی کو بنگ سے
دو چار صورتیں کہیں آتی ہیں گر نظر	۴	واں ہم بھی [illegible] ہیں لگا امنگ سے
آجائیو نہ پیچ میں ظالم کے دیکھنا	۵	یاری تو تم [illegible]

Syed Said Ahsan (of Marehra)

ملنے کا پتہ صرف "نگار بک ایجنسی نظیر آباد لکھنؤ"